زیتون کے پھل اور دوسرے اقسام کے میوے، اور ٹوکرے بنانے کے لئے بید مجنون دساور کیا جاتا تھا۔ کازرون اور دریز میں سوتی کپڑے اور عمدہ تن زیب، مصری زربفت کی نقل کا ایک کپڑا، جو دبیق کہلاتا تھا، اور جھالر والے تولئے تیار ہوتے تھے۔ دشت بارین کے صدر مقام، غندِ یجان، میں قالین، پردے، گدے، تکیے اور سلطان کے استعمال کے لئے طراز کے قسم کی زربفت تیار ہوتی تھی۔ ارجان کا ایک قسم کا شربت مشہور تھا، جو کشمش سے تیار کیا جاتا تھا، اور دِبس یا دُوشاب کہلاتا تھا۔ یہاں عمدہ صابون اور موٹے اونی کپڑے اور مندیل بھی تیار ہوتے تھے؛ اور اس کے علاوہ ارجان کا شہر ہندوستانی تجارتی اشیا (بوبھار) کا تجارت گاہ تھا۔ قریب کے بندرگاہ مَہرُبان، سے مچھلیاں، کھجوریں، اور پانی بھرنے کی عمدہ مشکیں دساور کی جاتی تھیں۔ سِینِیز میں ایک خاص قسم کی تن زیب، جسے قصَب کہتے تھے، تیار ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ یہاں سوتی کپڑے بھی بنتے تھے۔ جنّابہ کے سوتی کپڑے بھی مشہور تھے۔

اصطخر میں نقابوں کے لئے کپڑا تیار کیا جاتا تھا۔

علاقۂ رُوذان کے شہروں میں عمدہ کپڑا اور ایک خاص قسم کے کھڑاویں، جنھیں شمشک کہتے تھے، پانی بھر لینے کی مشکیں اور مختلف قسم کی دوائیں تیار ہوتی تھیں۔ یزد اور ابرقوہ میں سوتی کپڑے بنے جاتے تھے۔

دارابجرد میں ہر قسم کے سوتی کپڑے، بعض بہت باریک بعض کم باریک اور بعض موٹے بناوٹ کے بنے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ یہاں زردوزی کا کام بھی

ہوتا تھا، اور عمدہ قالین اور بوریے تیار کئے جاتے تھے۔ چنبیلی کا تیل اور عطریات، اور ایک قسم کے خوشبودار دانے جو یہاں خود رو ہوتے تھے دساور کئے جاتے تھے۔ اَذَجان اور دارا بجرد کی مومیا، یا نفط کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اصطخری نے ایک قسم کی مچھلی کا ذکر کیا ہے، جس میں کانٹے نہ ہوتے تھے، اور جس کا ذائقہ بھی بہت اچھا ہوتا تھا۔ یہ مچھلی دارا بجرد کی خندق میں پائی جاتی تھی۔ فرگ کے شہر میں تقریباً یہی سب چیزیں جو اوپر بیان ہوئیں تیار کی جاتی تھیں، اور ان کے علاوہ دِبس کا شربت بھی بہت عمدہ بنتا تھا۔ یہی کل اشیاء طارم میں بھی ہوتی تھیں، اور یہاں قسم قسم کی مشکیں اور مضبوط ڈول بھی تیار کئے جاتے تھے۔ فسا کے کچے ریشم اور بکری کے بالوں کے بُنے ہوئے کپڑے خاص طور پر شہرت رکھتے تھے۔ قالین، غالیچے، تولئے، رومال، اور ریشم کے کڑھے ہوئے پردے، خاص کر ٹیلے پر طاؤس کے رنگ کے، بہت مشہور تھے۔ الائچی، اور رنگنے کی چیزیں بھی فسا سے دساور کی جاتی تھیں۔ نمدہ (انماط) بھی یہاں بہت تیار کیا جاتا تھا اور نمدے کے خیمے، جو خرگاہ کہلاتے تھے، بہت دساور کئے جاتے تھے۔ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق فارس میں نایین کے مقام پر چاندی کی کانیں تھیں، اور لوہا اور پارہ اصطخر کی پہاڑیوں میں پایا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ فارس کے مختلف علاقوں میں سیسہ، تانبا، گندھک، اور نفط ملتا تھا۔ سونے کی کوئی کان معلوم نہ تھی۔ رنگنے کے مختلف قسم کی چیزیں فارس کے تمام علاقوں میں ملتی تھیں؛ چنانچہ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ ملک رنگ ریزوں اور رنگوں کے

(۲۹۵)

کارخانوں سے پُر تھا۔[1]

صوبہ فارس کی سڑکوں کا حال بہت سے عرب اور ایرانی مصنفوں نے تفصیل سے لکھا ہے، اور ان سفرناموں میں تمام فاصلے فرسخوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ بڑی خرابی یہ ہے کہ یعقوبی، جو سڑکوں کے حالات بیان کرنے میں بہترین اور مستند ترین مصنف ہے، فارس کی سڑکوں کا حال بیان نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ ابن رستہ سے بھی ہم کو اس معاملے میں مایوس ہونا پڑتا ہے۔ لیکن تیسری (نویں) صدی میں ابن خرداذبہ نے، اور قدامہ سے لے کر چوتھی (دسویں) صدی میں، مقدسی اور اصطخری نے، اور چھٹی (بارھویں) صدی کے ابتدائی زمانہ میں، مصنف فارس نامہ نے جو حالات صوبۂ فارس کے لکھے ہیں، وہ اُس زمانہ کے جغرافیہ کے لئے نہایت کارآمد ہیں۔ افسوس ہے کہ ایران کے باقی ماندہ صوبوں کے متعلق ایسی مفصل معلومات موجود نہیں۔ مستوفی نے بھی، جو ایرانی مصنف ہے، آٹھویں (چودھویں) صدی میں، ان تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے جو مغلوں کی فتوحات سے عمل میں آئیں۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں علی یزدی نے تیمور کے کوچ کا حال، اھواز سے شیراز تک کا، بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کوچ ایک بڑی سڑک سے شروع کیا گیا تھا۔

صوبۂ فارس میں تمام بڑی سڑکیں شیراز سے مختلف جہات کو نکلتی تھیں بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ

[1] اصطخری ص ۱۵۲، ۱۵۵ + ابن حوقل ص ۲۱۲-۲۱۵ + مقدسی ص ۴۴۲، ۴۴۳ +

پہلے ان سڑکوں کا حال بیان کر دیا جائے جو شیراز سے ساحل بحر کو جاتی تھیں۔ سیراف، جزیرۂ قیس، اور سب سے آخر میں جزیرہ ہُرمز، یکے بعد دیگرے خلیج فارس کے سب سے بڑے بندرگاہ رہے ہیں۔ اور تمام شاہراہیں ان ہی بندرگاہوں کو جاتی تھیں، بعینہ اُسی طرح جیسے آج کل کاروان اور ڈاک کی سڑکیں بوشہر کو (جس نے اب ہُرمز کی جگہ لے لی ہے) جاتی ہیں۔ ساحل بحر کو جانے والی سڑکوں میں سب سے زیادہ مشرقی سڑک وہ ہے جو جزیرۂ ہُرمز کے سامنے والی بندرگاہ کو جاتی ہے، اور اسی بندرگاہ سے جزیرۂ ہُرمز کے ساحل کو پہنچ کر شہر ہُرمز کو پہنچتی تھی۔ ان دونوں مقامات کا ذکر بائیسویں باب میں آئیگا۔ شیراز سے چل کر یہ سڑک سَروِستان اور فَسا سے گزرتی ہوئی دَارابجرد، فُرگ اور طارُم پہنچتی تھی۔ طارُم سے یہ سڑک جنوب کی طرف مڑ کر پرانے زمانہ میں سمندر کے کنارے سُورُو، شہرو یا مستوفی کے املا کے مطابق تُوسَر، تک آتی تھی۔ اِسی سُورُو ہی کے قریب خاندان صفوی کے عہد میں بندر عباس بنایا گیا تھا، جو اب تک موجود ہے، اور جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس سڑک کے حالات پانچ مختلف مصنفوں نے لکھے ہیں[1]۔

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۵۲، ۵۳ + اصطخری ص ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۷۰ + مقدسی ص ۴۵۴، ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۸۵ (ھ) + مستوفی ص ۲۰۰ + (مقدسی کے صفحات کا حوالہ یہاں غلط چھپ گیا ہے۔ بجائے ص ۴۵۴ اور ۴۵۵ کے ص ۴۵۴ ۴۵۵ ہونا چاہئے۔ ص ۴۵۴، ۴۵۵ میں مقدسی نے شام کے حالات بیان کئے ہیں۔ مترجم)

(۲۹۶) ایک دوسری سڑک شیراز سے، تقریباً جنوب کی طرف پرانے زمانہ میں سیراف کو جاتی تھی۔ جب یہ بندرگاہ ویران ہوگیا تو قافلے اسی سڑک پر ایک مقام سے، جہاں سے ساحل نصف راہ رہ جاتا تھا، جنوب مشرق کی طرف ایک دوسرے سڑک اختیار کرتے تھے؛ اور یہ نئی سڑک قافلوں کو جزیرۂ قیس کے سامنے والے بندرگاہ تک پہنچا دیتی تھی۔ کارروان کا یہ راستہ مستوفی نے بیان کیا ہے۔ مقدسی نے بھی ایک بڑی سڑک کا ذکر کیا ہے، جو شیراز سے جزیرۂ ھُرمُز کو جانے والی سڑک پر شہر دارا بجرد سے شروع ہوکر بندرگاہ سیراف کو گئی تھی۔ اس سڑک کا تقاطع شیراز سے جزیرہ قیس کو جانے والی سڑک پر ہوتا تھا۔ مستوفی نے بھی بعد کے زمانہ میں اس سڑک کا ذکر کیا ہے۔ ساحل پہنچنے کی ان تمام راہوں کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے کہ شیراز سے ایک سڑک کُوار کو ہوتی ہوئی جُور یا فیروز آباد تک آئی تھی۔ فیروز آباد سے یہ سڑک، جو پرانی ہے، دائیں ہاتھ کو جھکی ہوئی سیراف پہنچتی ہے۔ فارس نامہ میں جس سڑک کا ذکر ہے وہ فیروز آباد کے قریب بائیں ہاتھ کو مڑکر کارزین ہوتی ہوئی لاغر کو آئی ہے، اور پھر کُوان سے گزر کر سیراف پہنچی ہے۔ مستوفی نے جو راہ بیان کی ہے اُس میں سڑک فیروز آباد کو مشرق کی جانب چند فرسخ چھوڑ دیتی ہے۔ اور فارس نامہ میں جس سڑک کا ذکر ہے اُسی کی طرح لاغر تک جاتی ہے۔ لاغر سے جنوب مشرق میں بائیں طرف کو مڑکر فاریاب اور ریگستان سے ہوتی ہوئی ھُزُو کے بندرگاہ میں پہنچتی ہے جو جزیرہ

قیس کے سامنے ہے - خرابی یہ ہے کہ کاغذ سے ہُزُو
جانے والی سڑک کا حال صرف مستوفی میں ملتا ہے، اور
اس کی کتاب کے قلمی نسخوں میں مختلف منزلوں کے نام
صحت و یقین کے ساتھ نہیں پڑھے جا سکتے - علاوہ بریں
موجودہ زمانہ کا کوئی سیاح بھی اس سڑک سے نہیں گزرا
ہے - اس لئے مستوفی کے بیان کی تصحیح کی کوئی صورت
نظر نہیں آتی، اور ہمارے نقشے اس علاقہ کے بالکل کورے
ہیں - دارابجرد سے جس سڑک کا ذکر مقدسی نے کیا
ہے وہ جُوَیْم ابو احمد ہوتی ہوئی فادیاب یا بادیاب جاتی
تھی، جو مستوفی کے بیان کئے ہوئے راستہ کی منزلوں میں
سے ایک منزل تھا - اس کے بعد یہ سڑک فادیاب
سے مصنف فارس نامہ کے بیان کئے ہوئے راستہ سے
کُرّان پہنچتی تھی؛ جہاں سے وہ سیدھی سیراف کو
جاتی تھی[1]

ساحل کو جانے والی مغربی سڑک کا شمالی حصہ وہ
راستہ اختیار کرتا تھا جو آج کل شیراز سے بُوشہر کو جاتا
ہے کیونکہ سڑک کا یہ حصہ کازرون اور دریز سے گزر کر توّاج
پہنچتا تھا - توّاج چوتھی (دسویں) صدی میں تجارت کے
لحاظ سے ایک بڑا شہر تھا، اور توّاج سے آگے سڑک
کا یہی ٹکڑا جنّابہ کو چلا گیا تھا - فارس نامہ میں ایک اور
مختلف راستہ بھی بیان ہوا ہے - یہ راستہ علاقہ ماصرم سے

---

[1] اصطخری ص ۱۲۸، ۱۲۹ + مقدسی ص ۴۵۴، ۴۵۵ + فارس نامہ ص
۸۶ (a) (b) مستوفی ص ۲۰۰ + اور مستوفی ص ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۸۰ + جزیرہ قیس
کا نام قیش اور کِش بھی لکھا جاتا ہے +

گزرتا ہوا، جرّہ اور جرّہ سے غندیجان ہوتا ہوا توّاج چلا جاتا تھا۔ لیکن غندیجان کے مقام پر ایک سڑک جنوب کی طرف مڑ کر نجیرم کے بندرگاہ کو جاتی تھی جو سیراف سے کچھ فاصلے پر مغرب کی سمت میں واقع تھا۔ مستوفی نے اس مغربی سڑک کا ذکر سیراف سے صرف کازرون تک کیا ہے۔ اس کے زمانہ میں توّاج ویران ہوتا جاتا تھا، اور اُس وقت خلیج فارس کا سب سے بڑا بندرگاہ جزیرہ قیس تھا[سلہ]۔

(۹۷ا)

صوبہ فارس کی جس شاہراہ کا سب سے زیادہ مفصل حال ملتا ہے وہ شیراز سے شمال مغرب کی طرف ارّجان اور خوزستان جانے والی سڑک ہے۔ اس سڑک کے حال میں کم از کم آٹھ مختلف بیان ملتے ہیں۔ سب سے آخری بیان علی یزدی کا، جس نے ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) میں تیمور کے اهواز سے بہبہان ہوکر شیراز مراجعت کرنے کا حال اُلٹی طرف سے شروع کیا ہے۔ تیمور نے راستہ میں زبردست قلعۂ سفید کو ہلّہ کرکے فتح کیا تھا۔ کتب مسالک کے بیان کے مطابق شیراز سے شروع ہوکر خوزستان جانے والی سڑک، شمال مغرب میں، جُویم سے ہوتی ہوئی نوبنجان، اور نوبنجان سے گنبدِ ملّغان ہوکر ارّجان گئی تھی۔ ارّجان سے یہ سڑک دریائے طاب کے عالیشان پُل پر سے گزرتی ہوئی صوبہ فارس کے سرحدی شہر بستانک میں پہنچتی تھی۔ مقدسی اور دوسرے

سلہ اصطخری ص ۱۳۰ + مقدسی ص ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۸۶ (ب) + مستوفی ص ۲۰۰ +

عرب جغرافیہ نویسوں نے اَرَّجان سے بندرگاہ مَہرُبان، اور مَہرُوبان سے جنوب مشرق میں سمندر کے کنارے کنارے بندرگاہ سِینِیز اور سینیز سے آگے جنّابہ تک، جتنے مقامات بیچ میں آتے تھے، اُن کے باہمی فاصلے بھی بیان کئے ہیں[1]

زمانہ وسطیٰ میں شِیرَاز سے اصفہان جانے کے لئے تین راستے الگ الگ تھے۔ سب سے زیادہ مغربی سمت کا راستہ اَرَّجان کی سڑک سے جُوَیم کے مقام پر دائیں ہاتھ کو مڑتا تھا، اور علاقہ سَرْدَسْت کے شہر بَیْضا سے ہوتا ہوا کُوْرد اور کَلاَّر سے گزرکر سُمَیرَم پہنچتا تھا، اور وہاں سے اصفہان جاتا تھا۔ اس راستہ کا ذکر ابن خردادبہ اور مقدسی نے کیا ہے۔ تینوں راستوں میں درمیانی راستہ موسم گرما والی سڑک ہے، جو کوہستانی علاقہ میں سے گزرتی ہے، اور شِیرَاز سے مَایِن جاتی ہے۔ مَایِن سے آگے کُوشکِ زَرْد اور دِیْہ گِردُو سے گزرکر یَزْدخواست سے ہوتی ہوئی اصفہان پہنچ جاتی تھی۔ ابتدائی عرب، اور زمانۂ مابعد کے ایرانی جغرافیہ نویسوں نے اس سڑک کا حال لکھا ہے؛ البتہ منازل کے ناموں میں ان کے بیانات میں کہیں کہیں اختلاف ہے۔ اب رہا تیسرا راستہ، جو سب سے زیادہ مشرقی سڑک ہے (یعنی موسم سرما والی یا قافلوں والی سڑک جو مسطح زمین پر سے گزرتی تھی)۔

[1] ابن خردادبہ ص ۴۳، ۴۴ + قدامہ ص ۱۹۵ + ابن رستہ ص ۱۸۹، ۱۹۰ + اصطخری ص ۱۳۳، ۱۳۴ + مقدسی ص ۴۵۳، ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۸۵ (b) + مستوفی ص ۲۰۱ + علی یزدی ج ۱- ص ۶۰۰ +

یہ سڑک سب سڑکوں سے زیادہ مشرق کی طرف مائل تھی۔ یہی سڑک شیراز سے شمال کی سمت میں اصطخر اور اصطخر سے دِیہ بید جاتی تھی۔ دِیہ بید سے ایک بڑی سڑک داہنے ہاتھ کو پھٹ کر اَبرقوہ ہوتی ہوئی یزد جاتی تھی، اور اس دِیہ بید سے اصفہان جانے والی سڑک کے بائیں ہاتھ کو سُرمق اور آبادہ کے گاؤں سے ہوکر یزدخواست کے مقام پر موسم گرما والی سڑک سے مل جاتی تھی۔ یزدخواست سے آگے قومشہ ہوتی ہوئی یہ سڑک اصفہان چلی جاتی تھی۔ موسم سرما والی سڑک کا حال مقدسی اور مصنف فارس نامہ، دونوں نے لکھا ہے۔ نیز یزد تک کی منازل کا ذکر تقریباً تمام مصنفوں نے کیا ہے۔ یہی موسم سرما والی سڑک ہے جو آج کل شیراز اور اصفہان کے درمیان معمولاً ڈاک کی سڑک کا کام دیتی ہے[1]۔

(۲۹۸) شیراز سے شہر بابک، اور شہر بابک سے سیرجان (جو کرمان کے مقاموں میں سے ایک صدر مقام تھا)، جانے کے لئے دو راستے تھے۔ ان میں سے ایک راستہ جھیل بختگان کے شمال سے، اور

[1] مغربی سڑک کے لئے دیکھو:۔ ابن خرداذبہ ص ۵۸۔ مقدسی ص ۴۵۷، ۴۵۸ + موسم گرما کی یا کوہستانی سڑک کے لئے دیکھو: قدامہ ص ۱۹۶، ۱۹۷ + اصطخری ص ۱۳۲، ۱۳۳ + مقدسی ص ۴۵۸ + فارس نامہ ص ۸۳ (b)۔ مستوفی ص ۲۰۰ + موسم سرما کی سڑک کے لئے دیکھو:۔ مقدسی ص ۴۵۸ + فارس نامہ ص ۸۴ (b) + یزد کی سڑک کے لئے دیکھو:۔ قدامہ ص ۵۱ + اصطخری ص ۱۲۹ + مقدسی ص ۴۵۷ + فارس نامہ ص ۸۶ (b) مستوفی ص ۲۰۱ +

دوسرا راستہ جھیل کے جنوبی ساحل سے ملا ہوا گیا تھا۔
جنوبی راستہ پہلے شیراز سے اصطخر (Persepolis) آیا
تھا۔ یہاں سے شہر بابک کو جانے کے دو راستے
تھے :۔ ایک سیدھا ہرات کے گاؤں سے ہوتا ہوا
شہر بابک پہنچتا تھا' اور دوسرا آبادہ کے شہر سے
گزرتا ہوا صاہک کو گیا تھا' جہاں پر یہ راستہ اُس
سڑک سے مل جاتا تھا جو جھیل بختگان کے جنوبی
ساحل سے آئی تھی۔ یہ جنوبی سڑک شیراز سے
شروع ہوکر' مشرقی سمت میں' جھیل ماہلو کے شمالی
کنارے سے ہو کر خرمہ پہنچتی تھی؛ اور خرمہ کے
آگے جھیل بختگان کے جنوبی ساحل سے گزرتی ہوئی
خیرہ آتی تھی۔ مصنف فارس نامہ نے اس سڑک کی
ایک شاخ کا ذکر کیا ہے جو خیرہ سے نیریز اور
قطرہ کو جاتی تھی' اور درمیان میں جو مقامات آتے
تھے اُن کے باہمی فاصلے بھی بیان کئے ہیں۔ اصلی
سڑک خیرہ سے صاہک کلان جاتی تھی' اور یہاں
جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے' یہ سڑک اُس راستہ سے
مل جاتی تھی جو جھیل بختگان کے شمالی ساحل سے
ملا ہوا اصطخر سے آتا تھا۔ صاہک کلان سے آگے
چل کر یہ سڑک ایک ریگستانی قطعہ میں سے گزرتی ہوئی
شمال مشرق کی طرف شہر بابک کو چلی گئی تھی۔
جھیل بختگان کے شمالی اور جنوبی دونوں ساحلوں
کی سڑکوں کی منزلوں اور مرحلوں کے نام عرب اور
ایرانی مصنفوں کی کتابوں میں ملتے ہیں؛ لیکن بیچ کی
بعض منزلوں کے ناموں کی صحت نہیں ہوسکتی۔ یہ نام

زیادہ تر ایسے قریوں کے ہیں جو اس وقت باقی نہیں، کیونکہ زمانہ وسطیٰ کے خاتمہ کے بعد سے یہ تمام علاقہ غیر مزروعہ اور غیر آباد چلا آتا ہے[۱]۔

---

[۱] راستہ براہ ھَرَات:- مقدسی ص ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷ + راستہ براہ اَبادَہ اور شمالی ساحل بَختِگان:- ابن خردادبہ ص ۵۳ + قدامہ ص ۱۹۵ + اصطخری ص ۱۳۰، ۱۳۱ + فارس نامہ ص ۸۴ (b) + راستہ براہ خَبَرَہ و جنوبی ساحل بَختِگان:- ابن خردادبہ ص ۴۸ + مقدسی ص ۴۵۵ + فارس نامہ ص ۸۵ (a) + مستوفی ص ۲۰۱ + اُن سڑکوں کے متعلق جو صوبۂ فارس سے چل کر سیرجان پر ختم ہوتی تھیں دیکھو کتاب ہذا باب ۲۱ و ۲۲ +

باب بست و یکم

کرمان

صوبہ کرمان کے پانچ کورہ یا علاقے۔
صوبہ کے دو صدر مقام - پہلا صدر
مقام سیرجان، اُس کی جاء وقوع
اور تاریخ - دوسرا صدر مقام بُودَسِیرَ
جو اب کرمان کہلاتا ہے - ماھان
اور اُس کا دَرویش - خَبیص - نَرمَاشیر
اور کُوهِستَان، جسے مارکو پولو نے
کوبنیان (Cobinan) لکھا ہے +

اصطخری لکھتا ہے کہ صوبہ کرمان زیادہ تر گرم سیر
(جا دم) ہے - اُس کا صرف چوتھائی حصہ پہاڑی ہے
جس میں سرد ملک کی فصلیں ہوتی ہیں - باقی حصہ، جو
زیادہ ہے، صحرا ایران کے سلسلہ میں چلا آیا ہے -
کرمان میں شہر دُور دُور واقع ہیں، اور اُن کے بیچ میں
بڑے بڑے وسیع و عریض قطعات غیر مزروعہ اراضی کے
حائل ہیں - فارس کی طرح یہاں کے شہر پاس پاس
نہیں ہیں - یاقوت نے لکھا ہے کہ سلاطین سلجوق کے
عہد میں کرمان نہایت ہی معمور اور با رونق تھا - لیکن

ساتویں (تیرھویں) صدی میں، جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے، اس صوبہ کی ویرانی کا آغاز ہو چلا تھا، اور اراضی رفتہ رفتہ غیر مزروعہ ہوتی جاتی تھیں۔ اس حالت زار نے آخر کار ایک مستقل صورت اُس تباہی کی اختیار کر لی جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں آئے کے آخر میں تیمور کے حملے اور غارتگری کا نتیجہ تھی۔

چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے صوبۂ کرمان کو پانچ کُورُوں یا علاقوں میں تقسیم کیا ہے: ان میں سے ہر ایک علاقہ کا نام اُس علاقے کے صدر مقام کے نام پر تھا۔ یہ کُورے حسب ذیل تھے:۔ (۱) بُردسیر؛ اس میں شمال کا چھوٹا سا ماتحت علاقہ خبیص بھی شامل تھا۔ اس کے بعد (۲) کورۂ سِیرجان؛ صوبۂ فارس کی سرحد پر، (۳) بَم؛ (۴) نرماسیر؛ مشرق میں بادیہ ایران کی سرحد پر، (۵) جیرُفت، جنوب کی طرف، جو ہُرمُز کے ساحل بحر تک پھیلا ہوا تھا۔ شمال اور مشرق میں اُس کی سرحد بادیہ ایران سے، اور جنوب مغرب میں ساحل بحر سے قائم ہوتی تھی۔ مغرب میں اصطخری کی تحریر کے مطابق صوبۂ کرمان کی سرحد سِیرجان کے اردگرد صوبۂ فارس کی زمینوں میں "آستیں (کمّ) کی طرح" بڑھتی چلی گئی تھی۔ چند ابتدائی مصنفوں نے جو حالات لکھے ہیں ان میں شہر بابک بھی صوبۂ کرمان میں شامل سمجھا گیا ہے[1]۔

(۳۰۰)

---

[1] اصطخری ص ۱۵۸، ۱۶۳، ۱۶۵ + مقدسی ص ۴۶۰، ۴۶۱ + یاقوت ج ۴۔ ص ۲۶۳ +

جیسا کہ صوبہ اور اُس کے دارالحکومت کا نام ایشیا میں اکثر ایک ہی ہوا کرتا ہے۔ آج کل تو صوبۂ کِرمان کا دارالحکومت کِرمان کا شہر ہی ہے۔ لیکن زمانۂ وسطیٰ میں دو شہر ایسے تھے جو صوبۂ کِرمان کے صدر مقام تھے؛ یعنے سِیرجان اور بَردسِیر۔ ان میں سے بَردسِیر وہی مقام تھا جو آج کل شہر کِرمان ہے، اور اُس علاقہ کے قریب واقع تھا، جو اب تک علاقہ بَردسِیر کہلاتا ہے۔

سِیرجان، یعنی کِرمان کا پُرانا اسلامی دارالحکومت، ساسانی زمانہ میں بھی دارالحکومت رہا تھا۔ عرب جغرافیہ نویسوں نے اس کا نام ہمیشہ (ال کے ساتھ) السِیرجان یا الشِیرجان لکھا ہے، اور آج کل گو اس نام کا کوئی شہر موجود نہیں ہے، لیکن علاقہ سِیرجان اب بھی صوبۂ کِرمان کے مغربی حصہ میں موجود ہے، جس کا بڑا شہر سعید آباد ہے۔ حال ہی میں سعید آباد سے مشرق میں پانچ میل کے فاصلے اور ایک پہاڑی کی شاخ پر قلعۂ سنگ[1] کے شکستہ آثار بافت کی سڑک پر دریافت ہوئے ہیں، جو غالباً پُرانے دارالحکومت شہر سِیرجان کے کھنڈر ہیں؛ کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی بڑے

---

[1] قلعۂ سنگ کو قلعۂ بَیضا (سفید قلعہ) بھی کہتے ہیں۔ یہ قلعہ سنگ آہک کی ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ جو سطح زمین سے تین سو فیٹ بلند ہے۔ قلعہ شکل میں بیضوی ہے، اور اُس کا طول تقریباً چار سو گز ہے۔ کھنڈروں کے گرد اب بھی کچی اینٹوں کی دیواریں جو پرانی بنیادوں پر قائم کی گئی ہیں، موجود ہیں۔ یہ کھنڈر ۱۹۰۰ء میں میجر سائکس (Sykes) نے دریافت کیے، اور اُسی نے

شہر کے کھنڈر ہیں۔ زمانۂ وسطیٰ کے سیاحت ناموں میں جو فاصلے بیان ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کھنڈر عین اس جگہ ہیں جہاں شہر سیرجان واقع تھا۔ موجودہ علاقۂ سیرجان میں گو پرانا کورۂ سیرجان کا محض ایک حصہ شامل ہے، لیکن بہرکیف اس علاقہ کے نام نے ایک پرانے شہر کا نام ہمارے لئے محفوظ رکھا ہے عربوں کی فتوحات کے بعد، چوتھی (دسویں) صدی کے درمیان تک، یعنی جب تک کہ تمام جنوبی ایران میں بنی بُویَہ کا عمل دخل ہو، اسلامی صوبۂ کرمان کا دارالحکومت شہر سیرجان ہی رہا۔ بنی بُویَہ نے جس شخص کو کرمان کا حاکم مقرر کرکے بھیجا اُس کا نام ابن الیاس تھا۔ اس شخص نے کسی وجہ سے، جس کا حال معلوم نہیں، اپنی سکونت بَرْدَسِیر (یعنی موجودہ شہر کرمان) کو منتقل کردی۔ اس کے بعد جب سرکاری دفاتر سیرجان سے بَرْدَسِیر چلے آئے تو سیرجان محض ایک دوسرے درجے کا شہر رہ گیا۔ بہرحال جب اصطخری نے اپنی کتاب لکھی ہے تو سیرجان اس وقت تک صوبہ کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہاں کے مکانوں کی تعمیر میں لکڑی بہت کم لگائی گئی تھی، کیونکہ تمام مکانوں میں ڈاٹ کی چھتیں تھیں۔ مقدسی نے بنی بُویَہ کے عہد میں لکھا ہے کہ سیرجان کا شہر شیراز سے بڑا اور زیادہ آباد تھا۔ اس میں دو بڑے بازار تھے، ایک پرانا اور دوسرا نیا، اور دونوں تجارتی مال، خصوصاً تیار لباسوں اور اُس کپڑے سے جن سے (۲۰۱)

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ:- سب سے پہلے ان کا مفصل ذکر اپنی کتاب (Ten Thousan Miles in Persia) (لنڈن ۱۹۰۲ء) کے صفحہ ۴۳۱ پر کیا ہے۔

یہ لباس تیار ہوتے تھے، بھرے رہتے تھے؛ اسی لئے یہ شہر تیار، سلے سلائے کپڑوں کے لئے مشہور تھا۔ شہر کے کوچہ اور بازار عمدہ بنے ہوئے تھے، اور اکثر مکانوں میں خانہ باغ تھے۔ شہر کے چار دروازے تھے (مقدسی نے ان کے نام لکھے ہیں، لیکن ان میں سے بعض قلمی نسخوں میں مختلف طور سے لکھے ہوئے ہیں)۔ جس دروازے کو "باب حکیم" کہتے تھے اُس کے قریب بنی بویہ کے سلطان عضدالدولہ نے ایک بڑا محل تیار کرایا تھا۔ شہر کی جامع مسجد پرانے اور نئے بازار کے درمیان واقع تھی۔ اس مسجد کے مینار عضدالدولہ نے بنوائے تھے۔ شہر میں پانی دو پٹی ہوئی نہروں سے لیا جاتا تھا۔ ان کو تیسری (نویں) صدی میں لیث الصَفّار کے دو بیٹوں، عمرو اور طاہر، نے کھدوایا تھا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ جب ساتویں (تیرھویں) صدی میں اُس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو سِیرجان صوبۂ کرمان کا دوسرے درجہ کا شہر تھا، اور اُس میں پینتالیس چھوٹی بڑی مسجدیں تھیں۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں شہر سیرجان قَصرَان (یعنی دو محل) کہلاتا تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ اُس نے بیان نہیں کی۔ ابن الاثیر اور میر خوند کی تاریخوں میں سیرجان کا نام اکثر اُن موقعوں پر آیا ہے جہاں بنی بُویہ اور آل سلجوق کی تاریخ بیان ہوئی ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ مغلوں کی فتوحات کے بعد سِیرجان میں ایک مستحکم قلعہ تھا، اُس کی زمینوں میں روئی اور غلّہ دونوں پیدا ہوتے تھے۔ بعد کے زمانہ میں سِیرجان خاندان مُظفّریہ کے شہزادوں کے قبضے میں آ گیا۔ یہ شہزادے فارس پر حکمراں تھے، اور اُن کا پایۂ تخت شیراز تھا۔ لیکن آٹھویں (چودھویں) کے شروع میں

انھوں نے خاندان قراختئی سے تمام کرمان فتح کرلیا۔ ۷۸۹ھ (۱۳۸۷ء) میں تیمور اپنا لشکر لیئے فارس میں داخل ہوا، اور شیراز کے سامنے پہنچا۔ مظفریہ شہزادوں نے اُس کی اطاعت قبول کی؛ اور جب تیمور فارس سے عراق فتح کرنیکے لئے چلا تو اُسے اس بات پر آمادہ کرلیا گیا کہ ان مظفری شہزادوں میں سے چند کو ان کی ریاست پر بحال کر کے اپنا باج گزار بنالے۔ لیکن جب تیمور چلا گیا تو اُنھوں نے بغاوت کردی. نتیجہ یہ ہوا کہ ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) میں تیمور دوبارہ فارس آیا، اور ایک لڑائی میں شہزادگان مظفریہ کی متحدہ فوجوں کو شکست دی، اور اپنے بیٹے سلطان عمر شیخ کو فارس اور کرمان کا حاکم مقرر کردیا۔

بہت سے علاقوں نے خصوصاً کرمان کے علاقوں نے تیمور کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا، اور سیرجان کے حاکم گودرز نے مظفریوں کا نام لے کر مقاومت ظاہر کی. ناچار سلطان عمر شیخ کو فوجیں بھیجنی پڑیں، تاکہ سیرجان کے قلعہ کا باقاعدہ محاصرہ کرلیں۔ علی یزدی کے بیان کے مطابق سیرجان کے قلعہ کی حال ہی میں مرمت کی گئی تھی، اور اُس نے اُس کو بہت مستحکم حالت میں دیکھا تھا۔ ایک سال میں جب محاصرہ کا کوئی نتیجہ نہ دیکھا تو عمر شیخ بذات خود سیرجان آیا، تاکہ معاملہ کا خاتمہ کردے؛ لیکن یہی زمانہ تھا کہ اُس کے باپ نے اُسے واپس بلا لیا۔ تیمور اُس وقت بالائی میسوپوٹیما میں آمد کے مقام پر لشکر ڈالے ہوئے تھا۔ عمر شیخ شاہی لشکرگاہ کے قصد سے کردستان سے گزر رہا تھا کہ سوءِ اتفاق سے موت نے آلیا۔ یہ ۷۹۶ھ (۱۳۹۴ء) کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد دو برس تک سیرجان نے مقابلہ جاری رکھا، مگر پھر دشمن کے حربہ سے نہیں بلکہ رسد کی

(۳۰۲)

کمی سے محصورین نے اطاعت قبول کرلی۔ گوُدَرز نے جب انجام کار اپنے آپ کو حوالہ کیا تو اُسے اور اُس کے باقی ماندہ چند سپاہیوں کو تیمور نے قتل کرا ڈالا، تاکہ اس صوبہ کے دوسرے آدمیوں کو عبرت ہو۔ اس واقعہ کے بعد سِیرجان تباہ ہوگیا؛ گو تیمور کے جانشین کے عہد میں حافظ ابرُو لکھتا ہے کہ سِیرجان اس وقت بھی صوبہ کِرمان میں دوسرے درجے کا شہر (یعنی بَرْدَسِیر کے بعد) ہے اور اُس میں ایک مستحکم قلعہ ایک اونچے پہاڑ پر ہے، لیکن اُس زمانہ کے بعد سے سِیرجان کا نام تاریخوں سے بالکل محو ہو جاتا ہے، اور اس کا محل وقوع مدت کے بعد حال میں قلعۂ سنگ کے پاس دریافت ہوا ہے[۱]

[۱] اصطخری ص ۱۶۶+ مقدسی ص ۴۶۴، ۴۷۰+ یاقوت ج ۳۔ ص ۱۰۶، ۵۲۶ مستوفی ص ۱۸۲+ حافظ ابرو ص ۱۴۰(a) + علی یزدی ج ۱۔ ص ۶۱۸، ۶۶۷، ۴۸۷ + میر خواند قسم چہارم ص ۱۷۰ + قسم ششم ص ۸، ۴+۶۹ سِیرجان کی جاء وقوع عرب جغرافیہ نویسوں نے مختلف مقامات معلومہ سے مرحلوں میں بیان کی ہے، اور ان مرحلوں کا مجموعی فاصلہ فرسخوں میں لکھا ہے، مگر خرابی یہ ہے کہ جس طرح صوبۂ جبال اور صوبۂ فارس کے تمام مقامات کے فاصلے منزل بمنزل، اور ان مقامات کی کیفیتیں سیاحت ناموں میں ملتی ہیں ویسا ہی تفصیلی علم صوبۂ کِرمان کے متعلق حاصل نہیں ہوتا۔ بہرحال جو فاصلے بیان ہوئے ہیں اُن کا خلاصہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔ ان فاصلوں سے بھی تائید ہوتی ہے کہ قلعۂ سنگ اور شہر سِیرجان ہم موقع تھے۔ شمال مغرب میں شہر بابک ہے، جہاں شیراز اور اصطخر سے آنے والی سڑکیں ملتی تھیں، سِیرجان چوبیس اور تیس فرسخ مختلف راہوں سے تھا، اور شہر صاہِک کلاں سے (۳۰) سے (۴۶) فرسخ یا تین مراحل دراز کا فاصلہ رکھتا تھا۔ رُستاق الرُستاق سے (جو ترگ کے شمال مغرب میں

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ صوبۂ کرمان کا موجودہ دارالحکومت شہر کرمان ہے۔ اگرچہ اس ملک میں مسلمانوں کا پہلا دارالحکومت یہ نہ تھا پھر بھی سامانیوں کے ابتدائی زمانے سے یہ ایک بڑا شہر چلا آتا تھا۔ اس کی ابتدا کے متعلق چوتھی (دسویں) صدی کے مصنف حمزہ نے لکھا ہے کہ ساسانی خاندان کے بانی اردشیر نے بِہ اردشیر نام کا ایک شہر بسایا تھا، جس کے معنی اردشیر کی اچھی جگہ کے ہیں۔ عربوں نے اس کے تلفظ کو بگاڑ کر بھرسیر (یا بھدسیر) اور بردسیر (یا بردشیر) کر لیا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اہل ایران اُسے گواشیر کہتے تھے، جو وِہ اَرتخشیر سے ماخوذ تھا، اور ارتخشیر ایک متروک شکل بِہ اردشیر کی تھی۔ یاقوت نے بیان کیا ہے کہ اُس کے زمانے میں اس شہر کو جواسیر (۳۰۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۸) اتنے فاصلہ پر تھا کہ ایک چھوٹے دن کے سفر میں وہاں پہنچ جاتے تھے) سیرجان چار مراحل تھا، اور نیریز سے ساڑھے پانچ مراحل تھا۔ مشرق اور جنوب مشرق کی طرف جانے میں سیرجان سے جیرفت کی سڑک کا طول چھ مراحل یا (۵۴) فرسخ ہے + سیرجان سے رائین جانے کے راستہ کا طول پانچ مراحل تھا۔ سیرجان سے سروستان کا فاصلہ (جو رائین کے جنوب مشرق میں تھا) (۴۵) یا (۴۶) فرسخ تھا، اور ماهان کا فاصلہ تین فرسخ، اور بردسیر (شہر کرمان) کا فاصلہ دو مرحلے سمجھا جاتا تھا۔ ان فاصلوں کا ذکر حسب ذیل مصنفوں نے کیا ہے:- ابن خرداد بہ ص ۴۸، ۴۹، ۵۳، ۵۴ + قدامہ ص ۱۹۵، ۱۹۶ + ابن الفقیہ ص ۲۰۶، ۲۰۸ + اصطخری ص ۱۳۱، ۱۳۵، ۱۶۸، ۱۶۹ + مقدسی ۴۵۵، ۴۶۴ +

جُواشِیر یا گُواشِیر کہتے تھے ۔ یہ سب نام دراصل عربی نام بَردَسِیر کے مترادف اور اُس کی جگہ بلا امتیاز بولے جاتے تھے[1]

بَردَسِیر کا شہر، جو بنی بُویَہ کے عہد میں صوبۂ کِرمان کا نیا دارالحکومت بنا، بلاشبہ ہر لحاظ سے موجودہ شہر کِرمان کے مطابق ہوتا ہے ۔ اس کا ثبوت سیاحت ناموں سے، جن میں اس شہر کا محل وقوع بیان ہوا ہے، اور عرب جغرافیہ نویسوں کے بیانوں سے، جنھوں نے بَردَسِیر کی مختلف عمارتوں اور اُس کے قدرتی مناظر کا ذکر کیا ہے، ملتا ہے ۔ یہ سب چیزیں اب تک ملتی ہیں، اور شہر کِرمان میں اُن کی شناخت ہو سکتی ہے ۔ عربی اور فارسی تاریخوں سے بھی اس تطابق کی شہادت ملتی ہے ۔ کیونکہ چوتھی (دسویں) صدی کے بعد بَردَسِیر کو، جسے بلا تخصیص گُواشِیر بھی کہ دیتے ہیں، مورخوں کے بیانات میں صوبۂ کِرمان کا دارالحکومت ظاہر ہوا ہے، اور یہی نام آگے چل کر "شہر کِرمان"، یا اُس کا مخفف ہو کر فقط کِرمان ہو گئے ۔ اسی طرح، جیسا کہ اکثر ہوتا ہے، صوبہ نے دارالحکومت کو اپنا ہی نام دے دیا ۔

---

[1] حمزہ ص ۴۶ + مقدسی ص ۴۶۰، ۴۶۱ + یاقوت ج ۱- ص ۵۵۵ + ج ۲- ص ۹۲۷ + ج ۴- ص ۲۶۵ + اس شہر کا نام کبھی کبھی یَزدَشِیر بھی لکھا گیا ہے، لیکن یہ محض کتابت کی غلطی ہے جو عربی عبارت نقل کرنے میں نقطے غلط جگہ لگانے سے پیدا ہو گئی ہے ۔ آج کل بَردَسِیر ایک چھوٹے سے علاقے کا نام ہے، جو موجودہ شہر کِرمان کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اور اس علاقے کا بڑا شہر ماشِیز ہے ۔ کسی شہر کا نام ہونے کی حیثیت سے بَردَسِیر کو اب کوئی نہیں جانتا ۔ اس امر کی ایک اور مثال کہ لفظ بہ اور وہ فارس میں بطور اسم مکان کے مستعمل تھا اس کتاب میں کسی اور مقام پر ملے گی +

مقدسی نے بَردِسیر کا حال کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے، وہ بیان کرتا ہے جب بنی بُویَہ کے حاکم نے اسے صوبہ کِرمان کا نیا دارالحکومت قرار دیا تو شہر گو بڑا نہ تھا، لیکن اچھی طرح متحصن ضرور تھا۔ شہر کے باہر ایک بڑا قلعہ پہاڑی کی بلندی پر بنا ہوا تھا۔ اُس میں باغ تھے، اور اور باغوں میں ایک گہرا کنواں تھا، جسے حاکم صوبہ ابوعلی بن الیاس نے کھدوایا تھا، اور خود ہمیشہ رات کو گھوڑے پر سوار ہوکر اس قلعہ میں آیا کرتا تھا، تاکہ اس بلند مقام پر آرام کرے۔ شہر کے دروازے کے قریب ہی ایک دوسرا قلعہ (حصن) تھا، جس کے گرد خندق تھی، اور اس خندق کو ایک پل سے عبور کرتے تھے۔ شہر کے وسط میں ایک تیسرا قلعہ تھا، جو آبادی پر چھایا ہوا تھا۔ اور اسی قلعہ سے ملی ہوئی جامع مسجد تھی، جس کی عمارت بڑی عالی شان تھی۔ شہر کے چار دروازے تھے؛ ان میں سے تین دروازوں کے نام اُن شہروں پر تھے جن کی طرف ان دروازوں سے نکلی ہوئی سڑکیں جاتی تھیں۔ یہ نام حسب ذیل:- باب ماھان، باب خبیص، اور باب زَرَند۔ چوتھا باب مبارک تھا، جو ممکن ہے کسی شخص کے نام پر رکھا گیا ہو۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر کے گرد باغ تھے۔ کنوئیں بھی بہت تھے، اور ان کے علاوہ قناتوں (پٹی ہوئی ندیوں) سے شہر میں پانی بافراط آتا تھا۔[1]

(۳۰۴)

سلطان عضدالدولہ کے زمانے میں جب سے ابن الیاس نے سرکاری دفاتر (دیوان) بردسیر میں

---

[1] مقدسی ص ۴۶۱+

منتقل کیے گئے یہ شہر، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، برابر صوبۂ
کرمان کا دارالحکومت رہا۔ شہر کی وہی حالت ہوتی رہی
جو صوبہ کی ہوتی تھی۔ فارس کا جو کوئی حاکم ہوا اُس نے
اس صوبہ کو بھی اپنے زیرِ نگیں کر لیا۔ پانچویں (گیارھویں)
صدی کے ابتدائی حصہ میں بنی بُویہ کو سلجوقیوں کی بڑھتی
ہوئی طاقت کے مقابلہ میں زوال ہوا۔ سلجوقیوں نے ۴۳۳ھ
سے ۵۸۳ھ تک (۱۰۴۱-۱۱۸۷ء) کرمان پر حکومت کی۔ ان کی
حکومت کی زمانہ میں، گو سیرجان ان کے بڑے شہروں
میں سے تھا، مگر بردسیر ہی بدستور کرمان کا دارالملک،
یا حاکم نشین شہر رہا۔ ابن ابراہیم کی لکھی ہوئی تاریخ
سلاجقہ میں یہاں کے دارالحکومت کا نام کہیں بردسیر، اور
کہیں گواشیر لکھا گیا ہے۔ لیکن میر خواند نے اپنی تاریخ
"روضۃ الصفا" میں جہاں اس زمانے کے حالات کا ذکر
کیا ہے وہاں سلجوقیوں کے زمانے میں صوبۂ کرمان کے
دارالحکومت کا نام ہر جگہ "شہر کرمان" یا مخفف طریقہ سے
کرمان لکھا ہے۔ بردسیر کا نام کہیں نہیں لکھا۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بردسیر اور کرمان یہ دونوں
نام کچھ عرصے تک ایک ہی شہر کے لئے مستقل ہوتے
رہے۔ مثلاً ابن الاثیر نے ۴۹۴ھ (۱۱۰۱ء) کے واقعات لکھتے
ہوئے بیان کیا ہے کہ کس طرح ایران شاہ سلجوقی "
بردسیر سے نکالا گیا، اور یہ شہر وہی ہے جو مدینۂ
کرمان ہے[1]

---

[1] ابن الاثیر ج ۱۰۔ ص ۲۱۹ + ابن الاثیر کی یہ عبارت بظاہر حتمی شہادت
اس واقعہ کی معلوم ہوتی ہے کہ بردسیر بعد کو شہر کرمان ہوگیا۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

(۴۰۵) ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) میں غُزّ ترکمانوں نے صوبۂ کِرمان پر قبضہ کر لیا، اور بَردَسیر کو لوٹ کر آدھا ویران کر دیا، اور چند روز کے لیے زَرَند کو اس کا دارالحکومت قرار دیا۔ اُس وقت سلجوقیوں کا زوال شروع ہوگیا تھا، اور آخر ۶۱۹ھ (۱۲۲۲ء) میں تمام صوبۂ کِرمان پر ایک قلیل المدت حکمران خاندان کا قبضہ ہوگیا، جس کو بالعموم قَراختے کہتے ہیں۔ اس خاندان کے پہلے رئیس قُتلُق خان کے متعلق میر خواند نے لکھا ہے کہ اُس نے شہر کِرمان پر قبضہ کیا تھا، اور آگے چل کر اِسی مورخ نے بیان کیا ہے کہ قُتلُق خان یہاں کے ایک مدرسہ (کالج) میں دفن ہوا "جو خود اُس نے شہر کِرمان کے باہر تُرکاباد کے محلے میں بنوایا تھا"۔ دوسرا بیان مستوفی نے اپنی تاریخ گُزیدہ اور ابن ابراہیم نے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ۴۵۲) مگر اس میں مغالطہ ہے، گو اس واقعہ کی صحت میں تاریخی اور جغرافی دونوں اعتبار سے ذرا کلام نہیں کہ ابن الاثیر کی عبارت اس واقعہ کے ثبوت میں پیش کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ مدینۂ کِرمان کے معنے محض دارالحکومت کے ہیں، اور اس لیے ابن الاثیر کی عبارت ابہام پیدا کرتی ہے۔ اس سے پہلے (ج ۳۔ ص ۱۰۰) میں ابن الاثیر نے جہاں بیان کیا ہے کہ خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں عربی فوجوں نے کس طرح اول مرتبہ سِیرجان پر قبضہ کیا، اُس کے بعد ہی لکھا ہے کہ سِیرجان ہے جو مدینۂ کِرمان (یعنی دارالحکومت کِرمان) ہے، حالانکہ حقیقت میں سِیرجان وہ شہر نہیں ہے جو آج کل کا کِرمان ہے، لیکن بادی النظر میں اس عبارت سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ (میرے نزدیک اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عربی میں مدینۂ کِرمان کے دو معنے ہو سکتے ہیں:- (۱) ایک شہر جس کا نام کِرمان ہے۔ (۲) صوبۂ کِرمان کا دارالحکومت۔ ان ہی دو معنوں کی وجہ سے یہاں بھی اور اور جگہ بھی خلط مبحث پیدا ہوتا ہے۔ مترجم)

آل سلجوق کی تاریخ میں یہ لکھا ہے کہ قتلُغ خان نے سنہ ۶۱۹ (سنہ ۱۲۲۲ء) میں شہر بَرْدَسِیر (یا مصنف تاریخ گزیدہ کے املا کے مطابق گُواشِیر) پر قبضہ کیا، اور اس طرح وہ تمام صوبۂ کِرمان کا حکمران بن گیا۔ اس کے علاوہ یاقوت نے، جو اسی زمانے میں گزرا ہے، بیان کیا ہے کہ اُس وقت (یعنی تیرھویں صدی عیسوی میں) صوبۂ کِرمان کا دارالحکومت بردسیر تھا[1]۔

مغلوں کی تسخیر ایران سے کِرمان پر کچھ زیادہ اثر نہیں پڑا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے ابتدائی زمانہ میں خاندان قراختئی کے آخری بادشاہ کی بیٹی نے فارس کے حاکم سے، جو مظفریہ خاندان سے تھا، شادی کرلی، جو بعد میں صوبۂ کِرمان کو مغلوں کے زیر سیادت لے آیا۔ اس صوبہ کے دارالحکومت گُواشِیر (جسے بَرْدَسِیر بھی کہتے تھے) کے تذکرہ میں مستوفی نے شہر کی مسجد عتیق کا حال لکھا ہے۔ اس مسجد کو پہلی صدی ہجری میں اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے، جن کا انتقال سنہ ۱۰۱ (سنہ ۷۲۰ء) میں ہوا، بنوایا تھا۔ اسی مصنف نے اس باغ کا ذکر بھی کیا ہے، جسے بنی بُوَیہ کے مقرر کردہ حاکم صوبہ ابن الیاس نے تیار کرایا تھا۔ اس باغ کا نام باغ سِیرجانی تھا (یعنی اُس شخص کا باغ جو سِیرجان سے آیا تھا)، اور جب سنہ ۷۳۰ (سنہ ۱۳۳۰ء) میں مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو

[1] مستوفی (گزیدہ) باب ۴۔ فصل ۱۰۔ حکومت بُراق حاجب + ابن ابراہیم ص ۹۴، ۹۵، ۲۰۰، ۲۰۱ + میرخواند۔ قسم ۴، ص۔ ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۲۸، ۱۲۹ + یاقوت ج ۴۔ ص ۲۶۵ +

یہ بلاغ خوب سرسبز تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ ابن الیاس ہی نے پہاڑی والا قلعہ بھی تعمیر کرایا تھا، جس کے بارے میں ہم لکھ چکے ہیں کہ مقدسی نے اُس کا تذکرہ کیا ہے۔ شہر کے اندر ایک مسجد تھی، جو جامع تبریزی کہلاتی تھی۔ اس کا بانی تُوران شاہ سلجوقی تھا۔ حضرت شاہ شجاع کرمانی کا مزار بھی شہر کے اندر ہی تھا۔ حافظ اَبرُو نے، جو ذرا بعد کے زمانے کا مصنف ہے، لکھا ہے کہ خاندان قراختے کے بادشاہ قتلغ خان کی بیٹی تُرخان خاتون نے ۶۶۶ھ (۱۲۶۷ء) میں ایک عالی شان جامع مسجد شہر کرمان میں تعمیر کرائی تھی۔ اس جامع مسجد کے علاوہ اور کئی مسجدیں اور مدرسے بھی اُس نے بنوائے تھے، جن میں سے ایک کا ذکر آگے آئیگا۔ یہی مصنف، جس نے اپنی کتاب ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں لکھی ہے، اس شہر کا نام بَردَسِیر (یا گُواشیر) اور کرمان دونوں لکھتا ہے [1]

(۳۰۶)

بَردَسِیر کے یہ حالات مقدسی سے لے کر، جو چوتھی (دسویں) صدی کا مصنف ہے، حافظ اَبرو تک نے، جو نویں (پندرھویں) صدی کے شروع کا مصنف ہے، جتنے مصنفوں نے قلمبند کئے ہیں، اُن سب نے ان عمارات کی کیفیت صاف صاف لکھی ہے جو موجودہ شہر کرمان میں اب تک باقی ہیں، گو شکستہ حالت میں ہیں۔ اسی طرح جیساکہ اوپر آچکا ہے، مقدسی نے ان تینوں قلعوں کا ذکر کیا ہے، جن کی وجہ سے یہ شہر مشہور تھا، اور ابن ابراہیم اپنی آل سلجوق کی تاریخ میں پہاڑی قلعہ (قلعۂ کوہ)، اور پرانے قلعہ اور نئے قلعہ کا

[1] مستوفی ص ۱۸۲+ حافظ ابرو ص ۱۲۹ (b)، ۱۴۰ (a) +

حال لکھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں قلعے وہی ہیں جن کا تذکرہ مقدسی نے کیا ہے۔ موجودہ کرمان میں اول تو ایک پرانا قلعہ پہاڑی پر ہے، جو شہر کے قریب مشرق کی طرف ہے۔ یہ قلعہ آج کل قلعہ دُختر کہلاتا ہے۔ عام روایات میں اس قلعہ کو بادشاہ اَردَشِیر بابکان سے منسوب کیا جاتا ہے۔ پھر جنوب مشرق کی طرف کچھ دور ہٹ کر ایک پہاڑی ہے، جس کے گرد فصیلیں، بُرج، اور دمدمے ہیں، اب یہ سب بوسیدہ ہو کر گرتے جاتے ہیں۔ اِس کو قلعہ اَردَشِیر کہتے ہیں، اور غالباً یہ وہی ہے جسے "شہر کے دروازے کے باہر" والا قلعہ لکھا گیا ہے۔ اِس سے پرانا قلعہ، جو شہر کے اندر تھا، بلاشبہ وہاں تھا جہاں آج کل موجودہ حاکم صوبہ کا دارالامارت ہے[1]۔

تُوران شاہ کی مسجد، جس کا ذکر مستوفی نے کیا ہے، مسجد مَلِک کے نام سے اب تک موجود ہے۔ ایک اور عمارت ہے جو شہر کرمان کے اُس زمانے سے تعلق رکھتی ہے جب کہ وہ بَردَسِیر کہلاتا تھا۔ یہ عمارت ایک سبز (یا نیلے) رنگ کا گنبد ہے، جو قُبّۂ سبز کہلاتا ہے۔ یہ گنبد خاندان قارَاختے کے بادشاہ قتلق خاں کی بیٹی تُرخاں خاتون کے مقبرے کی زینت حال کے زمانے تک رہا ہے۔ (اس کے بعد ٹوٹ کر گر گیا)۔ کتب تاریخ میں بیان ہوا ہے کہ اِس شہزادی نے اپنے باپ کے مرنے کے

---

[1] میجر سائکس (Sykes) نے اپنی کتاب Ten Thousand Miles in Persia (ص ۱۸۸) میں شہر کرمان کا نقشہ اور (ص ۱۹۰) پر ان دونوں پرانے قلعوں کی تصویر درج کی ہے۔

کچھ زمانے بعد اپنے بھائی کو تخت سے بے دخل کر دیا، اور پچیس برس تک پہلے اپنے خاوند کے نام سے، جو قتلغ خاں کا بھتیجا تھا، اور پھر اپنے دو بیٹوں کی طرف سے، جنھیں یکے بعد دیگرے اُس نے برائے نام وارث تخت بنایا، کرمان کے صوبہ پر حکومت کرتی رہی۔ میرخواند لکھتا ہے کہ تُرخان خاتون نے ۶۸۱ھ (۱۲۸۲ء) میں وفات پائی، اور مدرسہ شہر کے گنبد میں دفن ہوئی۔ قبۂ سبز میں، جس کے نیچے تُرخان خاتون دفن تھی، اُس کی دیواروں پر ایک کتبہ تھا، جس میں ان معماروں کے نام جنھوں نے سبز گنبد بنایا تھا، اور تکمیل عمارت کا ویسال، ۶۴۰ھ (۱۲۴۲ء) کندہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ قتلغ خاں کا بیٹا، جسے آخر اُس کی بہن تُرخان خاتون نے بعد کو حکومت سے بے دخل کر دیا، برائے نام حکمراں تھا[۱] (۳۰۷)

۱۔ قبۂ سبز ۱۸۹۶ء کے زلزلہ میں بالکل برباد ہوگیا۔ میجر سائکس نے اس کا ذکر کیا ہے، اور اس کی بربادی سے قبل جس حالت میں اس کو دیکھا تھا اُس کی ایک تصویر بھی درج کی ہے (پرشیا ص ۴۶) اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ میں سائکس نے اس کا، اور توران شاہ کی مسجد کا حال بیان کیا ہے۔ توران شاہ نے ۴۷۷ھ سے ۴۹۰ھ (۱۰۸۴ء-۱۰۹۷ء) تک حکومت کی تھی۔ ابن ابراہیم ص ۲۸، ۳۴، ۱۷۷، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۴ + میرخواند قسم چہارم ص ۱۲۹-۱۳۰ + سٹیک (Stack) کی کتاب پرشیا ج ۱ - ص ۲۰۲، ۲۰۴ + شنڈلر (Schindler) کا مضمون Reise in Persien مندرجہ Zeitschrift der Gesellschaft Erdkunde (برلن) ۱۸۸۱ء ص ۳۲۹، ۳۳۰ +

علاقۂ بَرْدَسِیر کے دوسرے شہروں کا حال عرب جغرافیہ نویسوں نے بحیثیت مجموعی کم لکھا ہے۔ قریوں اور قصبوں کا پاس پاس ہونا، جیسا کہ فارس میں اکثر پایا جاتا ہے، صوبہ کرمان میں یہ بات نہ تھی۔ یہاں عام طور پر ایک شہر سے دوسرے شہر کے بیچ میں ایک صحرائی قطعہ حائل ہوتا تھا۔ شہر کرمان سے بیس میل جنوب مغرب بُغِین کا شہر تھا، اور بُغین سے اسی سمت میں اتنی ہی دور آگے ماشیز تھا۔ یہ دونوں مقامات شہر کِرمان سے سِیرجان جانے والی سڑک پر واقع تھے۔ آج کل اس نواح میں یہی دو شہر رہ گئے ہیں۔ ابن ابراہیم نے تاریخ آل سلجوق میں جہاں چوتھی (دسویں) صدی کے نصف آخر کے واقعات لکھے ہیں وہاں ان دونوں شہروں کا اکثر ذکر کیا ہے۔ اس لئے حیرت ہوتی ہے کہ ابتدائی زمانے کے عرب جغرافیہ نویسوں میں سے کسی نے بھی نہ بَغین کا ذکر کیا ہے اور نہ ماشیز کا۔ مستوفی بھی خاموش ہے، اور ایرانی مصنف بھی، جنھوں نے تیمور کی فتوحات کا حال لکھا ہے، ان شہروں کا تذکرہ نہیں کرتے۔ شہر کِرمان سے جنوب مشرق میں دو مختصر مرحلوں کے فاصلے پر مَاھَان کا شہر تھا، یہ مقام حضرت نعمت اللہ ولی کے مزار کی وجہ سے آج کل مشہور ہے۔ ان کی پیش گوئیاں اب تک اسلامی ایشیا میں مشہور ہیں۔ سو برس سے زیادہ کی عمر میں انھوں نے ۸۳۴ھ (۱۴۳۱ء) میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مشہور شاعر حافظ شیراز کے دوست تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ مَاھَان میں زیادہ تر عرب آباد تھے۔ شہر کی مسجد قلعہ کے پاس تھی، اور قلعہ، جس کے گرد ایک خندق تھی، شہر کے بیچ میں واقع

تھا۔ شہر کے گرداگرد ایک دن کی مسافت تک باغ ہی باغ چلے گئے تھے۔ انھیں ایک ندی سیراب کرتی تھی، جس میں ہر وقت پانی بہتا رہتا تھا۔

(۳۰۸) غُبَیرا اور کُوغُون کے دو شہر، جن میں ایک فرسخ کا فاصلہ تھا، اب ان کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ یہ دونوں ماھان کے جنوب میں رایَن سے (جو اب تک موجود ہے) ایک مرحلہ کے فاصلے پر مغرب میں تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ غُبَیرا ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ جس کے گرد گاؤں تھے، اور اُس کے بیچ میں ایک قلعہ تھا۔ شہر سے باہر بنی بُویہ کے حاکم صوبہ ابن الیاس نے جس کا ذکر اس سے قبل اکثر آچکا ہے، ایک بازار حال ہی میں تعمیر کرایا تھا۔ غُبَیرا اور کُوغُون دونوں میں عمدہ مسجدیں تھیں اور زیر زمین نہروں سے پانی ان شہروں میں پہنچتا تھا۔ شہر کِرمان سے مشرق میں تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر بادیہ ایران کے کنارے خَبِیص واقع ہے، جو ماھان سے تین مراحل کے فاصلے پر سمجھا جاتا تھا۔ اس شہر کی سطح زمین نشیب میں تھی؛ کیونکہ یہاں بادیہ کی سطح وسط ایران کی سطح مرتفع سے، جس پر کِرمان کا شہر تھا، بہت نیچی تھی۔ اصطخری کا بیان ہے کہ خَبِیص کی آب وہوا بہت گرم تھی، اور اسی وجہ سے کھجور کا درخت بہت ہوتا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں ایک قلعہ تھا۔ اور شہر کے چار دروازے تھے۔ خَبِیص خوب معمور و آباد مقام تھا۔ شہتوت کے درخت یہاں کے باغوں کے بہت مشہور تھے۔ ایک ندی، جو شہر میں سے گزرتی تھی، ان باغوں کو پانی پہنچاتی تھی۔ خَبِیص سے عمدہ کھجوریں بھی دساور کی جاتی تھیں[1]۔

---

[1] ابن ابراھیم ص ۶۶، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۲۱+ اصطخری ص ۲۳۴+ (باقی برصفحہ آیندہ)

کرمان کے شمال مغرب میں دو مراحل کے فاصلے پر زَرَند کا شہر ہے۔ زمانہ وسطیٰ میں ان دونوں شہروں کے بیچوں بیچ جَنزَرُوذ کا شہر تھا، جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ جَنزَرُوذ میں ایک مسجد تھی جو بازار میں واقع تھی، اور بازار میں میوہ بافراط فروخت ہوتا تھا۔ یہ شہر ایک دریا کے کنارے واقع تھا جس کا نام جَنز تھا۔ زَرَند کا شہر اب تک موجود ہے، اور مقدسی نے ایک قلعہ کا ذکر کیا ہے جو شہر کے قریب تھا، اور جسے حاکم صوبہ ابن الیاس نے حال ہی میں بنوایا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں زَرَند بہت بڑا شہر تھا، اس میں چھ دروازے تھے، اُس کی جامع مسجد مَیدان یعنی شہر کے چوک میں واقع تھی، اور اس چوک کے گرد بازار تھے۔ یہاں ایک قسم کا باریک کپڑا استر میں لگانے کے لئے تیار ہوتا تھا، جسے بطّانہ کہتے تھے۔ یہ زَرَندی باریک کپڑے فارس اور عراق کو بہت دساور کئے جاتے تھے، اور چوتھی (دسویں) صدی میں وہ بہت مشہور تھے۔

(بقیۂ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مقدسی ص ۴۶۲، ۴۶۳ + کرنل سی، ای، ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan ص ۱۱ + میجر سائکس (Sykes) (پرشیا۔ ص ۴۱) کو خبیص میں ایک سنگ لحد ملا تھا جو ۱۷۳ھ (۷۸۹ء) کا تھا۔ اس کے علاوہ اُس نے یہاں ایک پرانی شکستہ عمارت کے آثار بھی پائے تھے یہ عمارت بظاہر ایک گرجا، یا کسی دوسرے غیر مسلم قوم کی عبادت گاہ معلوم ہوتی تھی + مقدسی (ص ۴۶۰) نے بیان کیا ہے کہ نَشک، کَشید، کُوک، اور کَشْوَا کے چار شہر خَبیص کے علاقہ میں تھے۔ لیکن اُس نے ان شہروں کے حالات نہیں لکھے +

(۳۰۹) زرند سے پچاس میل شمال میں ایران کے بادیہ کے کنارے راور واقع ہے، اور راوَر کے مغرب میں کوبنان ہے، جہاں مارکوپولو پہنچا تھا۔ مقدسی نے ان دونوں شہروں کا ذکر کیا ہے۔ راوَر کے متعلق اُس نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ کوبنان سے بڑا تھا، اور اس میں ایک مستحکم قلعہ تھا، جس سے سرحد کی حفاظت کی جاتی تھی۔ کوبنان یا کوھبنان کی نسبت بیان کیا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، اس میں دو دروازے تھے، اور شہر سے باہر ایک بستی تھی، جس میں حمام اور کاروان سرائیں تھیں۔ جامع مسجد شہر کے ایک دروازے کے قریب تھی، اور اُس کے گرد باغ تھے جو قریب کے پہاڑوں کی تلیٹی تک پھیلے ہوئے تھے۔ اسی نواح میں بہ آباد کا شہر ہے، اس کا نام مقدسی نے بہاوذ لکھا ہے، اور اُسی کے ساتھ قُواق کا ذکر بھی کیا ہے، جو ایک معمور قریہ بہاوذ سے تین فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ دونوں مقامات سرد سیر میں تھے، اور ان میں بہت سے باغ تھے۔ بہ آباد اب تک باقی ہے، لیکن قُواق کا پتہ اب نقشہ پر نہیں ملتا۔ یاقوت نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں لکھا ہے کہ کوھبنان اور بہ آباد ان دونوں مقامات کا توتیا (یعنی پھکا ہوا جست غیر خالص حالت میں) اُس کے زمانہ میں بہت مشہور تھا۔ یہ توتیا یہاں تیار کیا جاتا تھا اور ملکوں ملکوں اس کا دساور بھیجا جاتا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے بھی کوھبنان کا ذکر کیا ہے۔ مستوفی کے ہم عصر سیاح مارکوپولو نے اس کا نام شہر کوبی نان (Cobinan) لکھا ہے۔ وینس کے اس سیاح نے توتیا بنانے کے طریقے بہت شرح و بسط سے بیان کئے ہیں، اور لکھا ہے کہ توتیا آنکھوں کے لئے بہت مفید ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں توتیا ان مشہور چیزوں

میں سے تھا جو صوبۂ کرمان سے دساور کی جاتی تھیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ توتیا پھکنے کے بعد جب کٹھالیوں سے نکلتا ہے تو اُس کی شکل لمبی لمبی قلموں کی سی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو بالعموم توتیا حُرانہلی کہتے تھے۔ مقدسی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ گرم ہونے کی حالت میں ان قلموں کے گچھوں پر پانی ڈال کر ایک ایک قلم کو جدا کرلیا جاتا تھا، پھر صاف کرنے کے لئے اُن کو لمبی لمبی بھٹیوں میں بھونتے تھے۔ یہ بھٹیاں اُس نے خود اُس پہاڑ کے پہلو میں بنی ہوئی دیکھی تھیں جہاں توتیا کچی حالت میں نکالا جاتا تھا۔ لوہے کے صاف کرنے کی بھی یہی ترکیب تھی۔[1]

(۳۱۰) کوھبنان سے تقریباً پچاس میل مغرب کی طرف بادیہ ایران کے سرے پر، اور کوھبنان اور یزد کے بیچوں بیچ، آج کل بافق کا گاؤں واقع ہے۔ صوبۂ کرمان میں اسی نام سے ملتے جلتے ناموں کے دو شہر اور بھی ہیں۔ ان میں سے ایک تو بافق ہے جس کا ذکر اوپر ہوا، اور دوسرا بافد یا بافت ہے، جو شہر کرمان سے اسی میل جنوب میں، اور مشرق والے بافق سے دوسو میل

---

[1] اصطخری ص ۲۳۳ + ابن حوقل ص ۲۲۴، ۲۹۲ + مقدسی ص ۴۶۲، ۴۷۰، ۴۹۳ + یاقوت ج ۱- ص ۷۶۷ + ج ۴- ص ۳۱۶ + مستوفی ص ۱۸۳ + توتیا بنانے کے قاعدہ کے متعلق دیکھو مارکوپولو کا سفرنامہ مصحّحہ یول (Yule) ج ۱- ص ۱۲۷ - ۱۳۰ + میجر سائکس در پرشیا ص ۲۷۲) نے آج کل بھی کوھبنان میں اسی طریقہ سے جو اوپر بیان ہوا توتیا تیار ہوتے دیکھا ہے۔ نہاوند کا نام اکثر غلطی سے نہاوند لکھ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کوھبنان کو نقطوں کے غلط جگہ لگا دینے سے کوبیان اور کوھبیان لکھا جاتا ہے۔ بنان فارسی میں جنگلی پستہ کو کہتے ہیں۔ اسی لئے کوھبنان کے معنے ایسے پہاڑ کے ہیں جہاں جنگلی پستہ کے درخت اُگتے ہوں۔

کے فاصلے پر واقع ہے ۔ ان ملتے جلتے ناموں سے بڑا خلط ملط اس وجہ سے اور بھی واقع ہوتا ہے کہ (شمالی) بافق کا تلفظ اکثر بافد کیا جاتا ہے، اور اس طرح بافق کا نام بالکل اسی شہر کا سا ہو جاتا ہے جو ماشیز کے جنوب میں واقع ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایرانی زبانوں میں ق کا د یا ت میں تبدیل ہو جانا اکثر پایا جاتا ہے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ بافد نام کا ایک چھوٹا سا شہر صوبۂ کرمان میں شیراز جانے والی سڑک پر گرمسیر میں واقع تھا۔ ابن ابراہیم نے اپنی تاریخ آل سلجوق میں بافت اور بافق دونوں کا ذکر کیا ہے، لیکن نہ اس نے اور نہ یاقوت نے ایسی تفصیل کی ہے، جس کی بنا پر ان دونوں مقامات کا صحیح پتہ لگایا جا سکے[1]۔

---

[1] یاقوت ج ۱ ص ۴۷۴ + ابو الفداء ص ۳۳۶ + ابن ابراہیم ص ۳۱، ۳۴، ۴۷، ۹۰، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۴، ۱۷۲+ سٹیک (Stack) کی کتاب پرشیا ج ۲۔ ص ۱۴+

(۳۱۱)

باب بست ودوم

کرمان (ختم)

علاقۂ سیرجان - بم اور نرماسیر کے علاقے۔
ریگان جیرفت اور قمادین (جسے مارکوپولو نے
(Camadi) لکھا ہے)، دلفرید - کوہ بارز اور
کوہ قفص - رودکان اور منوجان - پرانا اور
نیا ھرمز، گومبرون - صوبۂ کرمان کی تجارت شاہراہیں

علاقۂ سیرجان علاقۂ بردسیر کے مغرب میں - فارس کی سرحد پر واقع تھا - شہر سیرجان، یعنی صوبۂ کرمان کا پرانا دار الحکومت جس کا ذکر گزشتہ باب میں ہوچکا ہے، علاقۂ سیرجان کا صدر شہر تھا۔ مقدسی نے اس علاقہ کے کئی شہروں کا ذکر کیا ہے - افسوس ہے کہ نقشے پر اب وہ نظر نہیں آتے - گو ان کے موقعے شہر سیرجان کی جار وقوع کے تعلق سے معلوم ہیں۔

سیرجان کے مغرب میں چار فرسخ پر صوبۂ فارس کی سرحد کے قریب بیمند کا قلعہ تھا، چوتھی (دسویں) صدی میں اسے ایک تاگزیں المتخیر شہر بتایا گیا ہے، جس کے دروازوں کے پھاٹک لوہے کے تھے - بیمند اس لیے بھی ایک بڑا مقام تھا کہ یہاں تین سڑکیں آکر ملتی تھیں - ان میں سے ایک سڑک شہر بابک (یعنی شمال) سے، ایک رودان (یعنی شمال مغرب) سے، اور ایک

ماهک (یعنی مغرب) سے آتی تھی، اور پھر تینوں سڑکیں مل کر شہر سیرجان کو چلی گئیں تھیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ بیمند میں ایک جامع مسجد بازار کے بیچ میں واقع تھی، اور شہر میں پانی زمین دوز نہروں [قناتوں] سے پہنچتا تھا۔ سیرجان سے مشرق میں ایک دن کی مسافت سے ہرمز جانے والی سڑک پر شامات نام کا ایک شہر تھا، جس میں بہت سے باغات اور تاکستان تھے۔ یہاں سے میوہ بکثرت قرب وجوار کے قریوں میں بکنے جاتا تھا۔ شہر کے بیچ میں جامع مسجد واقع تھی۔ شامات کا دوسرا نام کوہستان بھی تھا۔ شامات سے ایک مرحلہ مشرق میں بیمار سے ایک دن کی مسافت پر خناب تھا۔ ان دونوں شہروں میں کھجور کے درخت بہت تھے۔ خناب سے آگے غبیرا تھا، جس کا علاقہ بردسیر کے اعمال میں شمار ہونا بیان ہوچکا ہے۔ سیرجان کے جنوب مشرق میں دو دن کی مسافت پر جیرفت جانے والی سڑک پر ایک شہر تھا جس کا نام (منجملہ دیگر صورتوں کے) واجب اور ناجت لکھا گیا ہے۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہ شہر خوشگوار اور معمور مقام ہے، اس میں بہت سے باغ ہیں۔ زمین دوز نہروں [قنیّ] کے ذریعے شہر کو پانی پہنچتا ہے، اور شہر کی جامع مسجد بازاروں کے بیچ میں واقع ہے[۱]۔ (۳۱۲)

بم کا علاقہ (جسے عرب جغرافیہ نویسوں نے بمّ لکھا ہے)

---

[۱] ابن خرداذبہ ص ۴۹، ۵۴؛ اصطخری ص ۱۶۸، ۱۶۹؛ مقدسی ص ۴۶۴، ۴۶۵؛ ناجت کے بجائے ابن حوقل نے ناجتہ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اسی نام کی دوسری شکلیں باختہ، قاختہ، یا قاختہ ابن خرداذبہ نے لکھی ہیں۔ ممکن ہے کہ بافت لکھنے میں کتابت کی غلطی ہوئی ہو۔ بافت کا ذکر گزشتہ باب میں (صفحہ حاشیہ ۳۱۱) ہوچکا ہے۔ یہ اب تک موجود ہے اور تقریباً اسی جگہ ہے جہاں اس کا موقع بیان ہوا ہے۔

اسی نام کے شہر کے گرد ماہان کے جنوب مشرق میں بادیہ ایران کے کنارے صوبۂ کرمان کی مشرقی سرحد پر واقع ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ بَم کا شہر جیرفت سے بڑا اور صحت بخش تھا، اُس کے گرد نخلستان تھے، اُس کے قریب ہی بم کا مشہور قلعہ تھا، جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اُس کو فتح کرنا ممکن نہیں۔ شہر میں تین مسجدیں تھیں، یعنی مسجد الخوارج، مسجد البزازین، اور مسجد القلعہ۔ سوتی کپڑے یہاں بہت بُنے جاتے تھے، اور دساور ہوتے تھے۔ دستمال، عماموں کا کپڑا اور سر پر باندھنے کے رومال بھی، جنھیں طَیلسان کہتے تھے، تیار کئے جاتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ بم کی شہر پناہ میں، جو خوب مستحکم و متحصن تھی، چار دروازے تھے، یعنی باب نَرماسِیر، باب کُوسکان، باب اَسپیکان اور باب کُورجِین۔ شہر کے اندر اور شہر کے باہر کے محلوں میں بڑے بڑے بازار تھے، اور دریا کے کنارے پر، جو شہر سے ملا ہوا گزرتا تھا، پُل جُرجان کا بازار تھا۔ بید مجنون کی گلی (زقاق البید) میں ایک مشہور حمام تھا۔ بم سے ایک فرسخ پر ایک پہاڑ تھا، جس کا نام جَبل کُود تھا۔ یہاں چکیاں تھیں، اور ان چکیوں کے گرد ایک بڑا گاؤں آباد تھا۔ اس میں کپڑا بہت تیار کیا جاتا تھا۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں بھی بم کے مستحکم قلعہ کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ شہر کی آب و ہوا گرم تھی۔[1]

شہر رَایِن ماہان کے بالکل جنوب میں، بم سے ستّر میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر

[1] بم کے پرانے قلعہ کا حال، جو اب تک باقی ہے، میجر سائکس Sykes نے اپنی کتاب Persia (ص ۲۱۶، ۲۱۸) میں لکھا ہے۔ زمانۂ وسطے کے شہر کے آثار گزاران کے مقام پر، قلعہ سے تقریباً ایک میل دُور، اور دریا کے کنارے واقع ہیں۔

(۳۱۳) ہے، اُس کی جامع مسجد بازار میں ہے، اور باغ آبادی کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ رایِن اور بَم کے درمیانی فاصلے کے ایک ثلث پر آوارِک اور دِھم کرد (یا دِھم بحِرد) کے دو شہر قریب قریب آباد تھے۔ ان میں سے آوارِک اب تک موجود ہے، اور اُس کا تلفظ آج کل اَبارِک کہا جاتا ہے۔ ان دونوں شہروں کے درمیان چوتھی (دسویں) صدی میں ایک قلعہ تھا، جسے بنی بُویہ کے حاکم ابن الیاس نے تعمیر کرایا تھا۔ ان شہروں کو پانی ایک دریا سے ملتا تھا، اور ان کے مکانات زیادہ تر کچے تھے۔ ابارِک اور بَم کے بیچ میں دَھ زِین ہے، جسے مقدسی نے دارِزِین لکھا ہے، اس نام کا املا داہِجِین اور دَیرزُوزِین بھی کیا جاتا ہے۔ اس میں ایک عمدہ جامع مسجد تھی، اور شہر ایک خوشگوار مقام تھا۔ چاروں طرف باغ تھے، جن میں قریب کی ایک ندی سے آب پاشی ہوتی تھی۔[1]

علاقہ نَرماشیر (جسے فارسی میں نَرماشِیر کہتے ہیں) بَم کے جنوب مشرق میں صحرا کے کنارے پر تھا۔ اس کا صدر مقام نَرماسِیر بَم اور فَہرَج کے بیچوں بیچ واقع تھا۔ فَہرَج اب تک موجود ہے، اور مقدسی نے یہاں کے بہت سے عالی شان محلوں اور کثیر آبادی کا ذکر کیا ہے۔ خُراسان سے آئے ہوئے سوداگر، جو عُمان سے تجارت کرتے تھے، یہاں سکونت رکھتے تھے؛ کیونکہ نَرماسِیر سیستان سے مکہ جانے والی حاجیوں کی سڑک پر واقع تھا، اور ہندوستان کے مال کی بڑی منڈی تھا۔ اُس زمانہ میں نَرماسِیر شہر سیرجان سے چھوٹا تھا، مگر خوب متحصن تھا۔ اس کے چار دروازے تھے، یعنی

---

[1] ابن حوقل ص ۲۲۳، ۲۲۴ + مقدسی ص ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۷۰ + مستوفی ص ۱۸۲ + یاقوت ج ۴۔ ص ۷۰۰ + ابارِک اور دارزِین کا ذکر میجر سائکس نے کیا ہے (پرشیا۔ ص ۲۱۴) +

باب بم، باب سورقان، باب مصلّیٰ[1] اور باب کوشک۔ جامع مسجد بازاروں کے بیچ میں تھی۔ مسجد کے دروازے تک پہنچنے کے لئے دس سیڑھیاں، جو پکی اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں، چڑھنی پڑتی تھیں۔ مسجد کے اندر ایک عمدہ بلند مینار تھا، جو گرد و نواح کے علاقہ میں مشہور تھا۔ شہر کا قلعہ کوش وہران کہلاتا تھا (لیکن مقدسی نے اس لفظ کے معنے نہیں بتائے)۔ باب بم کے پاس تین قلعے تھے جو الاخوات (بہنیں) کہلاتے تھے۔ شہر کے گرداگرد نخلستان اور باغ تھے[2]۔ آج کل نرماسیر کا شہر نقشہ پر نہیں دکھایا جاتا، لیکن چگک آباد (پرندوں والے شہر) کے مقام پر جو شکستہ آثار پائے جاتے ہیں وہ یقیناً زمانۂ وسطیٰ کے اسی بڑے شہر کے کھنڈر ہیں۔ چگک آباد ایک ست دریا کے دائیں کنارے واقع ہے، جو علاقۂ نرماسیر کی سطح زمین سے گذرا ہے۔ وہ جگہ جہاں کسی زمانہ میں نرماسیر آباد تھا، جنگل بنی ہوئی ہے، حالانکہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے نرماسیر کو ایک آباد اور معمور شہر لکھا ہے۔

فہرج کے جنوب میں بیس میل کے فاصلے پر ریکان ہے (جس کا املا رِیقان، یا ریغان بھی کیا جاتا ہے)۔ اس شہر کے استحکامات کو مقدسی نے بیان کیا ہے۔ ریکان کی جامع مسجد شہر کے دروازے کے قریب تھی اور آبادی کے باہر نخلستان[3] تھے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ مقام بہت گرم تھا، اور وہاں کھجوریں اور غلہ بافراط ہوتا تھا۔ ریغان اور بم (۳۱۴)

---

[1] مقدسی (ص ۴۶۳) نے اس کا نام باب ھوس کون لکھا ہے۔ مترجم)

[2] مقدسی (ص ۴۶۳) نے صرف اتنا لکھا ہے کہ علیہا حصن (یعنی وہاں ایک قلعہ ہے)۔ مترجم)+

[3] مقدسی (ص ۴۶۳) نے لکھا ہے کہ کثیرۃ النخیل والبساتین (یعنی بہت سے نخلستان اور باغ تھے)۔ مترجم)

کے درمیان کُرُک کا مقام ہے۔ مقدسی نے اس کا ذکر قریب کے شہر باھُر کے ساتھ کیا ہے (اِس شہر کو علاقہ نِسیرجان کے شہر بھار (صفحہ حاشیہ ۳۱۱) سے جس کا املا بھی مختلف ہے، خلط ملط نہ کرنا چاہیے)۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ دونوں شہر خوب آباد تھے، اور ان کے گرد نخلستان تھے۔ نِسا کا شہر بھی نَرماسیر کے علاقہ میں تھا، لیکن اس کا موقع معلوم نہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ اُس کے قریب سطح زمین [سھلة] پر باغات تھے، اور بازار میں جامع مسجد تھی۔ پانی اس شہر میں ایک دریا سے لیا جاتا تھا[1]۔

صوبہ کِرمان کا نصف حصہ جو جنوب کی طرف ساحل بحر تک تھا، علاقہ جِیرُفت میں شامل تھا۔ جِیرُفت (یا جَیرُفت) کا شہر زمانۂ وسطیٰ میں بہت بڑا تھا، اور ایک دریا کے کنارے آباد تھا۔ یہی دریا صوبہ کِرمان کے تمام دریاؤں میں ایسا ہے، جس کا نام عرب جغرافیہ نویسوں نے لکھا ہے۔ جِیرُفت کے شکستہ آثار (جِیرُفت کا نام اب صرف علاقہ جِیرُفت کے نام میں زندہ رہ گیا ہے) اس مقام پر پائے جاتے ہیں جو آج کل شہر دِقیانوس (یعنی قیصر دکیوس کا شہر) کہلاتا ہے۔ یہ قیصر ایک ظالم اور خود سر بادشاہ ہونے کی حیثیت سے تمام مشرق میں ضرب المثل تھا، کیونکہ جن اصحاب کہف کا ذکر قرآن شریف (سورۂ کہف آیت ۸) میں آیا ہے وہ اسی قیصر کے زمانہ میں غار میں داخل ہوئے تھے (صفحہ حاشیہ ۱۵۵)۔ اس واقعہ کو عام پسند افسانوں

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۴۹؛ مقدسی ص ۴۶۳، ۴۶۴؛ مستوفی کی کتاب جو سنگی مطبع میں چھپی ہے اُس کے صفحہ ۱۸۲ پر بجائے ماشیز کے نرماسیر پڑھنا چاہیے، کیونکہ اس کتاب کے تمام بہترین نسخوں میں نرماسیہ لکھا گیا ہے۔ اس کی مزید توثیق ترکی زبان کی جغرافیہ جہاں نما صفحہ ۲۶۷ سے ہوتی ہے۔ چُگُک آباد کے لیے دیکھو میجر سائکس Sykes کی کتاب Persia ص ۴۲۰۔

میں بہت بڑھا کر بیان کیا جاتا ہے جیرفت کے کھنڈروں کے قریب ایک دریا بہتا ہے، جو آج کل خلیل رود (یا حلیل رود) کہلاتا ہے۔ اس دریا کو اس کی تیز رفتاری کے سبب سے عرب اور ایرانی جغرافیہ نویسوں نے دیو رود لکھا ہے۔ یہ دریائے بمپور کا ایک معاون ہے، اور مشرق میں دریائے ہاموں یا مرداب میں گرجاتا ہے۔

چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ جیرفت ایک بڑا شہر تھا، اس کی وسعت وترا دو میل تھی، اور "وہ خراسان اور سجستان کے مال تجارت کی منڈی تھی"۔ یہ شہر ایک سیر حاصل علاقہ میں واقع تھا، اور اس میں گرم و سرد [صرود وجروم] دونوں ملکوں کی فصلیں ہوتی تھیں۔ یہاں کی خاص چیزیں جو باہر جاتی تھیں وہ نیل، الائچی اور رُود وشاب یا کشمش کا شربت تھا۔ جیرفت کے گردو نواح کا علاقہ المیزان کہلاتا تھا، (اصطخری نے اس کا نام المیجان لکھا ہے)۔ اس علاقہ میں بہت سے باغ تھے، جن میں کھجوریں، اخروٹ [جوز]، اور نارنگیاں پیدا ہوتی تھیں[1]۔ باراں برف قریب کے پہاڑوں سے لایا جاتا تھا[2]، اور شہر کو پانی دیو رود سے پہنچتا تھا۔ یہ دریا چٹانوں پر سے گرتا اور بہتا بڑا شور پیدا کرتا تھا۔ پانی کا یہاں اتنا زور تھا کہ بنیں سے لے کر پچاس تک پن چکیاں اس سے چل سکتی تھیں۔ قریب کی وادی دہ فارد سے بھی یہاں کھانے پینے کی چیزیں لائی جاتی تھیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں کے شیریں تربوز اور نرگس کے پھول، جن سے ایک قسم کا عطر تیار کیا جاتا تھا،

(۲۱۵)

(1) ان چیزوں میں نرگس کا اضافہ کرلینا چاہیے۔ مقدسی (ص ۴۶۶) نے لکھا ہے کہ نارنگیوں اور نرگس کی خوشبو سے شہر کی ہوا معطر رہتی تھی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:- وعلا النرجس والنارنج وعبقت منھا الارایح + مترجم)۔

(2) اصطخری (ص ۱۶۶) نے یہ بھی لکھا ہے کہ:- والثلوج تحمل الیھا من میجان و دربای (یعنی وہاں برف میجان اور دربائی سے لایا جاتا تھا)۔ مترجم) +

دو نوں بہت مشہور تھے[1]۔ شہر کے گرد فصیل اور دمدمے تھے، اور اُس میں چار دروازے تھے، یعنی: بابِ شاپور، باب بم، باب سیرجان اور باب مُصلّٰی۔ جامع مسجد پکی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی، اور بازاروں سے کچھ دور باب بم کے قریب واقع تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ جیرُفت اُس کے زمانہ میں اصطخر سے بڑا تھا، اور اُس کے مکانات زیادہ تر سنگین بنیادوں پر کچی اینٹوں کے چُنے ہوئے تھے۔

یاقوت نے لکھا ہے کہ جیرُفت کے گرد کا علاقہ جردُوس کہلاتا تھا۔ مستوفی نے اُس جنگل کا ذکر کیا ہے جو ابتداء میں جیرُفت کے گرد تھا، اور جس میں شیر ببر پھرا کرتے تھے؛ لیکن مستوفی کے زمانہ میں اس جنگل کی جگہ بڑے بڑے نخلستان کھڑے تھے۔ ابن ابراہیم نے آلِ سلجوق کی تاریخ میں، جو چھٹی (بارھویں) صدی میں لکھی گئی تھی، اکثر جگہ قَمادین کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "وہ جیرُفت کے دروازے کے پاس ایک جگہ تھی جہاں رُوم (یونان) اور ہند کے پردیسی سوداگروں کے گودام تھے، اور یہاں سمندر اور خشکی کے آنے والے سوداگر اپنا سامان بحفاظت رکھ سکتے تھے۔ ابن ابراہیم اپنی کتاب میں ایک موقع پر یہ لکھتا ہے کہ چین، ماوراء النہر، ختا، ہندوستان، خراسان، زنجبار اور مصر کے علاوہ یونان، ارمینیہ، میسوپوٹیمیا، اور آذربائجان سے آیا ہوا ہر قسم کا بیش قیمت سامان قَمادین کے انبار خانوں میں خرید و فروخت کے لئے موجود رہتا تھا۔ ایران کا یہی مقام قَمادِین ہے جس کا ذکر مارکوپولو نے کمادی (Camadi) یا "شہر کمادی" کے نام سے کیا ہے۔ کسی زمانہ میں "یہ ایک بڑا عالی شان مقام تھا"؛ لیکن جب مارکوپولو یہاں

[1] مقدسی (ص ۴۶۶) نے صرف اتنا لکھا ہے کہ یہاں کا تربوز (بطّیخ) میٹھا ہوتا تھا۔ نرگس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اُس کی اور نارنج کی خوشبو سے ہوا معطر رہتی تھی، لیکن اس نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ نرگس کے پھولوں سے عطر تیار کیا جاتا تھا۔ مترجم)

جیرُفت کے مشرق میں وہ پہاڑی علاقہ تھا جسے جَبَل بارِز کہتے تھے۔ اس کی نسبت بیان ہوا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں وہ بڑے بڑے جنگلوں سے بالکل پٹا پڑا تھا۔ یہی وہ علاقہ تھا جہاں مسلمانوں کی پہلی فتوحات کے زمانہ میں بھاگتے ہوئے مجوسیوں نے اُن اسلامی افواج سے پناہ لی تھی جو خلفاء بنی امیہ نے ان کے مقابلہ کے لئے بھیجی تھیں۔ اس ملک کو دراصل خاندان صفاریہ کے بادشاہوں نے سب سے پہلے مسلمانوں کے زیرنگین کیا۔ لوہے کی کانیں یہاں بعد کو بہت مشہور ہوگئیں۔ ساحل بحر سے زیادہ قریب، اور جیرُفت کے جنوب مشرق میں وہ کوہستانی علاقہ تھا جسے جبلُ القفص کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس کے بعید حصوں میں پہاڑی لوگ آباد تھے، اور بَلُوص (یا بَلُوچ) کے قبیلے اس علاقہ کی مشرقی سرحدوں پر، جسے بادیہ ایران کا جنوبی کنارہ سمجھنا چاہیئے، آوارہ گرد رہتے تھے۔ قُفص کی رہزن اقوام کی کیفیت آگے چل کر بادیہ ایران کے حالات میں بیان کی جائیگی۔ اس دورافتادہ علاقہ کے ایک حصہ کو اَلخُواش، یعنی قبائل الاخواش کا وطن، کہتے تھے۔ یہ قبیلے زیادہ تر شتربان تھے، اور ایک وادی میں رہتے تھے۔ یہاں گرمی کی وجہ سے نیشکر کی کاشت خوب ہوتی تھی جو سجستان اور خراسان کو رساور کیا جاتا تھا۔ یہ وادی اُس پہاڑی ملک کا ایک ٹکڑا تھا جو بادیہ ایران کے جنوبی سرے اور مکران کے درمیان آگیا تھا۔ اس پہاڑی ملک میں سات پہاڑ الگ الگ تھے۔ بیان ہوا ہے کہ ہر ایک پہاڑ کا سردار جدا جدا تھا، جو اُس پر حکمران تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں بنی بویہ کے سلطان عَضُدالدولہ نے بغرض تسخیر ان پر فوج کشی بھی کی تھی۔ ان پہاڑی لوگوں کے پاس اُس زمانہ میں گھوڑے نہ تھے، عام طور پر وہ کُرد سمجھے جاتے تھے، کیونکہ وہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور مویشیوں کے گلوں کے مالک تھے، بالوں کے بُنے ہوئے خیموں میں رہتے تھے، اور ان کے علاقہ میں شہر نہ تھے۔ اس

(۳۱۷)

پہاڑی ملک کے جنوبی حصہ میں کھجور کے درخت خوب پھلتے پھولتے تھے۔[1]

جیرُفت سے تقریباً پچاس میل جنوب مغرب میں گلاشگِرد ہے؛ اس کا نام مقدسی نے ولاشگرد لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ ایک بڑا مستحکم و متحصن شہر تھا؛ ایک قلعہ جس کا نام کوشّہ تھا، اس کی حفاظت کے لئے تھا۔ اس شہر میں باغ تھے، جنھیں زیر زمین نہروں [قنی] سے پانی پہنچتا تھا۔ ولاشگرد کے شمال میں، جیرُفت کی طرف ایک منزل کے فاصلے پر مَغُون کا شہر آباد تھا؛ یہاں بہت سے باغات تھے، جن میں نارنگیوں کے درخت تھے، اور نیل بویا جاتا تھا۔ اس شہر کے شکستہ کھنڈر اس مقام پر ہیں جسے فریاب یا پریاب[2] کہتے ہیں۔ ولاشگرد کے جنوب میں مَنُوقان کا بڑا شہر واقع تھا، جو آج کل مَنُوجان کہلاتا ہے۔ مقدسی نے اُس کی تجارتی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اسے "بصرۂ کرمان" لکھا ہے۔ شہر کے دو حصے تھے، جو ایک دوسرے کے محاذات میں تھے، اور ان دونوں حصوں کے درمیان کلاہ نام کی ایک خشک گہری گھاٹی [وادِ یابس] حائل تھی۔ شہر کے ایک حصہ کا نام کُوبنین، اور دوسرے نام زامان تھا۔ ایک قلعہ جو اب تک باقی ہے، ان دونوں کے بیچ میں تھا، اور اسی قلعہ میں

[1] خواش آج کل سرحد کا، جو نرماسیر کے مشرق میں ایک پہاڑی علاقہ ہے، صدر مقام ہے۔ اس علاقہ کا ذکر میجر سائکس نے اپنی کتاب پرشیا ص ۱۴۱، ۲۵۳ میں کیا ہے۔ اصطخری ص ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۸+ ابن حوقل ص ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۴+ مقدسی ص ۴۷۱+ یاقوت ج ۲۔ ص ۱۴۸+ یاقوت کے اس صفحہ پر بجائے قاہرن کے بارِزی پڑھنا چاہئے+

[2] میجر سائکس نے (پرشیا ص ۲۶۹) فریاب کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "کسی زمانہ میں یہ بڑا شہر تھا، لیکن قصّہ مشہور ہے کہ ایک طغیانی کی وجہ سے وہ برباد ہو گیا"+

(۳۱۸) ایک مسجد تھی، جو جامع سیّان کہلاتی تھی۔ منُوقان سے ایک مرحلہ کی مسافت پر، ساحل بحر کے قریب ریگستانی سطح زمین پر دَرہقان کا شہر تھا۔ لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ اس میں ایک مسجد تھی، اس کے باغوں میں نیل بہت پیدا ہوتا تھا، اور شہر کو پانی زیر زمین نہروں [قنی] سے ملتا تھا۔

وَلاشگرد اور مَنُوجان کے درمیان ایک دریا بہتا ہے، جس کے بہت سے معاون بھی ہیں۔ اسے آج کل رُوُدخانۂ دُزدِی کہتے ہیں۔ اصطخری نے اسے نہر الزنکان اور یاقوت نے دریائے اعانت لکھا ہے۔ مقدسی نے رُوُذقان کے آباد و معمور شہر کا ذکر کیا ہے، جو غالباً باغوں کے بیچ میں اسی دریا کے کنارے آباد تھا۔ ان باغوں میں کھجوروں اور نارنگیوں کے درخت تھے۔ منُوجان کے شمال مشرق میں ریگان جانے والی سڑک پر، بندرگاہ ہُرمُز سے تین مرحلوں کے فاصلے پر، باس اور خَکِین کے دو توأم شہر آباد تھے، ہر ایک میں جامع مسجد اور بازار تھے۔ نہر یا جُوئے سلیمانؑ کا آباد و معمور شہر ریگان سے ایک مرحلہ مغرب میں واقع تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ جیرُفت کے اعمال میں شامل تھا۔ اس شہر کی زرخیز اراضی ایک ندی سے سیراب ہوتی تھیں، جو شہر میں سے گذرتی تھی۔ شہر کے عین وسط میں ایک مسجد اور ایک قلعہ تھا۔ جبل القفص کے کوہستانی علاقہ کے شمالی حصہ میں مقدسی نے قُوہستان کے شہر کا ذکر کیا ہے، جسے تمیز کرنے کے لئے کسی شخص ابوغانم کے نام سے قُوہستان ابوغانم کہتے تھے۔ یہ بہت گرم مقام تھا، شہر کے گرد نخلستان تھے، اور شہر کے اندر مسجد کے پاس ایک قلعہ تھا۔[۱]

[۱] اصطخری ص ۱۶۹ + مقدسی ص ۴۶۶، ۴۶۷ + یاقوت ج ۴۔ ص ۳۳۰۔

پرانا شہر ہُرمُز صوبہ کِرمان کی زمین پر، سمندر کے ساحل سے دو برید یا نصف دن کی مسافت سے ایک خلیج کے کنارے واقع تھا۔ اس خلیج کو اصطخری نے الجِیر لکھا ہے، اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ "اس خلیج میں جہاز ایک فرسخ راہ طے کرنے کے بعد کھلے سمندر میں آجاتے تھے"۔ پرانے شہر ہُرمُز کے کھنڈر اب بھی اس مقام پر پائے جاتے ہیں جو مِناب یا عوام الناس میں مِناؤ کہلاتا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں قدیم ہُرمُز کا مقام کرمان اور سِجستان کی تجارت کا بندرگاہ بن چکا تھا۔ بعد کے زمانہ میں جب جزیرہ پر نیا شہر ہُرمُز تعمیر ہو گیا تو جس طرح اس سے پہلے قَیس نے سیراف کی جگہ لی تھی اس جزیرہ والے ہُرمُز نے قَیس کی جگہ لے لی، اور خلیج پر سب سے بڑا تجارت گاہ بن گیا۔ اصطخری نے (قدیم شہر) ہُرمُز کی مسجد، وہاں کے بڑے بڑے انبار خانوں کا ذکر کیا ہے؛ ان میں سے اکثر انبار خانے قریب کے دیہات میں شہر سے دو فرسخ دور تھے۔ یہاں نخلستان بہت تھے، اور ذُرّہ کی کاشت ہوتی تھی، نیل، زیرہ، اور نیشکر بھی پیدا ہوتا تھا۔ مقدسی نے ہُرمُز کے بازاروں کی تعریف کی ہے؛ شہر میں پانی زیر زمین نہروں [قنیٰ] کے ذریعہ آتا تھا۔ مکانات کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ پرانے ہُرمُز سے نصف روز کی مسافت پر سمندر کے کنارے العَوصَہ (یعنی میدان) واقع تھا۔ یہ مقام غالباً پرانے ہُرمُز والی خلیج کے دہانے پر تھا۔ (۳۱۹)

پرانے ہُرمُز کے قریب ہی سمندر میں ایک جزیرہ تھا جس کا نام تیسری (نویں) صدی کے وسط میں ابن خرداذبہ نے اُرمُوز لکھا ہے (مستوفی نے اس کا املا اُرموص کیا ہے)۔ یہ جزیرہ بلاشبہ وہی ہے جو بعد میں جِرُون کہلایا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے شروع میں (ایک مصنف نے ۷۱۵ھ (۱۳۱۵ء) لکھا ہے) قدیم ہُرمُز کے بادشاہ نے رہزنوں کے متواتر تاخت سے تنگ آکر اس شہر کو چھوڑ دیا، اور

جرُون (بازِرُوّن) کے جزیرہ پر، جس کا ذکر ابھی ہوا، اور جو ساحل سے ایک فرسخ کے فاصلے پر تھا، نیا شہر ھُرمُز آباد کیا۔ اسی زمانہ میں ابن بطوطہ اس نئے شہر ھُرمُز کو آیا تھا۔ اُس کے ہم عصر مستوفی نے شہر کا حال لکھا ہے، اور خاص طور پر یہاں کے کھجور کے درختوں اور نیشکر کی افراط کا ذکر کیا ہے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں پرانے ھُرمُز کو مُوغستان اور نئے ھُرمُز کو، جس جزیرہ پر وہ واقع تھا، اُس کے نام پر جرُون کہتے تھے۔ نئے شہر میں جامع مسجد اور عمدہ بازار تھے، جہاں سندھ وہند سے سامان تجارت فروخت کے لیے لایا جاتا تھا۔

آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور نے پرانے شہر ھُرمُز کے قریب کے ساحلی شہروں پر قبضہ کرلینے کے لیے ایک مہم روانہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس شہر کے نواح میں سات قلعے فتح کرنے کے بعد جلا دیے گئے، اور ان قلعوں کی فوجوں نے جزیرہ جرون میں پناہ لی۔ علی یزدی نے ان سات قلعوں کے یہ نام لکھے ہیں: (۱) قلعۂ مینا، جو پرانے ھُرمُز کے پاس تھا؛ (۲) تنگ زندان؛ (۳) کشکک؛ (۴) حصارِ شامیل؛ (۵) قلعۂ منوجان (جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے)؛ (۶) تو زرک؛ (۷) تازیان۔ سنہ ۹۲۰ (سنہ ۱۵۱۴) میں ھُرمُز کو، جسے یورپ والے اکثر اورمُز (Ormuz) کہتے ہیں، پرتگیزوں نے بسر کردگی البوکرک فتح کرلیا، اور صوبہ کرمان کی زمین پر سمندر کے کنارے جہازوں کے ٹھہرنے کا مقام گومبرون (Gombroon) کے نام سے مشہور ہوا۔ یہی وہ مقام ہے جس کا نام ایک صدی بعد شاہ عباس صفوی نے بندر عباس رکھا۔ آج کل یہی مقام کرمان کا بندرگاہ ہے، اور غالباً اُسی جگہ واقع ہے جہاں سُورُو یا شہرو کبھی آباد تھا، جس کا ذکر صوبہ فارس کے باب میں ہو چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گومبرون درحقیقت گمرک کی بگڑی ہوئی شکل ہے (جو یونانی لفظ کومیرکی (Koumerki) سے ماخوذ ہے۔ گمرک تمام مشرقی ممالک میں "محصول خانہ"

کے معنوں میں مستعمل ہے - ترکی زبان کی جغرافیہ جہان نما میں یہ لفظ گُمرُو لکھا گیا ہے، اور بیان ہوا ہے کہ "یہ ھُرمُز کا بندرگاہ ہے، جہاں سے (فارس کا) شہر لار، چار یا پانچ روز کی مسافت پر ہے"[1]

(۳۲۰) تجارت کے لحاظ سے صوبۂ کِرمان صوبۂ فارس سے بہت گرا ہوا تھا - عرب جغرافیہ نویسوں نے اس صوبہ کی تجارت کا حال تفصیل سے بیان نہیں کیا - مقدسی نے لکھا ہے کہ تقریباً تمام صوبۂ کرمان میں کھجوریں، اور ذرّہ بطور سامان خورش مہیا کیا جاتا تھا - یہاں کی کھجوریں خراسان اور نیل فارس کو دساور کیا جاتا تھا - جو غلّہ علاقۂ ولاشگرد میں پیدا ہوتا تھا اُسے ھُرمُز لے جاتے تھے، اور وہاں سے جہازوں میں بھر کر دور کے ملکوں میں بھیج دیتے تھے[2]

تیسری اور چوتھی (نویں اور دسویں) صدی کے جغرافیہ نویسوں نے کرمان کی شاہراہوں کا حال اس تفصیل سے بیان نہیں کیا جس تفصیل سے صوبۂ فارس کی سڑکوں کا حال لکھا ہے - اس کے علاوہ فاصلے بے ٹھکانے طریقہ پر صرف مرحلوں میں، یعنی ایک دن میں جتنی مسافت طے ہوا کرتی تھی اُس کے حساب سے لکھے ہیں - بہت سی سڑکیں

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۶۲ + اصطخری ص ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۶۷ + ابن حوقل ص ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۳ + مقدسی ص ۴۶۶، ۴۷۳ + مستوفی ص ۱۸۲، ۲۲۲ + ابن بطوطہ ج ۲، ص ۲۳۰ + ابوالفداء ص ۳۳۹ + علی یزدی ج ۱- ص ۸۰۹، ۸۱۰ + جہان نما ص ۲۵۵، ۲۶۰ + جس بادشاہ نے دارالحکومت کو پرانے ھُرمُز سے نئے ھُرمُز میں منتقل کیا اُس کا نام مختلف طور پر شمس الدین، قطب الدین، یا فخرالدین لکھا گیا ہے - جزیرہ ھُرمُز پر ۱۶۲۲ء میں انگریزوں نے قبضہ کیا - اس جزیرہ کی موجودہ حالت کے لئے دیکھو سٹف (Stiffe) کا مضمون مندرجۂ (Geographical Magzine) ۱۸۷۴ء ج ۱- ص ۱۲)، اور جے، آر، جی، ایس ۱۸۹۴ء ص ۱۶۰- اس جگہ کا نام مختلف طور پر ھرمز یا ھُورمُوز لکھا جاتا ہے+

[2] مقدسی ص ۴۷۰ +

ایسی ہیں جن میں ایک منزل تک کا فاصلہ فرسخوں میں مطلق بیان نہیں کیا گیا۔

صوبۂ فارس سے صوبۂ کرمان آنے والی سڑکیں بیمند کے مقام پر آکر ملتی تھیں، اور اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ یہ مقام سیرجان سے مغرب میں چار فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ شمال مشرق سے ایک سڑک (جس کا ذکر اصطخری اور مقدسی دونوں نے کیا ہے) اناس اور علاقۂ رُوذان سے بیمند آتی تھی۔ جاهک گاؤن سے بیمند (اور سیرجان) کو دو سڑکیں آتی تھیں، اور ان دونوں کے فاصلے فرسخوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں ایک شہر بابک ہو کر آتی تھی (جس کا ذکر صرف ابن خرداذبہ نے کیا ہے)، اور دوسری سڑک براہ راست صحراء میں سے گذر کر بیمند پہنچتی تھی۔ بیمند آنے کے دو راستے تھے ایک راستہ (جس کا ذکر ابن خرداذبہ نے کیا ہے) قریۃ الملح (نمک والے گاؤں) سے ہو کر، اور دوسرا رُباط پُشت خم ہو کر تھا (اس راستہ کا ذکر قدامہ اور اصطخری نے کیا ہے)۔ اس کے علاوہ مقدسی نے نیریز، بیمند اور سیرجان کی سڑک کا حال (مرحلوں میں) لکھا ہے۔ مقدسی اور اصطخری دونوں نے اُس سڑک کا ذکر کیا ہے جو مغرب کی سمت میں رُستاق الرُستاق سے شروع ہو کر سیرجان آتی تھی۔[1]

(۳۲۱) سیرجان سے بردسیر (شہر کرمان) دو دن کا سفر تھا۔ مستوفی نے دونوں شہروں کا فاصلہ بیس فرسخ بتایا ہے، لیکن ان دونوں کے درمیان کسی منزل یا شہر کا نام نہیں لکھا، حالانکہ جیسا کہ اس کے قبل لکھا جا چکا ہے ماشیز اور نغین یقیناً اس سڑک کے قریب ہونگے جو سیرجان سے بردسیر کو گئی تھی، اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ابن ابراہیم نے جس نے اپنی کتاب گیارھویں (سترھویں) صدی میں

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۴۸، ۵۳ + قدامہ ص ۱۹۵ + اصطخری ص ۱۳۱، ۱۶۸ + مقدسی ص ۴۵۵، ۴۶۳، ۴۷ + مستوفی ص ۲۰۱ +

لکھی تھی ، اکثر بیان کیا ہے کہ ماشیز اور بَغین کے شہر جو تھی (دسویں) صدی میں موجود تھے ۔ بردسیر (شہر کِرمان) سے نَرمَاشِیر کا فاصلہ دو مراحل تھا ، اور دونوں کے بیچ میں جَنزَروذ کا مقام تھا ۔ سیرجان سے مَاهان تین دن کی مسافت پر تھا ، اور ماهان سے تین دن کی مسافت پر خَبیص واقع تھا ، لیکن ان مقامات کی درمیانی منزلوں کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا سلہ

سِیرجَان سے مشرق کی طرف مَکران جانے والی قافلوں کی بڑی سڑک چند ایسے شہروں میں سے گزرتی تھی جو اب بالکل ہٹ گئے ہیں ۔ بَرَاین پہنچ کر یہ سڑک دَارزِین ، بَم اور نَرمَاشِیر ہوتی ہوی فَهرَج پہنچتی تھی ، جو بادیہ ایران کے کنارے واقع تھا ۔ اس کی منزلوں کے باہمی فاصلے ابن خرداذبہ اور قدامہ دونوں نے منزلوں میں بیان کئے ہیں ۔ اس کے علاوہ دو اور مصنفوں نے مرحلوں یعنی ایک ایک دن کے سفر کے بعد جو پڑاؤ آتے تھے ان کا ذکر کیا ہے سلہ

سِیرجَان سے جنوب مشرق میں جِیرُفت جانے والی سڑک کی منزلیں باوجودیکہ ابن خرداذبہ نے فرسخوں میں اور اصطخری نے مرحلوں میں بیان کی ہیں ، لیکن سوائے دَرفارد کے کوئی اور مقام اس سڑک پر ایسا نہیں ، جس کی صحت کے ساتھ نشان دہی کی جا سکے کیونکہ شائد جنوبی شہر بَافت کے سوا ایک مقام بھی ایسا نہیں ہے جو نقشے پر موجودہ ہو ۔ علاوہ بریں قلمی نسخوں میں بہت سے ناموں کے املا میں اس قدر اختلاف ہے کہ اُن کا درست پڑھنا دشوار ہے ، جِیرُفت

سلہ اصطخری ص ۱۶۹ + مقدسی ص ۴۷۳ + مستوفی ص ۲۰۱ +

سلہ ابن خرداذبہ ص ۴۹ + قدامہ ص ۱۹۶ + اصطخری ص ۱۶۸ + مقدسی ص ۴۷۳ +

سے سڑک جنوب کی طرف مڑتی تھی، اور وَلاشگرد اور مَنُوقان میں سے گذر کر ساحل پر (پرانے) ھُرمُز تک آتی تھی۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ وَلاشگرد سے اس سڑک کی ایک شاخ نکل کر صوبہ فارس کی سرحد کو جاتی تھی، اور بہت سے ایسے شہروں اور قریوں میں سے گذرتی تھی، جو اب بے نشان ہو گئے ہیں۔ افسوس ہے کہ اب اتنا بھی نہیں بتایا جا سکتا کہ یہ سڑک سرحد فارس پر کہاں ختم ہوتی تھی[1]

پرانے شہر ھُرمُز سے رُکان اور نرماسیر جانے والی سڑک کا حال مقدسی نے مع اُس کے مرحلوں کے بیان کیا ہے۔ یہ سڑک باس اور جَکین کے شہروں سے گذرتی تھی۔ دارین سے جنوب کی طرف جیرُفت کی سڑک کو، جو دَرجین اور ھُرمُز الملِک سے نکلی تھی اصطخری نے مرحلوں میں بیان کیا ہے[2]

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۵۴ + اصطخری ص ۱۶۹ +

[2] اصطخری ص ۱۶۹ + مقدسی ص ۴۷۳ +

(۳۲۲)

باب بست وسوم

بادیۂ ایران اور مکران

بادیۂ ایران کی وسعت اور خصوصیات - اُس میں جومق، نابند اور سنیج کے تین نخلستان - بادیہ میں سے گزرنے والی تین سڑکیں - صوبۂ مکران - فنزبور اور بندرگاہ تیز دوسرے شہر - سندھ و هند - بندرگاہ - دیبل منصورہ اور ملتان - دریائے سندھ - علاقہ طوران اور قصدار - بدھہ کا علاقہ اور قندابیل -

بادیۂ ایران ملک کی سطح مرتفع پر ترچھا یعنی شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف پھیلا چلا گیا ہے، اور ملک کے زرخیز صوبوں کو دو مجموعوں میں تقسیم کرتا ہے، کیونکہ البرز کے پہاڑوں کے جنوبی قاعدہ سے، جو اپنے اطراف شمال میں بحیرۂ خزر پر چھائے ہوئے ہیں، یہ بادیہ مکران کے خشک کوہساروں تک، جو خلیج فارس کے کنارے کنارے واقع ہیں، مسلسل چلا گیا ہے - اس طرح طول میں بادیہ تقریباً آٹھ سو میل ہے، لیکن عرض میں کہیں کمی اور کہیں بیشی زیادہ واقع ہوئی ہے - اس وسیع اور خشک قطعہ کی شکل ریت کی گھڑی کی سی ہے، یعنی بیچ میں تنگ ہے، جہاں عرض تقریباً سو میل ہے، اور یہ تنگ قطعہ کرمان کو سیستان سے جدا کرتا ہے - لیکن شمال اور جنوب

کے حصے دونوں جانب زیادہ عریض ہوتے گئے ہیں، یہاں تک کہ بعض مقامات پر یہ عرض دوسو میل سے زیادہ ہوگیا ہے[1]۔

زمانۂ وسطیٰ کے عرب جغرافیہ نویس اس صحرا کو مَفَازہ (یعنی بیابان) لکھتے ہیں، اور اس کی سرحدوں کو انھوں نے احتیاط سے بیان کیا ہے۔ اس بادیہ کے مغرب اور جنوب مغرب میں صوبۂ جبال اور یزد کا علاقہ (جو ابتدا میں صوبۂ فارس میں شامل تھا)، اور (۲۲۳) کرمان واقع ہے۔ کرمان کے جنوب میں وہ مکران کے بحری ساحل کے کوہساروں تک پھیلا ہوا ہے۔ بادیہ کے مشرق اور شمال مشرق میں خراسان، مع اپنے ماتحت اور ملحقہ صوبوں کے، واقع ہے، یعنی بادیہ کے شمال میں قومس، اور قومس سے ملا ہوا خراسان خاص کا ایک گوشہ تھا۔ اس سے متصل قوہستان تھا، اور قوہستان کے جنوب میں سجستان تھا، جو بادیہ کے تنگ حصہ سے ملا ہوا کرمان کے سامنے تھا۔ سجستان کی حدود وہی تھیں جو آج کل بلوچستان کے صحرا کی ہیں۔ زمانہ وسطیٰ میں یہ، مکران کا ایک حصّہ سمجھا جاتا تھا۔

ابن حوقل اور مقدسی دونوں نے مَفَازہ کے حالات اپنے ذاتی تجربہ پر لکھے ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے کئی مرتبہ اس

[1] بادیہ ایران کا ایک عام خاکہ اس کتاب کے نقشہ ۱ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے شمالی حصہ کو نقشہ ۵ میں، اور جنوبی حصہ کو نقشہ ۶، ۷ اور ۸ میں دکھایا گیا ہے۔ آج کل اس بادیہ کو لُوط یا دشتِ لُوط کہتے ہیں۔ جہاں جہاں اس میں کھاری پانی کے مُرداب ہیں ان کو بلکہ خصوصیت کے ساتھ صحرا کے خشک شورستانوں کو دشت کَوِیر کہا جاتا ہے، اور بعض مرتبہ کَوِیر کے لفظ کا اطلاق مجموعی طور پر تمام بادیہ پر بھی ہوتا ہے۔ لُوط (یعنی لُوطی نبی) اور کَوِیر دونوں لفظوں کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں۔ دیکھو میجر سائکس کی کتاب (Persia) ص ۳۲۔

نقشہ

نقشہ صوبۂ مکران مع حصہ سجستان
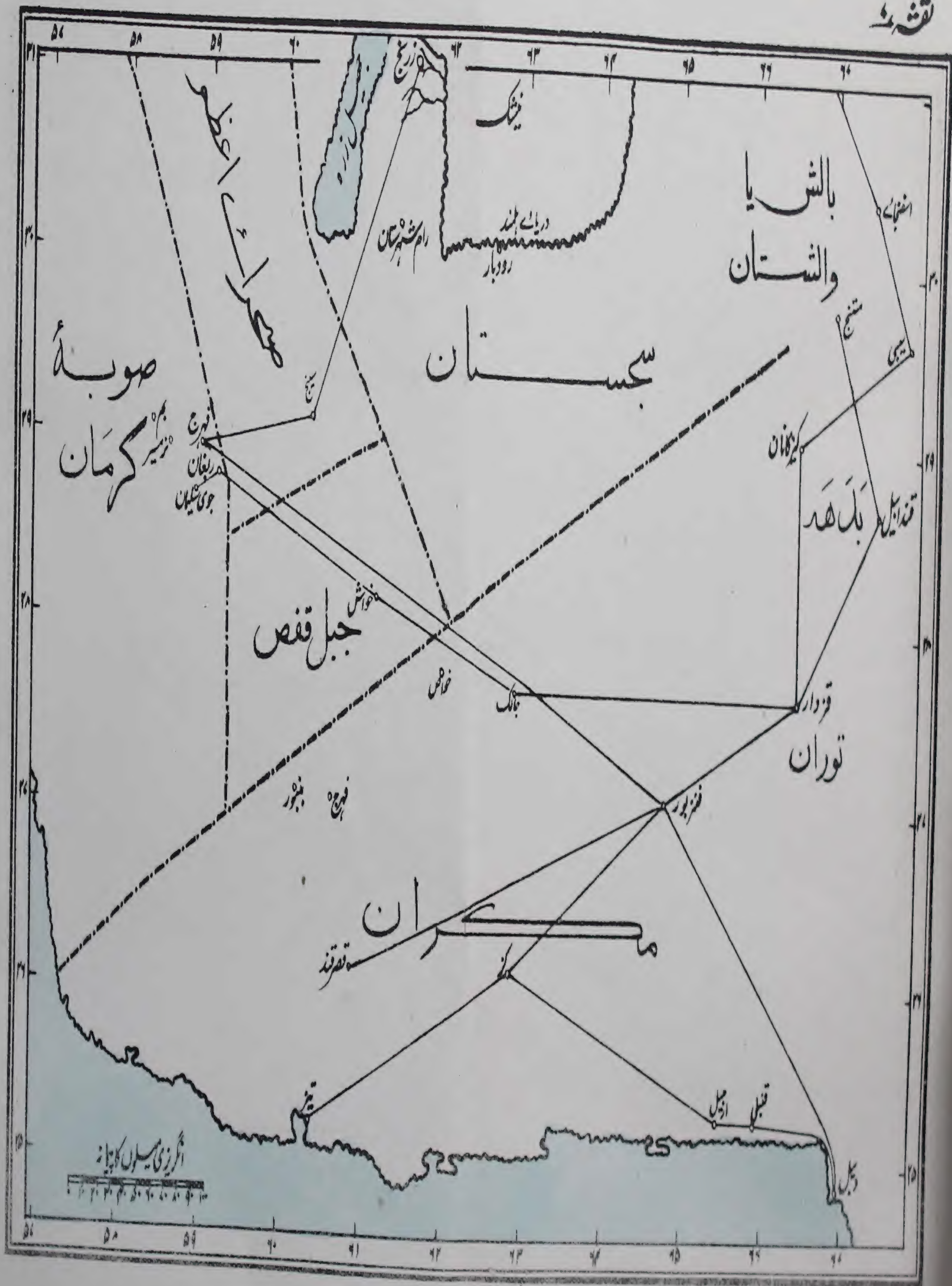
بیابان کو طے کیا تھا۔ ابن حوقل نے مختصراً اسے "بے وارث ملک" لکھا ہے۔ کسی صوبہ کے ماتحت وہ نہ تھا اور ہر صوبہ کے رہزنوں کو اُس میں پناہ ملتی تھی، مستقل آبادیاں، سوائے تین جگہوں کے اس میں مطلق نہیں۔ مقدسی نے یہاں کے حالات، کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں۔ اُس کی تحریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔ مفازہ ایک سمندر کی مانند ہے، کہ جس سمت میں چاہو اُسے عبور کر سکتے ہو بشرطیکہ صحیح سمت سے تجاوز نہ کیا جائے، حوضوں اور گنبدوں کا خیال رہے، جو راہ میں پانی کے ہر ایک حوض پر بنے ہوئے ہیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ حوض بڑی بڑی راہوں کے کنارے ایک ایک مرحلہ، یعنی دن دن بھر کے فاصلے پر پائے جاتے تھے۔ مقدسی نے ایک مرتبہ ستر دن اس بادیہ کو عبور کرنے میں گزارے تھے۔ اُس نے اپنے ذاتی تجربہ سے یہاں کے پہاڑی سلسلوں کا، جو جگہ جگہ حائل تھے، اور ان کے بے شمار دروں کے دشوار چڑھائیوں اور خوفناک اتاروں کا، اور خطرناک کناری بھیلوں اور مرطوب زمینوں (سبخہ)، اور کبھی سخت گرمی اور کبھی سخت سردی کا حال خوب لکھا ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں ریت کم تھا، اور کھجور کے درخت اور کچھ زرعی زمینیں بہت سی چھوٹی چھوٹی وادیوں میں چھپی ہوئی موجود تھیں۔

مقدسی کے زمانہ میں تمام مفازہ آوارہ گرد بلوص (یعنی بلوچی قبائل) سے خوف زدہ رہتا تھا۔ ان کے قلعے صوبہ کرمان کی سرحد پر قفص کے پہاڑوں میں تھے۔ یہ لوگ وحشیوں کے سے چہرے رکھتے تھے، قسی القلب تھے، نہ اخلاق جانتے تھے نہ آداب۔ کوئی ان سے بچ کر نکل نہ سکتا تھا، اور جن پر قابو چل گیا، انھیں پتھر پتھر مار مار کر ہلاک کر ڈالتے تھے۔ جس طرح کوئی سانپ کا سر کچلے اسی طرح آدمی کے سر کو پتھر پر رکھ کر پتھروں ہی سے کوٹ کوٹ کر اسے چور کر ڈالتے تھے۔ مقدسی نے جب ان سے پوچھا کہ اس بے رحمی کے ساتھ پتھروں سے

کچل کچل کر آدمیوں کی جان کیوں لیتے ہو تو جواب دیا کہ یہ طریقہ ہم نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ (گردنیں کاٹ کر) اپنی تلواریں بے ضرورت کند نہ کریں۔ مقدسی کے زمانہ میں بنی بُویہ کے سلطان عضدالدولہ نے ان بلوچی قزاقوں کا کسی قدر انسداد اس طرح کیا تھا کہ ان کے ایک قبیلہ کو گرفتار کر کے بطور یرغمال، فارس لے آیا تھا۔ اس کے بعد اس بادیہ میں سے گذرنے والے قافلے بہت کچھ محفوظ ہو گئے تھے، مگر شرط یہی تھی کہ ایک رہبر اور سلطان کا فرمانِ حفاظت ان کے ساتھ ہو۔ (۳۲۴) مقدسی نے لکھا ہے بلوص کے قبیلے عموماً پیادہ پا پھرتے تھے۔ چند اونٹنیاں [جمّازہ] بھی اُن کے ساتھ ہوتی تھیں۔ یہ لوگ کہنے کو تو مسلمان تھے لیکن مسلمانوں کے حق میں ایسے ظالم وجفاکار تھے کہ نہ تو یونانی عیسائیوں میں یہ بات تھی اور اور نہ بت پرست تُرکوں میں۔ یہ بلوص اپنے قیدیوں کو ننگے پاؤں بھوکا اور پیاسا بیس بیس فرسخ ایک ایک دن میں ہانکتے ہوئے لے جاتے تھے۔ ان کی غذا بالعموم نَبق کی گری یا مِصدار (نیلوفر) کے درخت تھے، اور بلا شکایت بھوک اور پیاس برداشت کرنے میں یہ لوگ مشہور تھے۔

مقدسی کے زمانہ کے تقریباً نصف صدی بعد یعنی ۴۴۴ھ (سنہ ۱۰۵۲ء) میں ناصر خسرو حج سے واپسی میں مفازہ کے شمالی حصے سے گذرا تھا۔ ناصر خسرو نے اس بادیہ کو کوئی خاص نام نہیں دیا، بلکہ صرف بیابان ''زمین بے آب'' لکھا ہے؛ لیکن اس نے یہاں کی دو بڑی خصوصیتوں اور سخت خطروں کا ذکر کیا ہے:۔ ایک ریگ رواں (یعنی ریت کا اس کثرت سے اڑنا کہ ایک جگہ سے دوسرے جگہ ٹیلا بن جائے)، اور دوسرے کھار کی مرطوب زمینیں، یعنی شورستان ان شورستانوں میں سے بعض ایسے تھے کہ ان میں ایک سرے سے دوسرے تک کا فاصلہ چھ چھ فرسخ ہوتا تھا۔ ناصر خسرو صوبہ جبال کے شہر نائین سے جرمق آیا، جو بادیہ کے بیچ میں ایک نخلستان

ہے، اور جرمق سے قہستان کے شہر طبس کو ایسے راستے سے گیا جس کا حال ہم ابھی بیان کرینگے۔ سڑک کی جو کیفیت اس سیاح نے لکھی ہے وہ صاف نہیں اور اس سے ہمارے علم میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ اس نے طبس کے رئیس امیر گیلکی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس امیر نے تمام بادیہ میں ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ قُفص کے رہزن، جن کا نام اُس نے کُفاج لکھا ہے، ایسے مجبور اور بے بس ہو گئے تھے کہ مسافروں کو تنگ نہیں کر سکتے تھے۔ ناصر خسرو نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس سڑک پر اُس نے سفر کیا تھا، اُس پر دو دو فرسخ کے فاصلے سے پانی کے حوض تھے، اور اُن پر گنبد بنے ہوئے رہتے۔ ان گنبدوں سے مسافر کو وہ راستہ معلوم ہوتا رہتا تھا جو محفوظ تھا، اور پانی بھی ضرورت پر میسر آتا رہتا تھا۔ ناصر خسرو لکھتا ہے کہ اگر یہ تالاب اچھی حالت میں رکھے جائیں تو رہزنوں کے خدشہ کو چھوڑ کر مسافر کا اس بادیہ سے گذرنا چنداں دشوار نہ تھا۔ ناصر خسرو کے بیان کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ قافلوں کے چلنے کی راہیں اس بیابان میں بکثرت موجود تھیں، جو کئی سمتوں میں اُسے ایک سمت سے دوسرے سمت تک طے کرتی تھیں۔ ان راستوں میں ہر منزل پر تالابوں سے کافی مقدار میں پانی میسر آسکتا تھا۔ ان تالابوں کا مفصل ذکر ابن حوقل اور مقدسی دونوں نے اپنے سفرناموں میں کیا ہے[1]۔

اس وسیع بیابان میں بیچ والی راہ پر تین نخلستان ایک دوسرے سے دور دور واقع تھے، اور ان نخلستانوں کی طرف مختلف راہیں مغرب سے مشرق کی سمت میں گئیں تھیں۔ زمانہ وسطےا میں ان نخلستانوں کے نام جرمق، نابند (اس کا اب تک یہی نام (۳۲۵)

---

[1] ابن حوقل ص ۲۸۰، ۲۸۸ + مقدسی ص ۴۸۸، ۴۸۹ + ناصر خسرو ۹۳، ۹۴ + یاقوت ج ۴۔ ص ۱۴۷ +

چلا آتا ہے) اور سَنیج تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس بادیہ میں سَنیج ہی ایک ایسا مقام تھا جسے شہر کہا جا سکتا تھا۔

صحرا کے شمالی حصہ کے بالکل مرکز میں، اصفہان سے قُوہستان کے شہر طَبَس کو جانے والی سڑک پر ان دونوں شہروں کے بیچ میں وہ نخلستان ہے جو آج کل جندک یا بیابانک کہلاتا ہے۔ اسی کو زمانہ وسطیٰ میں عرب جَرمَق، اور اہل ایران گرمَہ کہتے تھے۔ اس نخلستان سے مراد تین گاؤں تھے، یعنی جرمق یا گرمہ، اور بیادق (یا فارسی میں پیادہ) اور ارابہ۔ ابن حوقل نے اس مقام کی آبادی کو سہ دِہ (تین گاؤں) لکھا ہے۔ ناصر خسرو کا بیان ہے کہ پانچویں (گیارھویں) صدی میں وہاں دس سے بارہ تک قریے تھے۔ پیادہ میں ایک چھوٹا سا قلعہ بھی تھا، جس میں امیر گیلکی کی فوج بادیہ کے راستوں کی حفاظت کے لیے رہتی تھی۔ یہاں کھجور کے درخت اور قابل زراعت اراضی تھیں، جہاں مویشی نشو ونما پاتے تھے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہاں کی تین بڑی بستیاں ایسی تھیں جہاں سے پانی نظر آتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں کی آبادی ایک ہزار تھی۔ زمانہ مابعد کے مصنف ان بیانات میں اور کچھ اضافہ نہیں کرتے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی تک، یعنی مستوفی کے زمانہ تک تمام مصنف ابن حوقل ہی کی عبارت نقل کرتے چلے آئے ہیں۔

نابند، جو دوسرا نخلستان ہے، اس کا نام ابھی تک یہی چلا آتا ہے۔ یہ بادیہ کے تنگ حصہ کے شمالی سرے پر صوبۂ کرمان کے شہر رَاوَر اور قُوہستان کے شہر خُوسْپ کے درمیان واقع ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ نابند میں ایک رباط (سپاہی خانہ) تھا۔ جس کے گرد بیس مکانات تھے، پانی کی اتنی افراط تھی کہ ایک چھوٹی سی پن چکی اس سے چل سکتی تھی۔ یہاں کھجور کے درخت ہوتے تھے،

اور بہت سے چشمے کھیتوں کو سیراب کرتے تھے۔ نابَند سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک چشمہ تھا، جس کے گرد کھجور کے درخت تھے۔ یہاں پانی کا ایک حوض تھا جس پر گنبد تھا۔ یہ جگہ بہت بدنام اور رہزنوں کے چھپنے کا مشہور مقام تھی۔

تیسرا نخلستان اور زیادہ جنوب کی طرف، بادیہ کے تنگ ترین حصہ میں، کِرمان کے شہر نَرماسیر سے، سِجستان کے دارالحکومت زَرَنج کو جانے والی سڑک کے کنارے بالکل بیچ کی منزل پر واقع تھا۔ یہاں ایک مختصر سی وادی ہے جس میں چشمے ہیں۔ ایرانی اِسے نُصرت آباد، اور بلوچی اِسے اِسپی یا اِسفی کہتے ہیں۔ اس مقام کا ایک نام اَسبِیذ بھی پڑھنے میں آیا ہے۔ یہ اِسپی، اِسفی اور اِسبِیذ ایک ہی نام ہیں۔ مقدسی نے اِسے سَنِیج یا سَنِیک لکھا ہے، اور سِجستان میں اُسے شمار کیا ہے؛ ابن حوقل نے اِسے صوبہ کِرمان سے متعلق بتایا ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عرب جغرافیہ نویسوں کی تحریر کے مطابق تمام مَفازہ میں یہی ایک اکیلا شہر تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس کی آبادی بہت تھی، اور یہاں قابل زراعت زمین بھی بہت تھی، جو چھوٹی ہوئی نہروں [قنی] سے سیراب ہوتی تھی، لیکن شہر کے گرد مکانات کے بالکل قریب تک صحرا بے آب آیا ہوا تھا۔ (۳۲۶)

لہ ابن حوقل ص ۲۸۹، ۲۹۳ + مقدسی ص ۴۸۸، ۴۹۴، ۴۹۵ + ناصر خسرو ص ۹۳، ۹۴ + یاقوت ج ۳۔ ص ۱۷۰ + بیابانک (یا جَندَک یا خُور) کے نخلستان کا حال ٹیورنیر (سفرنامہ ج ۱۔ ص ۷۶۹ + لا ہے (La Haye) نے سترھویں صدی عیسوی میں بیان کیا ہے؛ اور ۱۸۷۵ء میں کرنل میک گرگر Macgregor یہاں آیا تھا۔ (Khurasan) ج ۱۔ ص ۹۱) + نابَند اور اِسفی یا نصرت آباد کے دونوں نخلستانوں میں میجر سائکس (Sykes) پرشیا۔ ص ۳۶، ۴۱۶) نے حال میں سیاحت کی ہے +

چوتھی (دسویں) صدی کے جغرافیہ نویسوں نے ایسی سڑکوں کو جو مفازہ کو عبور کرتی تھیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مغربی جانب سے اصفہان اور نایِن سے شروع ہو کر دو سڑکیں جَرمَق پر آکر ملتی تھیں۔ ان میں سے اصفہان سے آنے والی سڑک پر جس کا حال مقدسی نے لکھا ہے، جَرمَق تک آٹھ منزلیں تھیں؛ اور دوسری یعنی نایِن سے جَرمَق آنے والی سڑک پر صرف پانچ منزلیں تھیں۔ تمام راستے میں چند فرسخوں کے فاصلے سے برابر تالاب اور ان پر گنبد بنے ہوئے تھے۔

جَرمَق سے جو سڑک سیدھی شمال کی طرف قُومِس کے شہر دامغان کو جاتی تھی اس کے حالات کے لئے مقدسی ہماری سند ہے۔ جَرمَق سے دامغان کا فاصلہ نوے فرسخ اس طرح تھا کہ جَرمَق سے وَندَہ پچاس فرسخ، اور وَندَہ سے دامغان چالیس فرسخ تھا۔ اس سڑک پر بھی ہر تین تین چار چار فرسخ پر پانی کے حوضوں پر گنبد بنے ہوئے تھے۔ نوجَائے کے مقام پر سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں: ایک شمال مشرق کی طرف تُرشِیز کو، اور دوسرے جنوب مشرق کی طرف طَبَس کو جاتی تھی، اور یہ دونوں مقامات صوبہ قُوہِستان میں تھے۔ نوجَائے سے تُرشِیز کا فاصلہ چار منزل تھا، اور نوجَائے اور تُرشِیز کے بیچوں بیچ بَنّ اَفرِیدُون تھا جسے آج کل دہِ نابَند کہتے ہیں۔ (اس دہِ نابَند کو نخلستان نابَند سے جس کا ذکر ابھی ہوا ہے، غلط ملط نہ کرنا چاہیئے)۔ جَرمَق سے اس بَنّ اَفرِیدُون تک بیچ سے گذرتے ہوئے ایک سیدھے راستہ کا ذکر مقدسی نے کیا ہے۔ اس راستے کی مسافت سات دن کی تھی، اور ہر منزل پر پانی کا ایک حوض موجود تھا۔ نوجَائے سے جنوب مشرق میں طَبَس تک تین مرحلوں میں پہنچتے تھے۔ بَنّ اَفرِیدُون ہو کر طَبَس اور تُرشِیز کے

فاصلوں کا ذکر ابن خرداد بہ نے فرسخوں میں کیا ہے ، باقی تمام صورتوں میں صحرا کے کل راستوں کے فاصلے مرحلوں یعنی دن دن بھر کے سفر کے حساب سے لکھے ہیں۔[1]

یَزْد سے طَبَسْ جانے والا سیدھا راستہ اَنْجیرَہ اور خزانہ ہوتا ہوا بادیہ کے شہر سَاغَند کو گیا تھا ، جو صحرا کے کنارے واقع تھا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ یہ تمام مقامات صوبۂ فارس سے تعلق رکھتے تھے (دیکھو صفحہ حاشیہ (۲۸۵) ۔ سَاغَند سے ابن خرداذبہ نے طَبَسْ تک کی چھ منزلیں فرسخوں کے حساب سے بیان کی ہیں۔ اسی بیان کو ابن حوقل اور مقدسی نے نقل کیا ہے ، لیکن فرق یہ ہے کہ انھوں نے فاصلے مرحلوں ، یعنی یومیہ سفر کے حساب سے لکھے ہیں ، اور جو راستہ بیان کیا ہے وہ ابن خرداذبہ والے راستہ سے تمام تر مطابق نہیں ہوتا۔ سَاغَند سے دو منزل کے فاصلے پر رباط آب شُتُران تھا ، جہاں ایک زیر زمین نہر [قنی] سے پانی آتا تھا ، اور بہتا ہوا ایک تالاب میں جمع ہوتا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ رُباط پختہ اینٹوں کا بنا ہوا ایک عمدہ عمارت تھا ، اُس کے پھاٹک لوہے کے تھے ، اور اس میں فوج معقول تعداد میں سکونت رکھتی تھی۔ بنی بُویَہ کے مشہور سپہ سالار ناصر الدولہ بن رسیمُور نے ، جو چوتھی (دسویں) صدی کے وسط میں یہاں کا حاکم تھا ، اس رَباط کو تعمیر کرایا تھا۔ یہاں سے تین مرحلہ بعد بادیہ ختم ہو جاتا تھا۔ ابن حوقل کے بیان کے مطابق (جس نے اصطخری کو نقل کیا ہے) مَفَازَہ کے خاتمہ سے سڑک شہر طَبَسْ کو نہیں جاتی تھی بلکہ اُسے ایک طرف چھوڑتی ہوئی ایک ہی دن کے سفر میں ایک

(۳۲۷)

[1] اصطخری ص ۲۳۱ + ابن حوقل ص ۲۹۱ + ابن خسرداد بہ ص ۵۲ + مقدسی ص ۴۹۱ +

منزل پر پہنچتی تھی جو طبس کے جنوب میں تھی، اور یہاں سے ایک ہی دن کے سفر میں دوسری منزل پر پہنچ کر، جو طبس سے شمال میں تھی سیدھی بن کو چلی جاتی تھی[1]

دوسرا راستہ جو بادیہ میں سے گذرتا تھا بیرہ کے گاؤں سے شروع ہوتا تھا۔ یہ گاؤں علاقۂ شور (یعنی کھاری پانی) میں کرمان کی سرحد پر شہر کوھبنان کے قریب واقع تھا۔ یہاں سے یہ راستہ سات یا آٹھ منزلوں میں طے ہو کر، جس کی ہر منزل پر پانی موجود تھا، موضع کُرِی تک پہنچتا تھا۔ یہ موضع بادیہ کی قوھستان والی سرحد پر طبس سے چند میل جنوب مشرق میں واقع تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس راستہ میں، جو طریق شتود کہلاتا تھا، ایک مقام پر، جو راستے سے بسمت شمال دو فرسخ تھا، عجیب و غریب پتھر ملتے تھے جو بلاشبہ متحجرہ نباتات تھے۔ ان میں بعض کی شکلیں میووں کی سی تھیں، جیسے بادام، سیب، اخروٹ اور ناشپاتی۔ چٹانوں پر آدمیوں، درختوں اور دیگر مخلوقات کی صورتیں اتری ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ طریق شتود کے بابت مقدسی نے لکھا ہے کہ کوھبنان سے کُری جانے کی ایک سیدھی سڑک ساٹھ فرسخ لمبی اور سیدھی تھی۔ ان مرحلوں میں ہر ایک مرحلہ چھوڑ کر دوسرے مرحلہ پر پانی کے حوض موجود تھے۔

اکیسویں باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ راور شہر کوھبنان سے، جو صوبہ کرمان کی سرحد پر واقع ہے، چند فرسخ مشرق میں ہے۔ راور سے ایک سڑک نخلستان نابند کو، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، پانچ مرحلوں میں، اور نابند سے آگے قوھستان کے شہر خوس کو دو مرحلوں میں پہنچتی تھی۔ اس سڑک پر بھی حسب معمول تین تین یا

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۵۱ + اصطخری ص ۲۳۶ + ابن حوقل ص ۲۳۵ + مقدسی ص ۴۹۱، ۴۹۳ +

چار چار فرسخ پر پانی کے حوض تھے۔ ماھان سے جو صوبۂ کرمان کی سرحد پر ایک شہر تھا، خبیص کا شہر تین مرحلہ تھا۔ یہ شہر تقریباً بادیہ ایران کی حدود کے اندر ہی واقع تھا (دیکھو صفحہ حاشیہ (۳۲۸)
۳۰۸)۔ شہر خبیص سے ایک سڑک بیابان ہوئی ہے جو قوھستان کے مقام خوست (موجودہ خوسف) کو دس مرحلوں میں پہنچتی تھی۔ خوست پہنچنے سے دو مراحل اسی طرف کوکوہ کے گاؤں سے، جہاں بادیہ ختم ہوتا تھا، قوھستان کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔ اسی سڑک پر الخارجی نامی کسی شخص کا مقبرہ تھا۔ اس مقبرے کے قریب سفید اور سبز رنگ کے عجیب وغریب سنگریزے ملتے تھے "جو معلوم ہوتا تھا کہ کافور اور شیشے کے ہیں"۔ ایک اور مقام پر، سڑک سے چار فرسخ ہٹ کر، ایک بڑا سیاہ پتھر ملتا تھا، جس کی شکل نہایت عجیب تھی[1]۔

اخیر میں صوبۂ کرمان کے شہر نرماسیر سے زرنج، دارالحکومت سیستان، جانے والی سڑک بادیہ کے تنگ حصہ کو طے کرتی تھی، اور نخلستان سنیج یا اسپی، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، ہوتی ہوئی گئی تھی۔ اس راستہ میں پہلی منزل فہرج کا مقام تھا، جو بادیہ کے کنارے تھا۔ چار منزلیں طے ہونے کے بعد یہ سڑک مسافر کو سنیج پہنچا دیتی تھی۔ ابن خرداذبہ نے اس راستہ کی ہر ایک منزل کا فاصلہ فرسخوں میں بیان کیا ہے، اور اصطخری نے مرحلوں کے حساب سے لکھا ہے۔ لیکن اصطخری نے سنیج جانے کا ایک دوسرا راستہ بھی لکھا ہے، جسے وہ "طریق جدید" لکھتا ہے، مگر یہ راستہ زیادہ طولانی تھا۔ سنیج سے زرنج کے شہر کو سات یا آٹھ دن کے سفر میں پہنچتے تھے۔

---

[1] اصطخری ص ۲۳۲، ۲۴۳، ۲۴۴؛ ابن حوقل ص ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴؛ مقدسی ص ۴۹۱، ۴۹۲۔

گاؤنیلینک کے مقام پر پہنچ کر، جو کُنڈُر سے زیادہ دور نہ تھا، سیستان کی سرحد میں داخل ہوتے تھے۔ کُنڈُر اب تک نقشوں پر دکھایا جاتا ہے، گاؤنیشک اور کُنڈُر کے درمیان نارنج سے تین یا چار فرسخ جنوب میں ایک رُباط تھا، جسے تیسری (نویں) صدی میں عمرو بن لیث الصفار نے تعمیر کرایا تھا۔ اس رُباط نسبت اصطخری لکھتا ہے کہ وہ قنطرۃ کِرمان کے نام سے مشہور رہتا، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھتا ہے کہ وہاں کوئی پل مطلق نہ تھا۔ یہ مقام اس بات کا پتہ بھی دیتا ہے، اور یہ امر قابل توجہ ہے، کہ زمانہ وسطیٰ میں جھیل نارنج کا کنارہ جنوب میں یہاں تک پہنچتا تھا۔ اس کا حال آئندہ باب میں بیان کیا جائیگا[1]

صوبۂ مکران

۳۲۶۹

سمندر سے ملے ہوئے صوبہ مکران کی خشک اور بے آب و گیاہ زمینیں اپنی طبعی شکل و صورت میں درحقیقت صحرائے اعظم ہی کی تطویل ہیں۔ گو زمانہ وسطیٰ کے شروع میں یہ ملک اب سے زیادہ حاصل خیز اور معمور تھا، لیکن کبھی دولتمندی یا سیاسی اعتبار سے وہ کوئی بڑا صوبہ نہ تھا۔ مکران کی سب سے بڑی پیداوار نے شکر تھی؛ اور ایک خاص قسم کی سفید شکر جسے عرب الفانیذ (فارسی کا لفظ پانید ہے) کہتے تھے، یہاں بنائی جاتی تھی، اور قرب و جوار کے ملکوں کو بکثرت بھیجی جاتی تھی[2]۔

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۴۹، ۵۰ + اصطخری ص ۱۲۳، ۲۵۱، ۲۵۲ + ابن حوقل ص ۲۹۶، ۳۰۶، ۳۰۷ + مقدسی ص ۴۹۲ + سر ایف، گولڈسمڈ (Goldsmide) کی کتاب ایسٹرن پرشیا۔ ج ۱۔ ص ۲۵۶ +

[2] ابن حوقل ص ۲۲۶، ۲۳۲، ۲۳۳ + مقدسی ص ۴۷۶، ۴۸۵ + (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

ابتدائی زمانہ کے جغرافیہ نویسوں نے بہت سے شہروں کے نام اس طرح بیان کئے ہیں کہ گویا وہ مکران میں تھے، لیکن ان کے حالات بہت کم لکھے ہیں۔ صوبہ کا خاص تجارتی مرکز خلیج فارس کے ساحل پر تِیز کا بندرگاہ تھا۔ مکران کا دارالحکومت فَنَّزبُور یا بَنجبُور تھا۔ یہ ملک کے اندرونی حصہ میں اُس جگہ پر واقع تھا، جسے آج کل پنج گُور کہتے ہیں۔ مقدسی کی تحریر کے مطابق چوتھی (دسویں) صدی میں بنجبُور میں ایک کچا قلعہ تھا، جس کے گرد خندق تھی۔ شہر کے چاروں طرف نخلستان تھا۔ شہر کے دو دروازے تھے۔ ان میں سے ایک باب تیز تھا، جس کا رُخ جنوب مغرب تھا اور اس میں سے وہ سڑک گذرتی تھی جو خلیج فارس کے بندرگاہ تیز کو جاتی تھی۔ دوسرا دروازہ باب طُوران تھا۔ اس کا رُخ شمال مشرق تھا، اور اس میں سے وہ سڑک نکلی تھی جو علاقہ طُوران کو جاتی تھی۔ علاقہ طُوران کا صدر مقام قُزدار تھا۔ شہر میں پانی ایک ندی سے پہنچتا تھا۔ یہاں ایک جامع مسجد بھی تھی، جو بازار میں واقع تھی، گو مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں کے لوگ جو وحشی بَلُوص (بلوچی) تھے صرف نام کے مسلمان تھے، اور ان کی زبان ایک بے معنی اور کرخت بولی معلوم ہوتی تھی[1]

(بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) یاقوت ج ۴۔ ص ۶۱۴+ مکران کے زمانہ وسطیٰ کے مختلف شہروں کے موقع محل پر سرٹی، ایچ، ہولڈچ (Holditch) نے جیاگریفیکل جرنل دسمبر ۱۸۹۶ء ص ۳۸۷ میں بہت خوبی سے بحث کی ہے۔ اس صوبہ کے متعلق جس قدر معلومات ہم کو اس وقت حاصل ہیں ان کی بنا پر جو نتائج ہولڈچ نے نکالے ہیں ہم ان میں بہتری کی شکل پیدا نہیں کر سکتے+

[1] اسے قَنَّزبُور یا قَنجبُور بھی اکثر چھاپ دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ کتابت کی غلطی ہے۔ اصلی نام فَنَّزبُور ہی ہے۔ پہلے حرف پر بجائے ایک نقطہ کے دو نقطے (بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

عالی شان بندر تیز کے شکستہ آثار اُس گودی کے ہرے پر نظر آتے ہیں جو زمانہ وسطیٰ میں چھوٹے جہازوں کے قیام کے لئے عمدہ جگہ تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر تیز کے گرد نخلستان ہے، اور شہر کے اندر بڑے بڑے انبار خانے تھے۔ یہاں ایک خوبصورت مسجد بھی تھی۔ (۳۳۰) اس کی آبادی میں تمام قوموں کے لوگ تھے، جیسا کہ بالعموم ہر بڑے بندرگاہ میں ہوتا ہے۔ چھٹی (بارھویں) صدی میں بندرگاہ ھُرمُز کی بربادی پر اس کی تجارت بھی ایک بڑی حد تک بندرگاہ تیز میں منتقل ہو گئی تھی[1]۔

مکران کے اور شہروں کے صرف نام ہی نام عرب جغرافیہ نویسوں نے لکھے ہیں۔ حالات کچھ نہیں لکھے۔ بمپُور کے مشہور شہر اور اس کے ہمسایہ شہر فہرج کے نام مقدسی کی کتاب میں آئے ہیں۔ بنبور کو اس نے بنبور اور فہرج کو فہل فہرہ لکھا ہے۔ یاقوت نے فہرج کو فہرہ لکھا ہے[2]۔ تیز کے شمال میں قصر قند اب تک ایک بڑی جگہ ہے۔ قصر قند سے مشرق میں کچھ فاصلے پر جگہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لگا دینے سے یہ غلطی پیدا ہو جاتی ہے + اصطخری ص ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۷ + ابن حوقل ص ۲۲۶، ۲۳۲ + مقدسی ص ۴۷۸ + پنج گور کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے پہلی مرتبہ اس شہر کو فتح کیا تو پانچ مسلمان شہید ہو کر یہیں دفن کئے گئے تھے۔ یہ مقام قلعہ ناغہ سے ایک منزل مغرب میں ہے، اور اس کے گرد کا علاقہ بھی پنج گور کہلاتا ہے۔ دیکھو سائکس کی کتاب Persia ص ۲۳۴ +

[1] مقدسی ص ۴۷۸ + یاقوت ج ۱ ص ۹۰۷ + تیز کے موجودہ کھنڈروں کے متعلق دیکھو سائکس کی کتاب (Persia) ص ۱۰۱، ۱۱۰ + اور شنڈلر (Schindler) جے، آر، اے، ایس ۱۸۹۸ء ص ۵۴ + دیکھو افضل کرمانی کی تاریخ مصحح ہوتسما (Houtsma) زید، ڈی، ایم، جی۔ ۱۸۸۱ء ص ۳۹۴، ۴۰۲ +

[2] مکران کا فہرج بمپور سے مشرق میں چند میل کے فاصلے پر، اور کرمان کا فہرج نرماسیر سے مشرق میں چند میل کے فاصلے پر واقع تھے + ان دونوں شہروں کو خلط ملط نہ کرنا چاہیے۔ ایک اور فہرج یزد کے قریب تھا۔

جسے کیزج یا کیز لکھا گیا ہے۔ جالک اور دزک کے نام بھی آئے ہیں۔ یہی حال خواش یا خواص کا ہے۔ یہ غالباً موجودہ گواشت ہے۔ جو خواش کے مغرب میں علاقہ سرحد میں واقع ہے (اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۱۷)۔ ہراسک کا شہر زمانہ وسطیٰ میں اس وجہ سے مشہور تھا کہ علاقہ خروج جس میں یہ شہر واقع تھا، شاداب و سیر حاصل تھا۔ لیکن سیاحت ناموں کے بیانوں سے یہ امر مشتبہ ہو جاتا ہے کہ آیا یہ شہر وہی ہے جسے آج کل راسک کہتے ہیں۔ ارمئیل اور قنبلی دو شہر اور تھے۔ یہ ساحل پر یا ساحل سے قریب تیز اور دیبل کے وسط میں واقع تھے۔ دیبل دریائے سندھ کے دہانے پر تھا۔ اصطخری نے ان دونوں شہروں کو بڑا شہر لکھا ہے، جس میں فصل دو دو دن کی مسافت کا تھا۔ ان میں سے ایک سمندر سے صرف نیم فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ ان دونوں شہروں کے رہنے والے دولتمند تاجر تھے جو زیادہ تر ہندوستان سے بیوپار کرتے تھے[1]

[1] اصطخری ص ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۸ + ابن حوقل ص ۲۲۹، ۲۳۲ + مقدسی ص ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۸۶ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۶۹ + ج ۲۔ ص ۲۳۲ + قلمی نسخوں میں اکثر کتابت کی غلطی سے ارمبیل کو ارمئیل لکھا ہے۔ غالباً ارمبیل کے کھنڈر لس بیلا کے مقام پر، اور قنبلی کے کھنڈر خیرو کوٹ کے مقام پر ہیں۔ سر ٹامس ہولڈچ (Holdich) جے، آر، جی، ایس ۱۸۹۶ع ص ۴۰۰ + ابتدائی زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں کو مکران کے متعلق واقعی بہت کم واقفیت تھی، اور زمانہ مابعد کے مصنفوں نے کوئی ایسی بات اضافہ نہیں کی جو بیان کے قابل ہو۔ یاقوت نے وہی باتیں دہرادی ہیں جو چوتھی (دسویں) صدی میں اُس کے پیشرووں نے کہی تھیں۔ قزوینی (ج ۲۔ ص ۱۸۱) نے اس صوبہ کی نسبت جو بات زیادہ بتائی ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہاں ایک عجیب پل تھا جس سے دریا کو عبور کرتے تھے، اور یہ پل سالم ایک پتھر کا تھا۔ اس کے علاوہ وہ لکھتا ہے کہ جو کوئی اس پل پر سے گزرتا ہے تو جو کچھ اُس کے معدے میں ہوتا ہے استفراغ ہو جاتا ہے، چاہے ہزاروں آدمی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

(۳۳۱)

اس کتاب میں دعوے نہیں کیا گیا کہ عہد وسطے کا جغرافیۂ ہند لکھا جائیگا، اور حقیقت یہ ہے کہ عرب جغرافیہ نویسوں نے اس ملک کے حالات باقاعدہ طور پر لکھے بھی نہیں ہیں۔ خلیج فارس کے مشرقی سرے سے اس طرف بڑھ کر ملک ہند کے جس بندرگاہ سے وہ سب سے زیادہ واقف تھے وہ دَیبُل تھا، جو اُس زمانہ میں دریائے سندھ کے بڑے دہانے پر ایک عمدہ بندرگاہ صوبۂ سندھ میں واقع تھا۔ اس صوبہ کا دارالحکومت منصورہ تھا، جسے ہندوستان کے لوگ برھمن آباد کہتے تھے۔ یہ ایک بڑا شہر تھا، اور دریائے سندھ کے زیرین کی نہروں یا شاخوں میں سے کسی نہر یا شاخ پر واقع تھا۔ دریائے سندھ کو عرب مہران کہتے تھے، اور اس کے کناروں کے بہت سے شہروں کے نام بیان ہوئے ہیں۔ ملتان کا بالخصوص ذکر ہوا ہے۔ یہ بڑا شہر تھا، اور مہران سندھ کے معاون دریا سندرود کے کنارے شمال میں واقع تھا۔ اصطخری نے دریائے سندھ اور دریائے نیل کا مقابلہ ان کی بزرگی اور اہمیت کے لحاظ سے کیا ہے۔ ہند کے اس دریا میں نیل کے دریا کی طرح نہنگ پائے جاتے تھے۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ سندھ کے سرچشمے شمال کے بڑے پہاڑوں میں دریائے جیحون کے منبع کے قریب تھے۔ وہ قوم جسے عرب الزّط کہتے تھے، سندھ کی رہنے والی تھی۔ اہل ایران ان لوگوں کو جت کہتے تھے، اور آج کل ان کی نسبت بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ جپسی (Gypsy) قوم کے اسلاف تھے[1]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۷) اس پر سے گذریں مگر یہی بات ہر شخص کو پیش آتی ہے، اس لئے اس ملک کے کسی باشندے کو جب استفراغ کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اس پل پر سے گذرتا ہے +

[1] اصطخری ص ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۸۰ + ابن حوقل ص ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۵ + مقدسی ص ۴۷۶، ۴۷۹، ۴۸۲، ۴۸۳ + (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

مکران کی شمال مشرقی سرحدوں پر ہندوستان کی سرحد کے قریب عرب جغرافیہ نویسوں نے دو علاقوں کا حال لکھا ہے؛ یعنی طُوران، جس کا دارالحکومت قُصدار تھا: اور بُدھہ، جو طُوران کے شمال میں تھا۔ بُدھہ کا دارالحکومت قَنْدَبِیل تھا۔ قُصدار کا ذکر، جس کا املا اَلقُزدار بھی کیا جاتا ہے، سلطان محمود غزنوی کی ابتدائی فتوحات میں آیا ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ شہر ایک دریا (وادی) کے کنارے واقع تھا۔ شہر کے بیچ میں ایک قلعہ تھا، اور شہر کے گرد کی سطح زمینیں بہت زرخیز تھیں۔ ان میں انگور، انار، اور اور میوے جو سرد ملکوں سے مخصوص ہیں پیدا ہوتے تھے۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہ شہر دریا کے دونوں کناروں پر دو حصوں میں آباد تھا، اور دریا خشک تھا۔ ایک حصہ میں سلطان کا محل اور قلعہ تھا، اور دوسرے حصہ میں جو بُودِین کہلاتا تھا تاجر رہتے تھے۔ ان تاجروں کی دکانوں سے، جو بازار میں تھیں خراسان کے لوگ بہت لین دین رکھتے تھے۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں کے مکانات کچے بنے ہوئے تھے، اور پانی کے لئے پٹی ہوئی نہریں تھیں، لیکن پانی کم اور خراب تھا۔ (۳۳۲)

طُوران جو علاقہ قُصدار کا نام تھا، اس میں شمال کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۸) بندرگاہ دیبُل کے شکستہ آثار ساحل سے دور ملک کے اندر ٹھٹھہ سے بیس میل جنوب مغرب میں اور کراچی سے پنتالیس میل مشرق جنوب مشرق میں پائے جاتے ہیں منصورہ دریائے سندھ کے ڈلٹا کی ایک پرانی شاخ پر حیدرآباد (سندھ) سے تقریباً چالیس میل شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ سندھ دراصل ھند نام کی قدیم ایرانی شکل ہے۔ لیکن عرب اس نام یعنی سندھ کو مبہم طور پر اس بڑے صوبے کے لئے بولتے تھے جو مکران کے مشرق میں تھا، جس کا ایک حصہ اب بلوچستان کہلاتا ہے، اور دوسرا حصہ موجودہ صوبۂ سندھ میں شامل ہے۔ سِندُرُوذ سے مراد سندھ کا دریا ہے۔

وہ اراضی اکثر شامل سمجھی جاتی تھیں جنھیں بُدَھَہ کا علاقہ کہتے تھے۔ اس علاقہ کا بڑا شہر قَندَابیل تھا، جس کی تطبیق موجودہ شہر گنداوا سے ہو چکی ہے۔ یہ شہر سیبی کے جنوب اور قلات کے مشرق میں واقع ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ قندابیل ایک بڑا شہر تھا، جو سطح زمین پر تنہا واقع ہوا تھا۔ یہاں کھجور کا درخت پیدا نہ ہوتا تھا۔ اس کے اعمال میں کیزکانان یا کیکان کا شہر تھا۔ سیاحت ناموں میں جو موقع اس شہر کا بیان ہوا ہے اس کی بنا پر موجودہ شہر قلات سے اس کو مطابق سمجھا جا سکتا ہے۔ قندابیل اور کیزکانان ان دونوں شہروں کو اکثر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ طُوَران کے شہر ہیں۔ طُوران کے اور شہروں کے نام بھی لکھے ہیں، لیکن ان کو شناخت کرنا اب ممکن نہیں، کیونکہ ان کے حالات کافی طور پر بیان نہیں ہوئے، اور املا کے اعتبار سے ان ناموں کے متعلق قلمی نسخوں میں بہت اختلاف ہے[۵۱]۔ علاقجات طُوَران اور بُدْھَہ کے شمال میں بالِس یا والِشْتَان کا علاقہ اور اس کے شہر سیبی اور مُسْتَنج تھے۔ لیکن شروع زمانہ کے جغرافیہ نویسوں نے ان سب کو سجستان میں شمار کیا ہے، اور اس لئے ان کا ذکر آیندہ باب میں آئیگا۔

صوبہ مکران میں سے جو سڑکیں گزرتی تھیں وہ دراصل مفاذہ کے سڑکوں کے سلسلے میں تھیں، اور سب کا مرجع ہندوستان تھا۔ افسوس ہے کہ ان سڑکوں کا حال بالعموم بہت اجمال سے لکھا گیا ہے، اور صرف یہ بتایا گیا ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک کتنے دنوں کے سفر میں پہنچتے تھے۔ فاصلے جو اس طرح بیان ہوں وہ قابل اعتماد نہیں۔ بہر کیف ابن خرداذبہ نے کم از کم ایک راستہ کے متعلق منزل بمنزل فاصلوں کی تفصیل فرسخوں میں بیان کی ہے مگر اب اس راستہ

۵۱۔ ابن خرداذبہ ص ۵۶ + اصطخری ۱۷۱، ۱۷۶، ۱۷۸ + ابن حوقل ص ۲۲۶، ۲۳۲، ۲۳۳ + مقدسی ص ۴۷۶، ۴۷۸ +

کے صحیح خط کو جو بادیہ میں سے گذرتا تھا شناخت کرنا غیر ممکن ہے۔ اس مصنف نے اس سڑک کا حال بادیہ کے شہر فَہرَج سے شروع کیا ہے، جو صوبہ کرمان کے شہر بَم اور نرماسیر کے مشرق میں تھا۔ فہرج سے مَکران کے دارالحکومت کا فاصلہ چودہ فرسخ لکھا ہے[1] اور قنزبور سے مشرق کی طرف قصدار کی سڑک پر تین منزلوں کے نام لکھے ہیں۔ اسی سڑک سے تقریبًا متوازی ایک دوسرے سڑک کا حال مقدسی نے سمت مخالف میں بیان کیا ہے، یعنی یہ سڑک قُصدار سے شروع ہو کر جو سیا نہر سلیمان کو جاتی تھی جو بَم سے مشرق میں بیس فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ یہ سڑک قنزبور کے شمال سے بجالک اور خواص ہوتی ہوئی نکلی تھی[1]

بندرگاہ تیز سے کیز کا فاصلہ پانچ مراحل، اور کیز سے قنزبور دو مراحل تھا۔ قنزبور کو ایک اور سڑک دوسرے راستہ سے قہر قند سے آتی تھی۔ کیز اور قہر قند دونوں سے اَرمَبیل کا فاصلہ چھ مراحل اور اَرمبیل سے قنبلی دو مراحل، اور قنبلی سے دیبل جو دریائے سندھ کے دہانہ کا بندرگاہ تھا، چار مراحل بتایا گیا ہے[2]

(۲۳۴)

قنزبور سے دیبل کا فاصلہ چودہ مراحل شمار کیا جاتا تھا۔ قُصدار سے قندابیل اور کیز کانان (قلات) کے فاصلے اعداد بلا کسر میں تخمینًا بیان ہوئے ہیں، اور یہی حال اُن فاصلوں کا ہے جو ان مقامات سے والِشتان کے شہر سیبی اور شہر مستنج کے ہیں۔ اس مضمون کے بعد سیاحت نامے اس خلاصہ بیان پر ختم ہو جاتے ہیں کہ قصدار اور قندابیل اور علاقہ والِشتان

---

[1] ابن خردادبہ ص ۵۵ + مقدسی ص ۴۸۶ +

[2] اصطخری ص ۱۷۸ + ابن حوقل ص ۲۳۳ + مقدسی ص ۴۸۵ +

کی سرحد سے یعنی جو شہر سِلبی کے شمال میں فاصلے سے تھی اُلملتان اور منصورہ کے شہر جو دریائے سندھ کے کنارے تھے اُسکتنے کتنے دنوں کی مسافت یا مراحل پر واقع تھے[1]

---

[1] اصطخری ص ۱۷۶ + ابن حوقل ص ۲۳۳، ۲۳۴ + مقدسی ص ۴۸۶ +

(۳۳۴)

باب بست و چہارم

سجستان

سجستان یا نیمروز اور زابلستان ۔ صوبہ کا دارالحکومت : زرنج ۔ جھیل زرہ ۔ دریائے ہلمند اور اُس کی نہریں ۔ رام شہرستان کے مقام پر پرانا دارالحکومت ۔ نِہ ۔ فرہ اور دریائے فرہ ۔ دریائے خاش اور علاقہ نیشک ۔ قرنین اور دوسرے شہر رودبار اور بُست ۔ زمین داور کے علاقے ۔ رخج اور بالس یا والشتان ۔ قندھار، غزنہ اور کابل ۔ چاندی کی کانیں ۔ سجستان میں سے گذرنے والی سڑکیں ۔

سیستان فارسی لفظ سگستان سے ماخوذ ہے، عرب اسے سجستان کہتے تھے ۔ اس ملک کی زمین نشیب میں ہے، اور جھیل زرہ کے گرد اور اس کے مشرق میں واقع ہے ۔ دریائے ہلمند اور جس قدر دریا اس جھیل میں گرتے ہیں ان سب کے ڈلٹا اسی زمین میں پڑتے ہیں ۔ ملک قندھار کی سطحات مرتفع، جو دریائے ہلمند کے بالائی حصے کے متوازی واقع ہیں، زابلستان کہلاتی ہیں ۔ فارسی میں سیستان کو نیمروز (یا نیمروز)

مکنت) بھی کہتے تھے، اور جنوبی ملک کہنے کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ سیستان خراسان کے جنوب میں واقع ہے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ صوبۂ سیستان کی زرخیزی مشہور تھی۔ یہاں کھجور اور غلہ بافراط پیدا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ہینگ بھی ہوتی تھی، اور لوگ اسے اپنے تمام کھانوں میں ڈالتے تھے[1]۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ زمانہ وسطیٰ میں جھیل زرہ آج کل کے مقابلہ میں بہت زیادہ وسیع تھی۔ دریائے ہلمند کے علاوہ، جو خود ایک عظیم الشان دریا ہے، اور بہت سے معاون بھی رکھتا تھا، تین اور بڑے دریا، یعنی دریائے خواش، دریائے فرہ اور رود دریا جو اسفزار (یعنی ہرات کے سبزوار) کے قریب سے آتا تھا، اور جو آج کل ہارود کہلاتا ہے، اس جھیل میں گرتے تھے۔ ایرانی روایات میں سیستان اور زابلستان کی شہرت کی وجہ یہ تھی کہ وہ رستم کے باپ زال کا وطن تھے، اور رستم ایرانیوں کا قومی ہیرو تھا، جس کے کارنامے اب تک زبان زد خلایق ہیں۔ خلفاء عباسیہ کے ابتدائی دور میں سیستان اس وجہ سے مشہور ہوا کہ صفاریہ خاندان کے امیر جنھوں نے تیسری (نویں) صدی کے نصف آخر میں ایران کے جنوبی اور مشرقی حصہ پر حکومت کی یہیں کے رہنے والے تھے، اور ان کی حکومت درحقیقت خودمختارانہ تھی۔ (۳۳۵)

زمانہ وسطیٰ میں اس صوبہ کا دارالحکومت زرنج کا بڑا شہر تھا، اسے تیمور نے برباد کیا۔ چنانچہ اُس کے شکستہ آثار اب تک ایک بہت بڑے رقبہ پر پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن زرنج کا نام اب کسی کی زبان پر نہیں بلکہ زمانۂ وسطیٰ کے آخری حصہ میں وہ متروک ہو چکا تھا۔ زمانۂ مابعد کے جغرافیہ نویس اس دارالحکومت کو مدینۂ سیستان

---

[1] اصطخری ص ۲۴۴ + ابن حوقل ص ۳۰۱۔

نقشہ ۸

نقشہ صوبہ جات قوہستان خراسان و حصہ سجستان
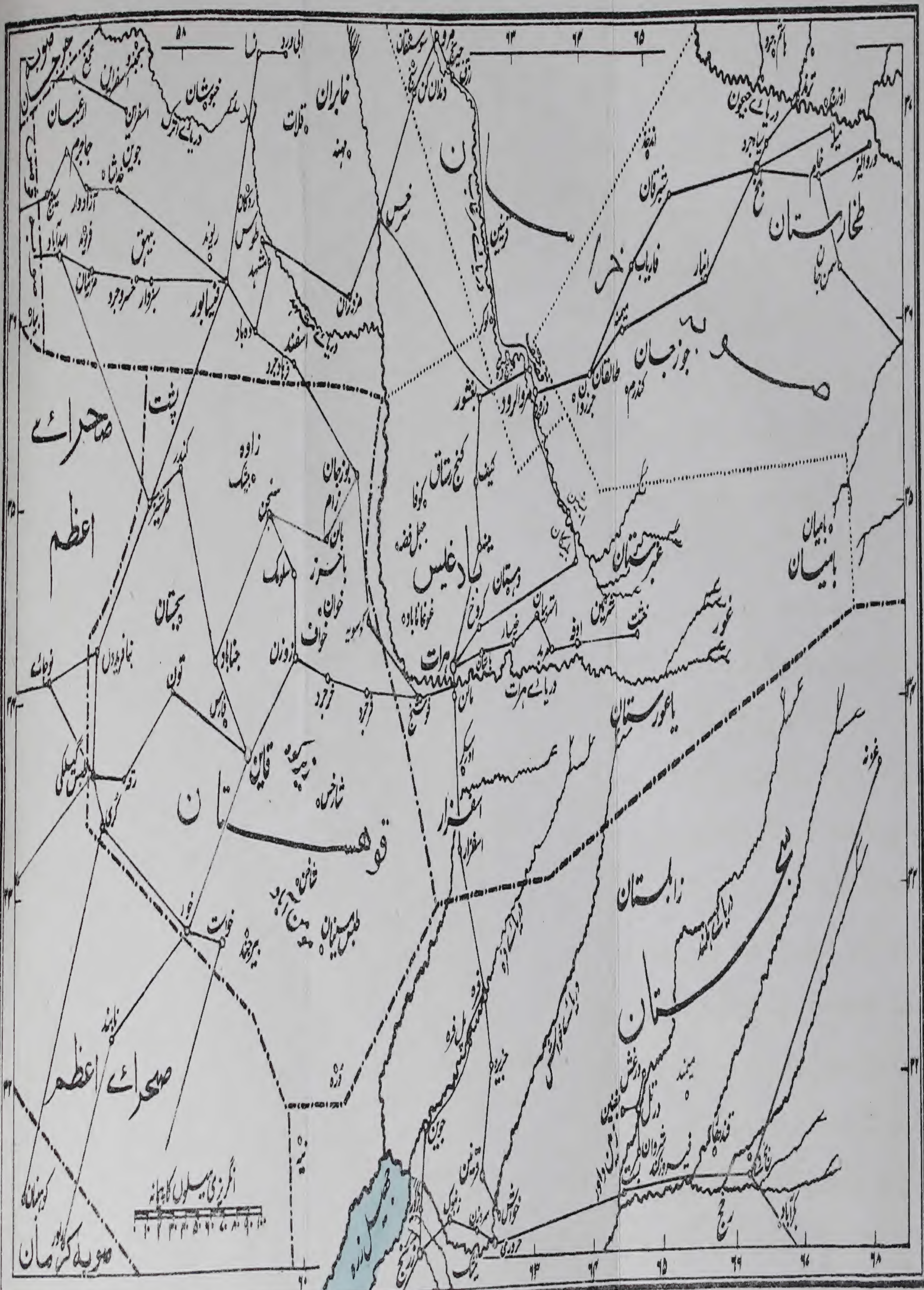
لکھتے تھے، اور فارسی میں اس نام کا مترادف شہرِ سیستان تھا۔ چنانچہ جس وقت تیمور نے ہر شہر کو اخیر مرتبہ بالکل ہی منہدم کیا ہے۔ اُس وقت اُس شہر کا نام شہرِ سیستان ہی تھا۔[1]

ساسانی بادشاہوں کے عہد میں زرنج ایک بہت بڑے شہر کی حیثیت قائم کرچکا تھا۔ سنہ ۲۱ھ (سنہ ۶۴۱ء) میں اسلامی فتوحات کی تاریخ میں اس کا نام کئی بار بیان ہوا ہے۔ یہ مقام نہر سنارود کے قریب واقع تھا۔ اور یہ سنارود نہر دریائے ہلمند کی ایک شاخ تھی جو مغرب کی طرف بہتی ہوئی گئی تھی، اور طغیانی کے زمانہ میں جھیل زرہ تک پہنچ جاتی تھی۔

یعقوبی نے تیسری (نویں) صدی میں بیان کیا ہے کہ زرنج کا دور چار فرسخ تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے اس شہر کا مفصل حال لکھا ہے۔ اُس کے زمانہ میں یہ خوب متحصن تھا؛ اس میں ایک شہر اندر تھا، جس کے گرد فصیل تھی اور اُس فصیل میں پانچ دروازے تھے

---

[1] زرنج کے کھنڈر آج کل کے دو قریوں یعنی نادعلی اور شہرِ سیستان کے گرد اور دریائے ہلمند کی بڑی نہروں میں سے ایک نہر کے پرانے گزرگاہ کے کنارے واقع ہیں۔ یہ نہر زمانہ وسطیٰ سے خشک پڑی ہے۔ ان کھنڈروں کی موجودہ حالت اور اس کے علاوہ دوسرے ویران شہروں کے لئے دیکھو: سر ایچ راولنسن (Rawlinson) کا مضمون مطبوعہ جرنل رائل جیاگریفیکل سوسائٹی (سنہ ۱۸۷۳ء) ص ۲۸۰، ۲۸۳، ۲۸۴۔ سر ایف گولڈسمڈ (Goldsmid) کی کتاب (Eastern Persia) ج ۱ ص ۳۰۱۔ میجر سائکس (Persia) ص ۳۷۵، ۳۸۲، ۳۸۳۔ [illegible] سے بڑے کھنڈر کا خاکہ لے کر ایچ سیویج لینڈور (Savage Landor) نے (Accross the Coveted Lands) ج ۲ ص ۲۲۸ میں درج کیا ہے۔ نادعلی کے قریب اسی فٹ بلند ایک مینار کے شکستہ آثار اب تک ہیں۔ یہ میل نادعلی کہلاتا ہے۔ اس پر چڑھنے کے لئے چکردار زینہ ہے اور خط کوفی میں دو کتبے بھی ہیں جن کے کچھ حصے پڑھے جاسکتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اس مینار کو تیمور نے برباد کرادیا تھا۔ دیکھو جی پی ٹیٹ (Tate) کا مضمون جے آر اے ایس سنہ ۱۹۰۴ صفحہ ۱۷۱۔ صوبہ سیستان کا موجودہ دارالحکومت نصرت آباد[2] ان کھنڈروں کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کا نام ناصر آباد و نیز ملاحظہ حاشیہ بہ [illegible]

(۳۳۶)

فصیل کے باہر بیرونی آبادی [ربض] تھی اس کے گرد بھی شہر پناہ تھی باہر والی
شہر پناہ میں تیرہ دروازے تھے جن کے سامنے ایک بڑی خندق تھی۔
یہ خندق نہروں اور چشموں کے فاضل پانی سے بھری رہتی تھی۔ اندر والے
شہر کے پانچوں دروازوں میں لوہے کے پھاٹک تھے۔ دو دروازے
ایسے تھے جو پاس پاس تھے ان کا رُخ فارس یعنی جنوب مشرق کی سمت
میں تھا۔ اسی لئے یہ دونوں دروازے باب فارس کہلاتے تھے۔ لیکن
الگ الگ ان کے نام باب حَلِیلا اور باب عَتِیق تھے۔ شمال کی طرف
خراسان کی سمت میں ایک باب کرکُویہ تھا۔ یہ نام قریب کے شہر کرکُویہ پر
رکھا گیا تھا۔ باب نِیشک شرقی سڑک پر شہر بُست کی طرف تھا۔
پانچواں دروازہ باب طعام کہلاتا تھا اور ان تمام دروازوں میں سب سے
زیادہ آمد و رفت اسی دروازے سے رہتی تھی۔ یہ دروازہ اُس سڑک پر
کھلتا تھا جو زرنج کے باہر والے باغوں اور بازاروں میں سے ہوتی ہوئی
جنوب کو جاتی تھی

شہر کی مسجد جامع باہر والے شہر میں فارس جانے والی سڑک پر
دونوں جنوب مغربی دروازوں کے قریب واقع تھی۔ اسی کے پاس
حبس دار الامارۃ کے قریب تھا۔ باب نیشک اور باب کرکُویہ کے درمیان ایک
اَرَک یا قلعہ تھا جہاں خزانہ رہتا تھا اس قلعہ کو خاندان صَفّارِیہ کے دوسرے
امیر عمرو بن لیث نے تعمیر کرایا تھا عمرو کے بڑے بھائی یعقوب نے جو
اس خاندان کا بانی تھا اندر والے شہر کے اس حصہ میں جو دونوں جنوب مغرب
والے دروازوں احباب الطعام کے درمیان تھا اپنے لئے ایک محل
بنوایا تھا اور یہی محل بعد میں دار الامارۃ ہو گیا۔ اسی کے قریب عمرو کا محل بھی
تھا۔ یہ دونوں محل شہر کے دوسرے مکانات کی طرح کچی اینٹوں سے بنے

تقسیم مضمون صفحہ ۵۰۵۔ مگر اب یہ نام متروک ہو چکا ہے سیویج لینڈور (Savage Landor)
نے لکھا ہے کہ آج کل اس شہر کو نصرآباد کہتے ہیں۔

ہوئے تھے، اور اُن کی چھتیں ڈاٹ کی تھیں۔ اس وجہ یہ تھی یہاں چھت
لکڑی کی کڑیاں ڈال کر نہیں بنا سکتے تھے، کیونکہ ہر قسم کی لکڑی کا کام آب و
ہوا کے مرطوب ہونے کی وجہ سے جلد خراب ہو جاتا تھا اور کیڑے لکڑی میں
سوراخ کر دیتے تھے۔ اندر اور باہر والے دونوں شہروں میں بہت
سی سرائیں [فنادق] تھیں، اور باہر والے شہر بارِبض میں سرکاری دفاتر
تھے۔ اندر والے شہر کے بازار جامع مسجد کے قریب تھے، بیرونی آبادی
کے بازار بہت معمور اور آباد تھے، خصوصاً سوق عمرو جسے خاندان صفاریہ کے
دوسرے امیر عمرو بن لیث نے تعمیر کرایا تھا۔ اس بازار کا کرایہ روزانہ ایک ہزار
درہم (یعنی چھ سو روپیہ) وصول ہوتا تھا، اور یہ رقم بیمارِستان (شفاخانہ)، جامع مسجد
اور خانہ کعبہ کے لئے وقف تھی۔

باہر والے شہر میں بازار کا طول تقریباً نصف فرسخ تھا، اور ابواب
فارس سے لے کر، جو اندر والے شہر کی فصیل میں تھے، باہر والے شہر کی فصیل
تک دکانوں کا سلسلہ برابر چلا گیا تھا۔ زَرَنج میں پانی بکثرت موجود تھا۔ (۳۳۷)
یہ سَنارُود سے چھوٹی چھوٹی نہروں یا نالیوں کے ذریعہ لایا گیا تھا۔ یہ
نہریں تین مقامات سے، یعنی باب جدید، باب عتیق اور باب الطعام سے شہر میں
داخل ہوئی تھیں۔ ان تینوں کا پانی مل کر اتنی قوت پیدا کر دیتا تھا کہ ایک
پن چکی اس سے چلا کرتی تھی۔ پن چکی سے آگے بڑھ کر، یہ پانی جامع مسجد کے
قریب دو بڑے پختہ تالابوں میں جمع ہوتا تھا، اور یہاں سے تمام شہر میں
تقسیم کیا جاتا تھا۔ بیرونی شہر کے مکانات بھی جاری پانی کی نہروں سے
بخوبی مہیا تھے۔ یہ چیزیں یہاں کے گرم موسم میں آسائش کے لئے ضروری
تھیں۔ ہر ایک مکان میں ایک سرداب (تہ خانہ) گرمی میں دن گزارنے
کے لئے ہوتا تھا، کیونکہ زَرَنج میں گرمی بہت سخت ہوتی تھی۔ شہر کے گرد سَبَخہ یا
شورستان تھا جس میں کھجور کے درخت بہت تھے، اس کے حوالی میں ریگستان
تھا۔ یہاں سے ہر وقت تند و تیز ہوائیں چلتی تھیں، جو ریت کو خطرناک
طریقہ پر حرکت میں لاتی تھیں۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ گاؤں کے گاؤں ریت میں دب

جاتے تھے، اور مزروعہ علاقے تباہ ہو جاتے تھے۔ اس مسلسل تیز ہوا سے یہاں کے لوگ اپنی ہوا چکیاں چلاتے تھے۔ یہ ہوا چکیاں اس ملک کی خصوصیات سے تھیں۔ بہر کیف اس ریگ رواں سے ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا۔ ابن حوقل نے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ سنہ ۳۶۰ (سنہ ۹۷۱ء) یا اس کے قریب کے زمانہ میں ایک مرتبہ زرنج کی جامع مسجد کس طرح ریت سے بالکل اٹ گئی تھی۔

چوتھی (دسویں) صدی میں زرنج کی یہی کیفیت تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ مقدسی نے اپنی کتاب میں اسی کیفیت کا اعادہ کیا ہے۔ اس نے یہاں کے لوگوں کی دولتمندی اور علم و فضل کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اور یہاں کے ایک مستحکم و متحصن قلعہ اور جامع مسجد کے دو مشہور میناروں کا حال بھی لکھا ہے۔ ان میں سے ایک مینار کو یعقوب بن لیث الصفار نے تعمیر کرایا تھا۔ زرنج کا شہر صدیوں تک آباد و بارونق رہا یہاں تک کہ مغلوں کی یورش کے زمانہ میں جب سنہ ۶۱۹ (سنہ ۱۲۲۲ء) میں چنگیز خاں نے اپنے جرگے سیستان کو تاراج کرنے کے لئے بھیجے تو معلوم ہوتا ہے کہ ملک کا دارالحکومت اس وقت تباہی سے بچ گیا، اور اس زمانہ کے بعد کچھ عرصہ تک وہ ایک مغل حاکم کے تحت میں رہا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے ابتدائی حصہ میں مستوفی نے زرنج کو جس کا تلفظ اہل ایران زرنگ کرتے تھے، ایک بارونق شہر لکھا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ قریب کے بادیہ کے "ریگ رواں" سے شہر کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک بڑا بند باندھا گیا تھا۔ مشہور تھا کہ اس بند کو شاہ گرشاسپ نے تعمیر کرایا تھا، اور بعد میں جب وہ ٹوٹ گیا تو اسفندیار کے بیٹے بادشاہ بہمن نے اس کو درست کرایا۔ مستوفی نے زرنج کے باغوں کی تعریف کی ہے، جن میں نہایت عمدہ میوہ بکثرت ہوتا تھا۔ (نہر) سیاہ رود، جو دریائے ہلمند کی ایک شاخ سے نکالی گئی تھی، ان باغوں کو سیراب کرتی تھی۔ لیکن اسی صدی کے آخر میں یعنی سنہ ۷۸۵ (سنہ ۱۳۸۳ء) میں تیمور اپنی فوجیں لئے ہوئے شہر کے سامنے پہونچا۔ یہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ

اس وقت اِس شہر کا نام "شہر سیستان" تھا۔ تیمور کی وارد ہونے پر شہر کی تباہی میں زیادہ دن تک شبہ رکھنے کی ضرورت نہ رہی۔ اِس سے قبل اِس نواح کی ایک گڑھی کو جس کا نام قلعہ یا حصار زرہ تھا، اور جو زرنج کے شمال میں جھیل کے قریب تھی، تیمور نے مسمار کرا دیا۔ اِس لشکر کشی پر سیستان کے دارالحکومت نے اپنے دروازے بند کیے، اور اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا۔ تیمور نے چند روزہ محاصرہ کے بعد شہر کو فتح کر لیا، اور جس قدر باشندے شہر میں تھے انھیں قتل کر دیا۔ اس کے بعد شہر پناہ گرا دی اور مکانات ڈھا دیے۔ اس وقت سے زرنج ایک بے نام ویرانہ چلا آتا ہے[1]۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، زمانہ وسطیٰ میں جھیل زرہ یا زرہ (بحیرۂ زرہ) کا دورِ منتقلاً اس سے کہیں زیادہ تھا جتنا کہ آج کل بالعموم رہتا ہے، گو اس کا یہ دور دریاؤں کی طغیانی یا خشکی پر ہر زمانہ میں گھٹتا بڑھتا رہتا تھا[2]۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ اس کا

---

[1] بلاذری ص ۳۹۲، ۳۹۴ + یعقوبی ص ۲۸۱ + اصطخری ص ۲۳۹ + ابن حوقل ص ۲۹۷ - ۲۹۹، ۳۰۱ + مقدسی ص ۳۰۵ + مستوفی ص ۱۸۳ + علی یزدی ج ۱ - ص ۳۶۲ +

[2] میجر سائکس نے اپنی کتاب Persia (ص ۳۶۴، ۳۷۲) میں چند نقشے دریائے ہلمند کے ڈیلٹے اور جھیل زرہ کی موجودہ حالت ظاہر کرنے کے لئے درج کیے ہیں۔ جنوبی خاتمہ پر اس بڑی جھیل کا طاس ایک بڑے قطعۂ آب سے جا ملتا ہے جس کا طول پچاس میل اور عرض اوسطاً تین سو پچاس گز ہے۔ اِس کے کنارے پچاس فٹ اونچے ہیں، اِس قطعۂ آب کو شیلا کہتے ہیں، اور یہ جنوب مشرقی سمت میں گودِ زرہ تک چلا گیا ہے۔ گودِ زرہ جھیل زرہ کا ایک دوسرا طاس ہے، دریائے ہلمند کے زیرین حصہ میں جہاں دریا نے خم کھایا ہے اس خم کے بالکل جنوب میں واقع ہے۔ اِس گود میں طغیانی کے موسم میں جھیل زرہ کا زائد پانی جمع ہوتا ہے۔ گودِ زرہ طول میں مشرق سے مغرب تک سو میل اور عرض میں تیس میل ہے۔ دیکھو سائکس کی کتاب Persia صفحہ ۳۶۵ +

طول تیس فرسخ (سو میل) تھا۔ یہ طول قوہستان کے شہر کین سے سیستان
کی سرحدی چوکی تک پیمائش کرنے سے حاصل ہوا تھا۔ یہ چوکی قنطرۂ کرمان
کے قریب نرماشیر سے نرہا سیستہ جانے والی سڑک پر تیسری منزل تھی۔
جھیل کا عرض اتنا یا اس سے کم شمار ہوتا تھا جو ایک دن کے سفر یعنی ایک
مرحلے کے (جو تقریباً تیس میل کا ہوتا تھا) برابر ہوتا تھا۔ پانی اس جھیل کا میٹھا
تھا۔ تمام جھیل نرسل کے درختوں سے پٹی پڑی تھی، اور مچھلیاں اس میں
بکثرت تھیں۔ اس کے کناروں پر سوائے بادیہ کے سمت کے
فراہ میں کے بستیاں اور آباد قریے بکثرت تھے۔ ان بستیوں کے لوگ
مچھلیاں بکثرت پکڑتے تھے اور ان کو سکھا کر سودا کرتے تھے۔
جھیل زرہ میں زیادہ تر پانی ہلمند کے عظیم الشان دریا کا آتا
تھا۔ اس دریا کو یاقوت نے بالکل صحیح طور سے ہزار ندیوں والا دریا (۳۳۹)
لکھا ہے۔ اس نے اس کا نام ہندمند لکھا ہے۔ جسے ہیل مند بھی غالباً
کتابت کی غلطی کی وجہ سے لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس دریا کو
ہیرمند بھی کہتے تھے۔ چنانچہ مستوفی نے اس کا ذکر اسی نام سے
کیا ہے۔ مستوفی اسے آبِ زرہ یعنی (جھیل) زرہ کا دریا بھی لکھتا ہے۔
لیکن آج کل زیادہ تر ہلمند بولا جاتا ہے۔ اس بڑے دریا کا منبع اس
پہاڑی سلسلہ میں ہے جو غزنہ اور بامیان کے درمیان واقع ہے کہ
اور آج کل افغانستان کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن زمانۂ وسطےٰ میں
یہ علاقہ غور یا سلطنت غور کہلاتا تھا۔ جنوب مغربی راستہ اختیار کر کے
یہ دریا اس عریض وادی میں سے جو زمین داور کہلاتی تھی گزرتا ہوا شہر
بُست پہنچتا تھا۔ یہاں اس کے بائیں کنارے سے دریائے قندھار
اس میں ملتا تھا۔ دریائے قندھار اس علاقہ کو سیراب کرتا تھا جو
رُخج کہلاتا ہے۔ دریائے ہلمند کو اپنے گزر میں سجستان خاص کا جو شہر
سب سے پہلے ملتا تھا وہ بُست تھا۔ یہاں سے دریا میں نصف دائرہ کی
شکل میں ایک بڑا خم شروع ہوتا تھا۔ چنانچہ پہلے جنوب، پھر مغرب

پھر شمال کی طرف بہتا ہوا یہ دریا زرنج پہنچتا تھا۔ اور زرنج سے پھر مغرب کے رخ بہہ کر جھیل زرہ میں گر جاتا تھا۔

زرنج ایک مرحلہ یا تقریباً تیس میل رہ جاتا تھا کہ دریائے ہلمند کا پانی کئی بڑے بڑے بند باندھ کر آب پاشی کی ضروریات کے لئے روک دیا گیا تھا، اور یہیں پر دریا کے بڑے دھارے کا زیادہ تر پانی پانچ بڑی بڑی نہروں میں تقسیم ہوا تھا جو شہر زرنج اور جھیل زرہ کی طرف بہتی ہوئی گئیں تھیں۔ ان میں پہلی یا سب سے زیادہ جنوبی سمت والی نہر طعام تھی اور اس سے وہ زمینیں اور کھیت سیراب ہوتے تھے جو شہر زرنج کے باب الطعام کے باہر واقع تھے۔ باب الطعام کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ان ہی زمینوں کا ایک حصہ علاقہ نیشک میں شمار ہوتا تھا۔ نہر طعام کے بعد (نہر) باشتروذ تھی۔ تیسری نہر کا نام سناروذ تھا، جو زرنج سے ایک فرسخ ادھر ہی دریائے ہلمند کے بڑے دھارے سے نکلی تھی، اور زرنج کا پہنچنے کے لئے ندی کا راستہ تھی۔ چنانچہ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ سیلاب کے زمانہ میں ایک مسافر بست سے زرنج تک پورا راستہ کشتیوں سے طے کر سکتا تھا۔ چوتھی نہر جس سے تیس قرئے سیراب ہوتے تھے، نہر شعبہ اور پانچویں نہر میلا کہلاتی تھی۔ اس مقام سے آگے بڑھ کر دریائے ہلمند کے بڑے دھارے میں جتنا پانی رہ جاتا تھا وہ ایک رود میں چلا جاتا تھا جسے نہر کزک کہتے تھے۔ یہاں پھر آب پاشی کی غرض سے بند باندھ کر پانی روکا گیا تھا، اور صرف سیلاب کے زمانہ میں پانی اس بند کے اوپر سے بہہ کر براہ راست جھیل زرہ پہنچتا تھا۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۲۴۴ + ابن حوقل ص ۳۰۰، ۳۰۱ + مقدسی ص ۳۲۹ + یاقوت ج ۱ ص ۵۱۴ + ج ۴ ص ۲۷۲، ۹۹۲، ۹۹۳ + مستوفی ص ۲۱۶، ۲۲۴ + مقدسی نے جھیل زرہ کا نام بحیرۃ القفنات لکھا ہے لیکن غالباً یہ محض کتابت کی غلطی ہے +

(۳۴۰)

شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں کا بیان ہے کہ زَرَنج کا شہر قدیم ایرانی بادشاہوں کے عہد میں ابتداءً سجستان کا دارالحکومت نہ تھا، بلکہ اُن کا مستقر حکومت رام شہرستان کا شہر تھا جسے ابرشہریار بھی کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ریگ بیابان اس شہر کو پیوند خاک بنا چکی تھی۔ اس کے کھنڈر مع مکانات کے کچھ سالم حصوں کے البتہ اس صدی میں موجود تھے اور ریت میں سے نکلے ہوئے نظر آتے تھے۔ اس قدیم دارالحکومت (ابرشہریار) کا محل وقوع مبہم طور پر اس طرح بیان ہوا ہے کہ زرنج سے تین مرحلے کے فاصلے پر اس شہر سے کرمان جانے والے مسافر کے بائیں ہاتھ کو دارک کے قریب اور راسک کے بالمقابل ابرشہریار واقع تھا۔ دارک اور راسک دونوں مقامات ایسے ہیں جن کا حال معلوم نہیں۔ مصنفوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ قدیم زمانہ میں اس شہر کو دریائے ہلمند سے نکلی ہوئی بڑی نہر کا پانی پہنچتا تھا، اور اسی سے اس کے گرد و نواح کی زمینیں سیراب ہوتی تھیں۔ لیکن وہ بند جو دریائے ہلمند پر بندھا ہوا تھا، اور جس کی وجہ سے اس نہر میں پانی آتا تھا، ایک بارگی ٹوٹ گیا، اور دریا کے پانی نے نہر کو چھوڑ کر دوسرا راستہ مستقلاً اختیار کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پرانے شہر کے گرد و نواح کی تمام زمینیں بیابان ہو گئیں، اور تمام باشندوں نے وطن کو خیرباد کہہ کر زرنج کو جا بسایا۔

جھیل زرہ سے کسی قدر فاصلے پر مغرب کی طرف قوہستان کی سرحد پر اور بادیہ ایران (مفازہ) کے کنارے بنہ یا بنیہ کا شہر آباد تھا، جسے شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے سیستان کے شہروں میں[1] شمار کیا ہے۔ مقدسی کا بیان ہے کہ اس شہر کی فصیلیں اور دمدمے بہت مستحکم تھے،

---

(۱) مقدسی (ص ۳۰۶) نے بنہ کے متعلق صرف ایک سطر لکھی ہے اور وہ یہ ہے:— وبنہ علیہا حصن وبہا جامع بناؤھم من طین وشربھم اکثرہ من قنیٰ۔ نہ معلوم

اُس کے مکانات کچے بنے ہوئے تھے، اور پٹی ہوئی نہروں (قناتوں)
کے ذریعہ، جو پہاڑیوں سے لائی گئیں تھیں، شہر میں پانی پہنچتا تھا۔ زِہ کا
ذکر یاقوت اور مستوفی دونوں نے کیا ہے، لیکن کسی نے بھی سوائے
اِس کے کچھ اور تفصیل نہیں دی کہ اِس شہر کو شاہِ اردشیر بابکان نے
بسایا تھا۔ بہرکیف آج کل اُس کے بڑے قلعہ کی ٹوٹی ہوئی فصیلوں اور
دمدموں اور کھنڈروں سے، جو دور تک پھیلے نظر آتے ہیں، اس بات
کا پتہ چلتا ہے کہ عہد وسطےٰ میں یہ شہر بہت بڑا ہوگا۔[1]

اُن بڑے دریاؤں میں سے جو شمال کی طرف سے آکر جھیل زرہ میں
گرتے ہیں، ایک دریا ہے جسے آج کل بادوہ کہتے ہیں، اور جو علاقہ اسفزار (۳۴۱)
(ہرات کے سبزوار) سے نکلا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عرب جغرافیہ نویسوں
نے اِس کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ بہرکیف انہوں نے دریائے فرہ کا حال
لکھا ہے، جو علاقہ غور کے پہاڑوں سے نکلا ہے۔ وادی فرہ کے پہاڑی
علاقہ سے نیچے اترتے ہی صوبہ سجستان میں داخل ہوکر فرہ کے شہر سے
گزرتا تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ شہر مسطح زمین پر واقع تھا، اور

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۱۲) اس عبارت سے مصنف نے یہ مطلب کیسے نکالا کہ شہر کی فصیلیں اور
دمدمے بہت مستحکم تھے۔ مترجم)

(۱) اصطخری ص ۲۴۴ + ابن حوقل ص ۳۰۰ + مقدسی ص ۳۰۶ + یاقوت ج ۴ ص ۱۷۸۸ +
مستوفی ص ۱۴۳ + شہرستان کی جائے وقوع ٹھیک معلوم نہیں۔ سر ایچ رالنسن (Rawlinson)
نے (جے، آر، اے، ایس ۱۸۷۳ء ص ۲۷۴) اسے سرِ اِمروُد کے مقام پر، جس کے قریب ہی
سِیلا کا قلعہ اب شروع ہوتا ہے، بتایا ہے جہاں بڑے بڑے کھنڈر موجود ہیں۔ ان کھنڈروں
کو جنہیں غالباً آج کل شہر رستم کہتے ہیں، اے ایچ سیویج (Savage) نے بھی ایک
خاکہ کے اپنی کتاب Across the coveted Lands ج ۲ صفحہ ۲۷۰ میں بیان
کیا ہے۔ زِنَہ کے کھنڈروں کا حال میجر سائکس نے اپنی کتاب Persia
(صفحہ ۱۴۱۳) میں لکھا ہے۔

بڑا شہر تھا۔ اس کے مکانات کچے تھے اور ساتھ گاؤں اس کے اعمال میں شامل تھے جن میں مزروعہ زمینیں تھیں۔ میوے بہت پیدا ہوتے تھے خصوصاً کھجوریں۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ فرہ کے دو حصہ تھے ایک میں سُنی مسلمان رہتے تھے اور دوسرے میں خارجی۔ اس شہر سے جنوب میں ایک مرحلہ کے فاصلے پر دریائے فرہ پر ایک پل تھا جسے قنطرۂ فرہ (فارسی میں پل فرہ) کہتے تھے۔ اسی پل پر سے زرنج کو جانے والی سڑک دریا کو اس کے بائیں کنارے سے دائیں کنارے کی طرف عبور کرتی ہوئی گئی تھی۔ پل کے قریب ہی ایک شہر آباد تھا۔ شہر جُوَین سے شمال میں یہ پل چار دن کی مسافت پر تھا، اور ان دونوں کے وسط میں (ابن رستہ تحریر کے مطابق) ایک شہر تھا جسے کہن کہتے تھے۔ اس شہر سے مغرب کی طرف ایک فرسخ کے فاصلہ پر ریت کا ایک ٹیلہ تھا جس میں آواز کی عجیب کیفیتیں محسوس ہوتی تھیں۔ اس ٹیلے کی ریت پر اگر پانی یا کوئی چھوٹی چیز گرائی جاتی تھی تو ایک شور سا جیسے گرج ہوتی ہے سنائی دیتا تھا، اور اس کے سننے سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ البیرونی نے بھی، جس نے اپنی کتاب پانچویں (گیارھویں) صدی میں لکھی ہے اس عجیب ٹیلے کا ذکر کیا ہے۔ ریگ رواں میں آواز کی یہی کیفیت آج کل ریت کے ان ٹیلوں میں بیان کی جاتی ہے جو سیجستان اور قوہستان کے درمیان ایک ریگستان قائم کرتے ہیں۔ زمانہ حال کے شہر لاش جوین کا حال، جسے دوہرا شہر کہنا چاہیے، اور جو آج کل بہت بڑا مقام ہے، مقدسی نے کوین (فارسی: گوین) کے نام سے لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ ایک چھوٹا اگر خوب متعصن شہر تھا۔ اس میں جامع مسجد نہ تھی کیونکہ یہاں کے تمام باشندے خارجی تھے۔ مقدسی کے سوا زمانہ وسطیٰ کے اور مصنف اس مقام کا حال سوائے اس کے کچھ نہیں لکھتے کہ سڑک کے کنارے وہ ایک منزل کی حیثیت رکھتا تھا۔ شہر لاش کا نام کہیں نہیں آیا۔

جُوین اور زرنج کے تقریباً بیچ میں بڑی سڑک ایک نہر کے پل پر سے گزرتی تھی۔ اُس نہر میں پانی اُس وقت آتا تھا جب کہ دریائے ھلمند لغیانی پر ہوتا تھا۔ پل سے چند فرسخ جنوب کی طرف کرکویہ کا بڑا شہر واقع تھا۔ یہ شہر زرنج سے شمال میں ایک منزل تھا، اور جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے، زرنج کے شمالی دروازے کا نام اسی مشہر کے نام پر باب کرکویہ تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ کرکویہ میں خارجی آباد تھے، یہاں بہت سے زاہد و عابد رہتے تھے۔ لیکن یہ شہر خاص کر ایک آتشکدہ کی وجہ سے مشہور تھا۔ ایران کے مجوسی اُس کا بہت احترام کرتے تھے (۲۴۲) ساتویں (تیرھویں) صدی کے آخری حصے میں قزوینی نے اس آتشکدہ کا حال مفصل لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اس عمارت پر دو گنبد تھے۔ اِن کی نسبت مشہور تھا کہ وہ ایران کے قومی ہیرو رستم کے افسانوی زمانہ کے بنے ہوئے تھے۔ ہر ایک گنبد پر ایک ایک سینگ ایسے رُخ سے نصب کیا تھا کہ دونوں گنبد کے سینگوں کو دیکھئے تو بیل کے سر کے سینگ معلوم ہوتے تھے۔ یہ رُستم کے تبرکات میں شمار ہوتے تھے اِن دونوں گنبدوں کے نیچے آتشکدہ تھا، جہاں آتش پاک کو کبھی بجھنے نہیں دیا گیا تھا۔ اِس کے لئے ایک موبد متقرر تھا۔ جب وہ چلا جاتا تھا تو دوسرا فوراً اُس کی جگہ حاضر ہوجاتا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ آگ سے بیس ہاتھ دور کھڑا رہے، اور منہ پر کپڑا باندھا ہوتا کہ اُس کے سانس سے آگ نجس نہ ہوجائے، اور جھاؤ کی لکڑی کے ٹکڑے ایک ایک بالشت کے چاندی کے چمٹے سے پکڑ کر آگ میں ڈالتا رہے، تاکہ آگ برابر جلتی رہے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ یہ آتش کدہ مجوسیوں کے اُن آتشکدوں میں سے تھا جن کا وہ سب سے زیادہ احترام کرتے تھے کرکویہ سے قریب، زرنج سے تین فرسخ کے فاصلے پر کُوہ نک[1] کا شہر تھا۔ یاقوت

---

[1] یاقوت (مطبوعہ مصر۔ ج ۷۔ ص ۲۴۷) نے اس کا تلفظ کُوکُنک لکھا ہے۔ مترجم)

نے لکھا ہے کہ اسے بالعموم کُوسُون کہا جاتا تھا، اور اسی کُرکُوئن کے نام سے یہ شہر اب تک موجود ہے۔ یاقوت کا بیان ہے کہ یہ ایک خوشگوار مقام تھا، بہت سی نہریں یہاں پائی جاتی تھیں اور زیادہ تر خارجی پارچہ باف یہاں آباد تھے[1]۔

دریائے خاش، یا خَواش یا خُواش[2]، دریائے فَرَہ اور دریائے ہلمند کے بیچ سے گزرتا ہوا جھیل زرہ میں گرتا ہے۔ ابن حوقل نے اس دریا کا نام نہر نیشک لکھا ہے، نیشک اس معمور مقام کا نام تھا جو زرنج کے بالکل مشرق میں واقع تھا، اور اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اسی علاقہ

[1] ابن رستہ ص ۱۷۳ + آواز پیدا ہونے والے ریت کے ٹیلے کے متعلق دیکھو البیرونی کی کتاب آثار الباقیہ۔ (عربی متن۔ ص ۲۴۶؛ انگریزی ترجمہ۔ مترجمہ زخاؤ۔ ص ۲۳۵) + زمانۂ حال کے ریت کے ٹیلے کے متعلق جس سے "چنگ ایولی کی طرح کی آوازیں نکلتی ہیں"۔ دیکھو سر الیف، گولڈسمڈ (Goldsmid) کی کتاب ایسٹرن پرشیا ج ۱ صفحہ ۳۲۶ + اس مصنف نے اس عجیب ٹیلے کو دیکھا تھا۔ یہ مقبرہ امام زاید کے قریب قلعہ کاہ سے پانچ میل مغرب میں واقع ہے۔ اصطخری ص ۲۴۴ + ابن حوقل ص ۳۰۲، ۳۰۴ + مقدسی ص ۳۰۶، ۳۲۹ + مستوفی ص ۲۱۵ + قزوینی ج ۲۔ ص ۱۶۳ + یاقوت ج ۳۔ ص ۴۲۲، ۸۸۸ + ج ۴۔ ص ۲۶۳، ۲۶۹ + کوکویہ کی جائے وقوع غالباً اُن وسیع کھنڈروں میں تلاش کرنی چاہئے جو پیشاوران کے جنوب میں واقع ہیں۔ یہاں دو محرابوں کا ایک پرانا پل ہے جسے تخت پل کہتے ہیں۔ (مقابلہ کرو سر الیف، گولڈسمڈ Goldsmid کی کتاب Eastern Persia ۔ص ۳۱۵ سے) + بییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan ص ۱۱۸ + کرکویہ کے آتش کدہ کو مجوسی ہیلنبو کرکُو کہتے تھے (یونانیوں اور رومیوں کے علم الاصنام کے مطابق ایولس (Aeolus) ہوا کا دیوتا تھا۔ چنگ ایولی ایسے چنگ کو کہتے ہیں کہ جب ہوا اُس کے تاروں پر لگتی ہے تو تاروں سے خود بخود آواز نکلنے لگتی ہے۔ مترجم)

[2] اس علاقہ میں کم از کم تین مقامات ایسے تھے جن کا نام خُواش یا اُس سے ملتا جلتا تھا۔ تفصیل یہ ہے کہ:۔ (۱) موجودہ زمانہ کا ایک دریا اور شہر جسے خاش کہتے ہیں + (۲) جبل قفص میں ایک شہر جس کا نام یہی ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۱۷) (۳) صوبہ مکران کا خواش (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۳۰) +

کے نام پر زرنج کے مشرقی دروازے کا نام رکھا گیا تھا۔ دریائے خاش بھی علاقہ غور کے پہاڑوں سے نکلتا ہے خواش کا شہر اُسی کے کنارے زرنج سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ خواش اُس علاقہ کا سب سے بڑا شہر تھا، اور یہاں کی کھجوریں مشہور تھیں۔ ساتویں (تیرھویں) میں جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو شہر کے نام کا تلفظ خاش ہونے لگا تھا۔ یہی تلفظ آج کل بھی ہے۔ خواش سے چھوٹا لیکن اس علاقہ کا سب سے زیادہ مشہور شہر قرنین یا القرنین تھا، جہاں خاندان صفاریہ کے دو بادشاہ یعقوب بن لیث اور عمرو بن لیث پیدا ہوئے تھے۔ قرنین بادیہ ایران کی سطح زمین پر خواش کے شمال مغرب میں اُس سے ایک مرحلہ کے فاصلے پر، فرہ جانے والی سڑک کے کنارے واقع تھا۔ ابن خرداذبہ نے لکھا ہے کہ یہاں کے لوگ اُس مقام کے کچھ بچے کچے نشانات دکھاتے تھے جہاں رستم کا گھوڑا بندھا کرتا تھا۔ مقدسی کا بیان ہے کہ قرنین ایک چھوٹا سا مگر خوب متحصن شہر تھا، اور ایک ندی شہر میں سے بہتی ہوئی نکلتی تھی شہر میں ایک جامع مسجد تھی، اور شہر کے باہر بستیاں [ربض] تھیں۔ مستوفی نے بھی قرنین کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اُس کے گرد و نواح کی زمینوں میں غلہ اور میوہ پیدا ہوتا تھا، اور یہ زمینیں بہت زرخیز تھیں۔

قرنین اور فرہ کے بالکل بیچ میں جزہ کا چھوٹا سا شہر تھا، جو وسعت میں تقریباً قرنین کے برابر تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ بہت سے گاؤں اور خرمن گاہ جزہ کے اعمال میں شامل تھے۔ وجہ یہ تھی کہ شہر بڑے زرخیز علاقہ میں تھا اور بہتی ہوئی نہروں سے زمین خوب سیراب ہوتی رہتی تھی۔ شہر کے مکانات کچی اینٹوں کے تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اُس کے زمانہ میں عام طور پر اس شہر کو گزہ بولتے تھے علاقہ جو دریائے خواش کے کناروں سے ملا چلا گیا تھا علاقہ نیشک کہلاتا تھا، اور جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے چوتھی (دسویں) صدی میں خوب آباد تھا۔ خرودی ایک

معمور تر یہ "سلطان کی ملک سے تھا"۔ یہ گاؤں اب تک موجود ہے اور خَواش کے جنوب میں دریا کے کنارے اُس جگہ واقع ہے جہاں بُسْت سے آنے والی سڑک پختہ اینٹوں کے بنے ہوئے ایک پل پر سے دریائے خواش کو عبور کرتی ہے۔ سَرُوَزَن کا گاؤں نَرَایَج جانے والی سڑک پر دوسرا پڑاؤ تھا، اور حَرُوْرِی اور سَرُوَزَنْ کے درمیان زَانبُوق نہایت مُتخصن قصبہ تھا، جسے مقدسی نے وسعت میں جُوَیْن کے برابر بتایا ہے۔

نَرَایَج سے شمال میں ایک دن کی مسافت پر الطَّاق (یعنی محراب) کا بڑا شہر آباد تھا، لیکن سیاحت ناموں میں اس کا صحیح موقع بیان نہیں ہوا یہ شہر بہت آباد تھا، اور مقدسی نے لکھا ہے کہ اس کے قریب کے قریوں میں انگور بہت پیدا ہوتا تھا[1]۔ ابوالفدا نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابن سعید کی عبارت نقل کی ہے کہ یہ مقام جسے اُس نے حصن الطَّاق لکھا ہے، ایک بلند پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا، اور یہ پہاڑی دریائے ھَلْمَنْد کے ایک خم پر تھی، جہاں دریا کا بڑا دھارا اپنی نہریں نَرَایَج کی طرف جاری کرنے کے بعد آخری مرتبہ مغرب کی طرف مڑ کر بہتا ہوا جھیل زَرَہ میں گر جاتا تھا۔ (۲۴۴) الطَّاق اور قلعہ یا حصن زَرَہ کے متعلق بیان ہوا ہے کہ نَرَایَج پر حملہ آور ہونے سے بہت قبل تیمور ان کو فتح کر چکا تھا۔ مسلمانوں کی ابتدائی فتوحات کے زمانہ میں اس علاقہ کے ایک اور قلعہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے جس کا نام زَالِق تھا۔ بیان ہوا ہے کہ یہ قلعہ کَرکُویہ اور نَرَایَج دونوں سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر تھا[2]۔ اس سے زیادہ اِس قلعہ کی نسبت اور کچھ معلوم نہیں

---

(1) مقدسی (ص ۳۰۶) نے الطَّاق کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے: اَلطَّاق صَغِیْرَۃٌ کثیرۃ الاعناب واسعۃ الرُّستاق (مترجم)۔

(2) بلاذری ص ۳۹۳ + ابن حوقل ص ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴ + خُرداذبہ ص ۵۰ + مقدسی ص ۳۰۶ + یاقوت ج ۲ ص ۲۸ + ج ۴ ص ۲۷۶ + مستوفی ص ۱۸۵ + ابوالفدا ص ۳۴۳ + علی یزدی ج ۱ ص ۳۷۰ +

اور بعد کے زمانہ کے مصنفوں نے تو اس کا مطلق ذکر ہی نہیں کیا۔

بُسْت تقریباً نَاہِ نَیج ہی کے عرض البلد میں واقع ہے، اور نَاہِ نَیج سے جو سیدھی سڑک بُسْت کو گئی ہے وہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا بالکل مشرق کی سمت میں حَرُوْرِی سے گزرتی ہوئی بادیہ کو طے کرتی ہے۔ بہرکیف (بُسْت کے قریب سے) دریائے ھَلْمَنْد نے سمت جنوب میں خم نصف دائرے کی شکل میں اختیار کیا ہے، جس کی وجہ سے دریا کے رہگزر کا طول دوچند ہوگیا ہے، اور نصف خم ختم ہونے پر دریا کے کنارے رُود بار کا شہر واقع ہے۔ بلاذری نے مسلمانوں کی پہلی فتوحات کے زمانہ میں غالباً اسی شہر کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اُس نے اُس شہر کا نام لیا ہے جسے الرُّوْذْبار سجستان کہتے تھے، اور جو قندھار کی سمت میں واقع تھا۔ اسی الرُّوْذْبار کے قریب کِشّ (یا کِس) واقع تھا؛ غالباً یہ وہی مقام ہے جب آج کل کاج یا کھیچ کہتے ہیں اور جہاں کہیں رُوْدْبار کا ذکر عرب جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے وہ محض ضمناً ہے۔ غالباً یہ وہی رُوْدْبار ہے جسے اصطخری نے بُسْت کے قریب علاقہ فیروز قند کا شہر لکھا ہے، جہاں مزارع اور کاشت کی زرخیز زمینیں تھیں۔ لیکن جو چیز یہاں سے خاص طور پر وساطت کی جاتی تھی وہ نمک بیان ہوئی ہے۔ اسی نواح کا ایک دوسرا مقام الزَّالِقان تھا، جس کا الاصل لِقان یا جالِقان بھی کہا جاتا ہے۔ ابن حوقل نے اسے بُسْت سے ایک مرحلہ لکھا ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ بُسْت سے اس کی سمت کیا تھی۔ سفرناموں میں الزَّالِقان کا نام نہیں پایا جاتا۔ اس شہر میں زیادہ تر پارچہ باف بستے تھے، لیکن شہر کے گرد وسیع اور زرخیز زمینیں تھیں، جنھیں متعدد نہریں سیراب کرتی تھیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں الزَّالِقان وسعت میں قرنین کے تقریباً برابر تھا۔

بُسْت (یا بَسْت) دریائے ھَلْمَنْد کے کنارے جہاں اُس دریا کا اتصال علاقہ قندھار والے دریا سے ہوا ہے واقع تھا، اور ہمیشہ

وہ ایک بڑا شہر سمجھا گیا ہے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس کے دروازے پر کشتیوں کا ایک پل انہی پلوں کی وضع کا ہو جیسے کہ عراق میں پائے جاتے تھے موجود تھا۔ زرنج سے جو سڑک آتی تھی وہ اس پل پر گزرتی تھی چوتھی (دسویں) صدی میں بُسْت وسعت کے لحاظ سے صوبہ سَجستان کے شہروں میں دوسرے درجے کا شہر تھا۔ یہاں کے رہنے والے خوشحال تھے اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ عراق والوں کا سالباس پہنتے تھے اور ان میں اکثر ہندوستان سے تجارت کرنے والے سوداگر تھے۔ گرد ونواح کی اراضی نہایت زرخیز تھیں، جن میں کھجور اور انگور پیدا ہوتا تھا۔ (۳۴۵)
بُسْت مشرقی سَجستان کے پہاڑی مُلک کا جس میں زمین داور شامل ہے، سب سے بڑا شہر سمجھا جاتا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر اور اس کا علاقہ جس کے گرد وسیع بستیاں تھیں، دریائے خاشرود (موجودہ آرگنداب) اور دریائے ہِلمند (ھلمند) کے مقام اتصال سے ایک فرسخ شمال میں واقع تھا۔ اس میں ایک عمدہ جامع مسجد تھی اور بازاروں میں مال تجارت افراط سے تھا۔ اس سے نصف فرسخ کے فاصلے پر زرنج کو جانے والی سڑک پر العسکر تھا؛ اس کی تعمیر مثل ایک چھوٹے شہر کے ہوئی تھی، اور سلطان یہاں سکونت رکھتا تھا۔
ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت لکھتا ہے کہ بُسْت بالکل ویران ہو چکا ہے اس نے یہاں کے باغوں کی کثرت کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک گرم مقام تھا آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور نے زرنج سے یہاں آیا تھا اس شہر اور اس کے گرد و نواح کے علاقہ کو تاخت وتاراج کیا، اور راستہ میں دریائے ہلمند کے بڑے بندوں میں سے ایک بند کو، جو بندِ رستم کہلاتا تھا، مسمار کرا دیا۔ اس بند کی وجہ سے پانی کا وہ خزانہ قائم تھا جس سے تمام مغربی سیستان کی اراضی میں آب پاشی کے لئے پانی لیا جاتا تھا۔
کوہ ہندوکش سے گزرنے کے بعد جب عریض وادی سے دریائے

ہَلمَند گذرتا ہوا بُست پہنچتا ہے اُسے عرب جغرافیہ نویس زمین داور لکھتے ہیں، اور آج کل بھی اس علاقہ کا یہی نام ہے۔ یہ عربی نام ارض الداور یا بلد الداور کا فارسی مترادف ہے، اور اس کے معنی دروازوں کی زمین کے ہیں، یا دروں کی زمین کے جن سے پہاڑوں میں داخل ہوتے تھے۔ زمانہ وسطیٰ کے دوران میں یہ ایک زرخیز اور بہت آباد علاقہ تھا۔ اور اُس کے چار بڑے شہر تھے یعنی: تَاتِلْ (۲) دَرغَش (۳) بغنین (۴) شَروَان۔ بہت سے گاؤں اور مزارع بھی اس میں تھے زمین داور کا صدر مقام دُرتَل یا دُرتل یا جیسا کہ اصطخری نے لکھا ہے، تَل تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مقام ہے جس کا ذکر مقدسی نے دَاوَر کے نام سے کیا ہے۔ یہ ایک عمدہ اور بڑا شہر تھا، اور اس میں ایک قلعہ تھا، جس میں سواروں کی فوج رہتی تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں فوج کا قیام یہاں اس وجہ سے رہتا تھا کہ اس زمانہ میں غور کو جو ہٹ گئی تھی اُس کے کنارے یہ ایک سرحدی قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ تل دریائے ہَلمَند کے کنارے بُست سے تین مرحلہ شمال میں واقع تھا۔ سلمانوں کی پہلی فتوحات کے حالات میں بیان ہوا ہے کہ اس شہر کے قریب ایک پہاڑ جَبَل الزُّور واقع تھا جہاں ہُردیازون کا بہت بڑا بت مسلمانوں کو (۳۴۶) غنیمت میں ملا تھا۔ یہ بت بالکل سونے کا تھا اور اُس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں۔

دریائے ہَلمَند کے چڑھاؤ کے رُخ ایک مرحلہ کے فاصلے سے دریا کے اسی کنارے پر جس پر دَرتَل تھا، شہر دَرغَش آباد تھا: اور دَرتَل کے مغرب میں ایک مرحلہ کے فاصلے پر بَغنین اُس علاقہ میں تھا، جہاں قبائل بُشلنگ کے ترک آباد تھے۔ ان ہی میں قبیلہ خلج بھی رہتا تھا، اِن خلجی ترکوں نے بعد کو مغرب کی طرف نقل مکان کیا۔ لیکن ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ یہ لوگ اپنی زندگی بہت قناعت سے زمین داور کے علاقہ میں بسر کرتے تھے،

اور وسیع قطع تو کوں کی رکھتے تھے۔ زمین داور کا پانچواں شہر خواش تھا (اس نام کا املا وہی ہے جو دریائے خواش کے کنارے والے شہر کا ہے، جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے)۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ خواش کے گرد فصیل نہ تھی، لیکن اُس کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا۔ افسوس ہے کہ اس شہر کا موقع بیان نہیں کیا گیا، لیکن بعض مصنف اُسے کابل کے اعمال میں شمار کرتے ہیں۔

بُست اور دَرْتَل کے درمیان اور دَرْتَل سے جنوب میں ایک مرحلہ کے فاصلہ پر سَرْوان یا شَرْوان کا شہر تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دریائے ہلمند کے کنارے نہ تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ شروان وسعت میں قرنین کے برابر تھا، لیکن آبادی اور ثروت کے لحاظ سے اُس سے بڑھا ہوا تھا۔ میوہ خصوصاً کھجور اور انگور بکثرت سروان اور فیرُوز قَنْد کے علاقوں سے باہر بھیجا جاتا تھا۔ علاقہ فیرُوز قند علاقہ شروان کے جنوب میں بُست سے ایک مرحلہ مشرق کی طرف تھا۔[۱]

علاقہ رُخَّج، جو قندھار کے گرد و نواح کا ملک تھا، بُست کے مشرق میں اِن دریاؤں کے کنارے پھیلا تھا، جو آج کل ترنک اور ارغنداب کہلاتے ہیں۔ زمانہ وسطیٰ میں رُخَّج کا صدر مقام پنجوے تھا، جو فارسی الفاظ پنج وائے (یعنی پانچ دریا) کی معرب شکل ہے، اور یہی نام اِس علاقہ کا اب تک ہے جو قندھار کے مغرب

---

[۱] بلاذری ص ۳۹۴ + اصطخری ص ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۸ + ابن حوقل ص ۳۰۳، ۳۰۴ + مقدسی ص ۳۰۵ + یاقوت ج ۲۔ ص ۱۴۵ + ج ۴۔ ص ۲۲۰ + زمین داور کے اِن شہروں میں سے اب کوئی بھی باقی نہیں ہے، لیکن قیاس ہوتا ہے کہ دار الحکومت دَرْتَل قریب قریب اُسی جگہ واقع ہوگا جہاں آج کل گِرِشْک کا شہر ہے۔

میں دریائے ترنک اور دریائے ارغنداب کے اتصال کے قریب ہے۔ پنجوائی کا علاقہ زمانہ وسطیٰ میں بے انتہا زرخیز تھا اور یہاں سے اون بہت افراط سے باہر بھیجی جاتی تھی جس سے سرکاری خزانہ کو بڑی آمدنی تھی۔ شہر بنجوے کے موقع کا تعین کرنا مشکل ہے۔ یہ بڑی سڑک پر بست سے چار مرحلوں کے فاصلہ پر اُس جگہ واقع تھا جہاں سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں، جن میں سے ایک شاخ شمال کی طرف بارہ مرحلہ طے کرنے کے بعد غزنہ اور دوسری شاخ مشرق کی طرف چھ مرحلوں کے بعد سیبی پہنچتی تھی۔ غالباً بنجوے قندھار سے کچھ دور نہ تھا، لیکن دونوں شہروں کا درمیانی فاصلہ کہیں بیان نہیں ہوا ہے۔ شہر بنجوے سے ایک فرسخ مغرب میں کوہک (تصغیر کوہ) نام ایک قلعہ تھا، اور اس قلعہ کے گرد ایک شہر تھا۔ شہر بنجوے کی فصیلیں اور مورچے بھی مستحکم تھے اور اس شہر میں ایک خوشنما مسجد بھی تھی۔ پانی شہر کو قریب کے ایک دریا سے ملتا تھا۔ (۳۴۷)

بنجوے سے ایک مرحلہ آگے سیبی کی سڑک پر بکراواز کا شہر تھا (جو اصل میں بکراباد ہے۔ اصطخری اور ابن حوقل نے اسے تکین آباد لکھا، جو غالباً کتابت کی غلطی ہے)۔ یہاں شہر کے بازار میں ایک جامع مسجد تھی، اور شہر ایک ندی پر واقع تھا، جو دریائے قندھار میں جا گرتی تھی۔

ہندوستان کی سرحد کے قریب جن مقامات کو مسلمانوں نے شروع میں فتح کیا ان کے حالات میں قندھار (یا القندھار) کے شہر کا ذکر اکثر آتا ہے۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ بادیہ ایران کو طے کرنے کے بعد سجستان سے مسلمان یہاں پہنچے تھے اور انھوں نے دریا کی طرف کشتیوں میں بیٹھ کر اس شہر پر حملہ کیا تھا اور البد کے بڑے بت کو، جو غالباً مہاتما گوتم بدھ کا بت تھا، توڑا تھا۔

اِس زمانہ کے بعد مقدسی، ابن رستہ اور یعقوبی کی تصانیف میں قندہار کا ذکر اتفاق سے کہیں آجاتا ہے، اور وہ اِس کو بالعموم ہند کی سرحد کا ایک شہر لکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ شروع زمانہ کے کسی سیاحت نامہ میں قندہار کا ذکر نہیں ہوا۔ صوبہ سجستان کے باقاعدہ حالات جو اصطخری اور ابن حوقل نے لکھے ہیں اِن میں اِس شہر کا نام تک نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ زمانہ وسطیٰ کے شروع میں قندہار کی جگہ بُست ہی کو حاصل رہی ہو، کیونکہ یاقوت نے قندہار کے شہر کا حال مطلق نہیں لکھا۔ مسلمانوں کی پہلی فتح کے بعد اِس شہر کا ذکر اِس زمانہ کے تاریخی حالات میں آتا ہے جب کہ پہلی مرتبہ مغلوں نے ساتویں (تیرھویں) صدی کے اوائل میں اور دوسری مرتبہ تیمور نے آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں اُس کو تاراج کیا ہے[۱]۔

سِیبی کے گرد نواح کے علاقہ کا نام عرب جغرافیہ نویسوں نے بالِس اور بشکل دیگر بالِش یا والِشتان لکھا ہے۔ اصطخری کی تحریر کے مطابق اِس علاقہ کا صدر مقام سِیبی تھا جس کا املا سِیوِی یا سِیوَہ بھی کیا جاتا ہے لیکن علاقہ کا حاکم بالعموم القصر (یعنے قلعہ) میں سکونت رکھتا تھا۔ یہ اَلقصر ایک چھوٹا سا شہر اَسفَنجاء یا اَسفَنجوَیہ کے مقام سے ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ اَسفَنجاء اِس علاقہ میں دوسرے درجے کا شہر تھا۔ اِس کا صحیح موقع اب تک دریافت نہیں ہوا۔ صرف اِس قدر معلوم ہے کہ وہ

---

[۱] بلاذری ص ۴۳۴، ۴۴۵ + اصطخری ص ۲۴۴، ۲۵۰ + ابن حوقل ص ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۵ + مقدسی ص ۲۹۷، ۳۰۵ + یاقوت ج ۴۔ ص ۳۳۱+ علی یزدی ج ۱۔ ص ۲۷۶ + ڈاکٹر ایچ۔ ڈبلیو بیلیو (Bellew) کی کتاب From the Indus to the Tigris ص ۱۶۰+

سِیبی کے شمال میں علاقہ رُخّج کے شہر بَنجُوَے کو جانے والی سڑک پر سِیبی سے دو مرحلہ کے فاصلے پر آباد تھا۔ مُسلنگ یا مُستنج کے شہر کا ذکر بھی اصطخری اور مقدسی نے کیا ہے اور انھوں نے اس علاقہ کے بہت سے قریوں کے نام بھی گنوائے ہیں۔ بیان ہوا ہے کہ اس علاقہ میں دو ہزار دو سو گاؤں تھے لیکن ان میں سے کسی کا تفصیلی حال بیان نہیں ہوا۔[1]

(۳۴۸)

غَزنَہ یا غَزنِین کی شہرت تاریخ میں چوتھی صدی ہجری کے آواخر (یعنی گیارھویں صدی عیسوی کے اوائل) میں سلطان محمود غزنوی کے دار السلطنت ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ یہ سلطان ایک زمانہ میں مشرق میں ہندوستان اور مغرب میں بغداد دونوں کا مالک تھا۔ افسوس ہے کہ غَزنَہ کے اس وقت کے حالات ہم تک نہیں پہونچے جب کہ سلطان محمود نے ہندوستان پر حملے کر کے اس کے مال غنیمت سے اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا اور زیب و زینت بخشی۔ اس زمانہ سے ایک پشت قبل اصطخری نے لکھا ہے کہ غَزنَہ بامیان کی مثل تھا جہاں عمدہ ندیاں تھیں اور باغ کم تھے۔[2] اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نواح [نواح بلخ] کا کوئی شہر سوداگروں اور مال تجارت کے لحاظ سے اتنا دولتمند نہ تھا جتنا کہ غَزنَہ تھا کیونکہ یہ شہر ہندوستان کا "بندرگاہ" [فرضۃ الهند] تھا۔ مقدسی نے ایک لمبی فہرست ان علاقوں اور شہروں کی نقل کی ہے جو غَزنَہ کے اعمال میں شامل تھے لیکن ان میں سے اکثر نام ایسے ہیں کہ جن کو آج کل کے کسی مقام سے مطابق کرنا ناممکن ہے۔ اس مصنف نے شہر کا نام بصیغہ تثنیہ غَزنِین لکھا ہے،

---

[1] اصطخری ۲۷۹، ۲۴۴؛ ابن حوقل ص ۳۰۱؛ مقدسی ص ۲۹۷؛

[2] اصطخری ص ۲۸۰، نے لکھا ہے کہ غزنہ میں نہ تو باغ تھے اور نہریں۔ اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں "لا بساتین لها ولا نهر"؛ (مترجم)؛

لیکن یہ نہیں لکھا کہ اِن "دوغزنیون" سے اُس کی مراد کون سے دو شہر تھے۔ بہرکیف بعد کے زمانہ میں بجائے غَزْنَہ کے زیادہ تر غزنین ہی استعمال ہوا ہے۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ غزنین اور کابل کے درمیان کا علاقہ کابِلسْتان کہلاتا تھا۔

سلطان محمود جب ہندوستان سے مالِ غنیمت لے کر واپس آیا تو ۴۱۵ھ (۱۰۲۴ء) میں اُسی دولت سے اُس نے غَزْنَہ کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ پھر یہ شہر شان و شوکت میں اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گیا۔ اُس کی یہ حالت ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک قائم رہی۔ ۵۴۵ھ (۱۱۵۰ء) میں سلطان علاء الدین غوری الملقب بہ جہان سوز نے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے" جسے سلطان بہرام شاہ غزنوی نے قتل کرا دیا تھا" غَزْنَہ کو حملہ کر کے فتح کیا اور لوٹ کر جلا ڈالا۔ اِس حادثہ کے بعد غزنہ پھر کبھی نہ پنپا۔ سلطان محمود کا مقبرہ جو مسجد میں تھا، اُس کو اُس وقت بچا لیا گیا، اور مابعد کو اُس کی درستی کی گئی۔ بہرکیف آٹھویں (چودھویں) میں ابن بطوطہ نے اِس مقبرہ کو دیکھا تھا، یہ سیاح لکھتا ہے کہ اِس وقت غَزْنَہ کا بہت بڑا حصہ ویران ہے، حالانکہ کسی زمانہ میں وہ ایک عظیم الشان شہر تھا۔ اس کے ہم زمانہ مستوفی کا بیان ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، اور بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کی آب و ہوا سرد تھی۔ لیکن اس نے کوئی تفصیل ایسی نہیں دی جو قابلِ ذکر ہو۔[1]

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ، دریائے ہَلمَنْد اور دریائے

(۳۴۹)

[1] اصطخری ص ۲۸۰ + ابن حوقل ص ۳۲۸ + مقدسی ص ۲۹۶، ۲۹۷ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۸۸ + مستوفی ص ۱۸۴ + افسوس ہے کہ عتبی نے محمود غزنوی کی تاریخ میں دارالسلطنت کا مفصل حال بالکل نہیں لکھا۔ دیکھو سر ایچ یول (Yule) کا مضمون غَزْنَہ پر مندرجہ Encyclopaedia Britanica (اشاعت نہم) ج ۱۰۔ ص ۵۶۰۔ اس مضمون میں شہر کا ایک نقشہ بھی ہے۔

تندہار کے بالائی حصوں کے پہاڑی علاقہ کو عرب زابلستان کہتے تھے۔ اس لفظ کے معنی مبہم ہیں، لیکن زابلستان سے بالمخصوص وہ علاقہ مراد لیا جاتا ہے جو غزنہ کے گرد واقع تھا۔ اس کے مقابل کابلستان یعنی کابل کا ملک تھا، جو زیادہ شمال میں بامیان کی سرحد پر واقع تھا۔ یہی تقسیم ہے کہ جو تیموری فتوحات کی تاریخوں میں ملتی ہے تیسری (نویں) صدی میں یعقوبی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی زمانہ سے کابل میں سوداگر بکثرت آنے لگے تھے۔ اور یہاں سے کابلی اہلیلج یعنی اہلیلج کابلی، لے کر اپنے ملکوں کو جاتے تھے۔[1] یعقوبی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں کابلستان کا بڑا شہر جُرُوس کہلاتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری نے اس کا نام طابان لکھا ہے، مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ کابل کا نام بھی عام طور پر مستعمل تھا لیکن زیادہ تر مراد اس سے کابل کا علاقہ ہوتا تھا نہ کہ شہر۔

یہاں ایک مشہور قہندز یا قلعہ تھا، اور شہر جس میں جانے کا

---

[1] کابلی اہلیلج کا مترادف مصنف نے انگریزی میں لفظ مائروبلن (Myrobalon) لکھا ہے، اور اس کی شرح حسب ذیل کی ہے:- زمانہ وسطیٰ میں (یورپ میں) مائروبلن سے مراد چند کسیلے ذائقہ کے خشک پھل اور پھلوں کے مغز ہوتے تھے یہ سب پھل ہندوستان سے یورپ میں لائے جاتے تھے۔ اُس زمانہ کی دواؤں میں ان کی آمیزش بہت پر تاثیر سمجھی جاتی تھی۔ مائروبلن کا لفظ یونانی الاصل ہے ہندوستان کے جو پھل اس مرکب میں پڑتے تھے وہ مختلف قسم کے ہوتے تھے۔ بہترین مائروبلن کی اقسام میں سے وہ قسم تھی جسے کیبولک (یعنی کابلی) کہتے تھے۔ عربوں نے اس دوا کا نام (جو بجائے پھل کے اب دوا کا حکم رکھتی تھی)۔ اہلیلج یا ہلیلج رکھا تھا ابن بیطار نے اپنی کتاب قاموس الادویہ (مصحح ڈاکٹر ہے، سونتھیمر ج ۱۔ ص ۱۶۳ و ج ۲۔ ص ۲۰۷ ۵) میں اس دوا پر دو مضامین لکھے ہیں اس کے علاوہ دیکھو ڈوزی کی کتاب Supplement aux Dictionnaires Arabes مضمون اہلیلج اور Glossary.

صرف ایک راستہ تھا، مورچوں اور دموں سے خوب مستحکم تھا۔ یہ مقام ہندوستان کے مال کی بڑی تجارت گاہ تھا، اور یہاں دس لاکھ دینار (یعنی تقریباً پچیس لاکھ روپیہ) سالانہ کا نیل ہندوستان سے لایا جاتا تھا تاکہ دوسرے ملکوں کو وساور کیا جائے۔ اس کے علاوہ ہندوستان اور چین کی اور بہت سی قیمتی چیزیں یہاں ذخیرہ کی جاتی تھیں۔ چوتھی (دسویں) صدی ہی سے یہ کیفیت تھی کہ کابل میں مسلمانوں، یہودیوں اور بت پرستوں کے رہنے کے محلے الگ الگ تھے، اور شہر کے باہر کی بستیاں، بازار، اور سوداگروں کے انبارخانے سب بہت شہرت رکھتے تھے۔ مقدسی نے یہاں کے قلعہ میں ایک عجیب و غریب کنوئیں کا ذکر کیا ہے۔ اِس مصنف کی نظروں میں کابل بالکل ہی الہلیلج کا مُلک [بلد ھلیلج الرفیع] تھا۔ کابلستان کو وہ سجستان کا ایک دور افتادہ علاقہ تصور کرتا ہے۔ قزوینی ساتویں (تیرھویں) صدی میں لکھتا ہے کہ اُس زمانہ میں ایک خاص قسم کی ساڈنیاں جو بختی کہلاتی تھیں، بہت مشہور تھیں، اور تمام (۳۵۰ وسط ایشیا میں وہ بہترین سمجھی جاتی تھیں۔ ابن بطوطہ، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں کابل آیا تھا، لکھتا ہے کہ کابل کی حیثیت بگڑتے بگڑتے محض ایک گاؤں کی سی رہ گئی ہے۔ اس میں ایک گروہ ایرانیوں کا آباد ہے جنھیں افغان (الافغان) کہتے ہیں۔
دریائے کابل دریائے سندھ کا ایک معاون ہے، اور دو ندیوں کے ملنے سے جو کابل کے شمال میں کوہ ہندوکش سے نکلتی ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۲۷) of Anglo-Indian Terms. ہدسن یول اور برنل مضمون Myrobalan
اہ ہندوکش کا نام سب سے پہلے ابن بطوطہ نے (ج ۳۔ ص ۸۴) لکھا ہے، ورنہ شروع زمانے کے عرب جغرافیہ نویسوں نے یہ نام استعمال نہیں کیا۔ ابن بطوطہ نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ ہندوستان کے بہت سے غلام ایران جاتے ہوئے ان پہاڑوں کو طے کرنے میں مر جاتے تھے۔

وجود میں آیا ہے۔ اِس دریا کے مشرقی نبع پر چاندی کی مشہور کانیں تھیں، جن کو عرب بَنجہِیر کہتے تھے۔ اِیہ لفظ دراصل پنج ھیرے جس کے معنے "پانچ پہاڑیوں" کے ہیں)۔ اِن کانوں سے چاندی بڑی مقدار میں نکالی جاتی تھی۔ تیسری (نویں) صدی میں خاندان صفاریہ کے زمانہ میں بَنجہِیر کو دارالضرب ہونے کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ جو درہم یہاں بنائے جاتے اِن پر عباسی خلیفہ کا نام بھی ضرور ہوتا تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ بنجہِیر ایک پہاڑی پر واقع تھا، اور اس میں کانوں میں کام کرنے والے دس ہزار آدمی آباد تھے۔ یہ بڑے سرکش لوگ تھے، اور اکثر فساد برپا کرتے رہتے تھے [وعلی اھلھا العیث والفساد] قریب ہی جَاربایہ کا شہر تھا یہ بھی دریائے بَنجہِیر یا دریائے کابل کے کنارے آباد تھا، اور یہیں سے یہ دریا شہر فَروان کے پاس سے گزرتا ہوا ھندوستان کی سطح زمین میں پہنچ جاتا تھا۔ فَرْوان بڑا شہر تھا، اور اُس ایک مسجد تھی۔ مقدسی نے علاقہ اَسکیمشت کے شہر مشیَان کا ذکر کیا ہے، جہاں ایک عجیب چشمہ تھا، اور ایک مسجد تھی جسے عرب سپہ سالار قُتیبَہ بن مسلم الباھلی نے تعمیر کرایا تھا۔ مسلمانوں کی پہلی فتح کے وقت، جو بنی اُمیہ کے زمانہ میں ہوئی، اسلامی فوجیں اِسی سپہ سالار کی سرکردگی میں تھیں۔ یاقوت نے اِن چاندی کے کانوں اور یہاں کے فتنہ پرداز کان کنوں کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ اُس نے بیان کیا ہے کہ پہاڑ کے پہلو میں جگہ جگہ کھود کر غار پیدا کردیے تھے، اور یہاں بالکل زمین کے اندر اُتر کر مشعلوں کی روشنی میں لوگ کام کرتے تھے۔ یہاں کے لوگ ہر وقت ایک جوا سا کھیلتے رہتے تھے۔ ایک دن میں امیر ہوگئے اور دوسرے دن بھیک مانگنے کی نوبت آئی۔ اِن کو ذرا تامل نہ ہوتا تھا کہ کان میں کسی نئی جگہ کھودنے میں (۳۰۰۰۰) درہم (یعنی تقریباً ۱۸۰۰۰ روپیہ) بلاخوف وخطر صرف کرڈالیں۔ اِن کانوں کی تباہی کا باعث چنگیز خاں ہوا۔

ابن بطوطہ، جس نے یہاں سے قریب ایک چشمے کے نیلے پانی کا ذکر کیا ہے جس وقت آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں پہنچا ہے تو اُس کو ایک کان بھی چلتی ہوئی نظر نہ آئی، بلکہ جہاں پہلے چاندی نکالی جاتی تھی وہاں صرف غار اور گڑھے دکھائی دیئے۔

(۲۵۱) سجستان میں پیداوار کی اقسام بہت کم تھیں۔ مقدسی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ یہاں کھجور کے پتوں کے ٹوکرے، جنھیں زنبیل کہتے تھے، دساور کے لئے بنائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ یہاں کھجور کے ریشوں کی رسیاں اور نرسلوں کے بورے تیار کیے جاتے تھے[1]۔

سجستان میں جتنی بڑی سڑکیں تھیں وہ سب زرنج کو آتی تھیں ان میں سے اول بادیہ ایران والی سڑک تھی جو نرماسیر سے شروع ہوکر سنیج ہوتی ہوئی زرنج آئی تھی۔ اس کا ذکر اس سے پہلے کے باب میں ہوچکا ہے۔ زرنج سے شمال کی طرف ایک سڑک ہرات کو گئی تھی۔ یہ زرنج سے کرکویہ پہونچتی تھی اور وہاں سے دریائے ہلمند کی ایک نہر کو، جس میں طغیانی کے زمانہ میں پانی آجاتا تھا، ایک پل کے ذریعہ عبور کرکے جوین پہنچتی تھی، جو دریائے فرہ کے کنارے آباد تھا۔ جوین سے یہی سڑک شہر فرہ کو اس طرح گئی تھی کہ دریائے فرہ کے چڑھاؤ کے رخ اس کے کنارے کنارے پل فرہ تک (جس کا ذکر صفحہ حاشیہ ۳۴۱ پر ہوا ہے)، آکر پل اترنے کے بعد کچھ

---

[1] یعقوبی۔ ص ۲۹۰، ۲۹۱ + اصطخری۔ ص ۲۴۸، ۲۸۰ + ابن حوقل۔ ص ۳۲۷، ۳۲۸ + مقدسی۔ ص ۲۹۷، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۲۴ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۴۳ + ج ۲ ص ۹۴۴، ۹۰۵ + ج ۳۔ ص ۴۵۴ + قزوینی۔ ج ۲۔ ص ۱۶۲ + علی یزدی، ج ۲۔ ص ۵۵۸ + ابن بطوطہ۔ ج ۳۔ ص ۱۔ ۸۵، ۸۹ + مستوفی۔ ص ۱۸۸ +

دور آگے چل کر فَرَہ کے شہر میں پہنچ جاتی تھی۔ فَرہ سے تین مراحل پر اسفزار (یا سبزوارِ ہرات) کا شہر تھا، اور یہ خراسان کا پہلا شہر تھا جو اس راستے پر پڑتا تھا۔ افسوس ہے کہ اس زرنج سے ہرات والی سڑک کے فاصلے فرسخوں میں بیان نہیں ہوئے، بلکہ صرف یومیہ مسافت یعنی مراحل کے حساب سے بیان کئے گئے، اور اصطخری اور ابن حوقل کی تحریر ہی صرف ان کی سند ہے[۱] اس کے علاوہ بہت سی منزلوں کے نام جس املا میں لکھے گئے ہیں وہ بھی یقینی نہیں۔

زَرَنج سے مشرق کی طرف سڑک شہر خَرُودِی کو جاتی تھی، جو دریائے خواش کے کنارے تھا، اور یہاں سے سیدھی بادیہ ایران کو طے کرتی ہوئی پانچ مرحلوں میں شہر بُسْت کو پہنچتی تھی۔ بُست سے دو سڑکیں ہو جاتی تھیں۔ ایک دریائے ھَلمند کے بالائی حصہ کے علاقہ، یعنی زمینِ دَاوَر کو اور دوسرے علاقہ رُخَّج کے شہر پَنجوائے کو گئی تھی، جو نواح قَنْدَھار میں تھا۔ پَنجوائے سے پھر دو سڑکیں ہو جاتی تھیں۔ ایک شمال مشرق کی طرف غَزنَہ اور دوسری اَسْفَنجاء کے شہر میں سے گزرتی ہوئی سِیبی گئی تھی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان سڑکوں پر بھی مقامات کے فاصلے صرف مرحلوں میں بیان ہوئے ہیں، اور منزلوں کے بہت سے نام یقینی طور پر معلوم نہیں کئے جا سکتے ہیں[۲]

---

[۱] ابن رستہ ص ۱۷۴ + اصطخری ص ۲۴۸، ۲۴۹ + ابن حوقل ص ۳۰۴، ۳۰۵ + مقدسی ص ۳۰۵ +

[۲] اصطخری ص ۲۴۹-۲۵۲ + ابن حوقل ص ۳۰۵-۳۰۷ + مقدسی ص ۳۴۹، ۳۵۰ +

(۴۵۲)

باب بست و پنجم

قُوہِستان

مارکو پولو نے اس صوبہ کا نام تونوکیں (Tunocain) لکھا ہے۔ تَنایِن اور تُون۔ تُورشِیز اور علاقۂ پُشت۔ زردشت کا سرو کا درخت۔ زَاوَہ۔ بُوزجان اور علاقۂ زَم۔ باخرز کا علاقہ اور ہالِن خوان ذیر کوہ دشت بیاض۔ گنا باد اور زیجستان۔ کھجوروں والا طَبَس۔ خوست یا خُوسف۔ برجَند اور مومن آباد۔ طَبَس مَسینان اور کُری۔

عرب کے جغرافیہ نویس سجستان کی طرح صوبۂ قُوہستان کو بھی خراسان کے اعمال میں شمار کرتے تھے۔ قُوہستان کے معنے ہیں "پہاڑ کی جگہ" اور اسی قابل امتیاز طبعی خصوصیت کی بنا پر صوبہ کا یہ نام ہوا۔ ایک طرف اونچی اونچی پہاڑیاں تھیں اور مقابل میں سجستان کی نیچی زمینیں، جو قوہستان کے مشرق میں دریائے ہلمند کے ڈیلٹا پر واقع تھیں۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ بلندی کی وجہ سے قوہستان کے زیادہ تر حصہ میں موسم سرد رہتا تھا، اور کھجور کا درخت اس صوبہ میں صرف طبس گیلکی میں ہوتا تھا، جو بادیہ ایران کے کنارے واقع تھا

چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں کے خانہ بدوش باشندے کرد تھے، جو بھیڑوں اور اونٹوں کے بڑے بڑے گلوں کے مالک تھے۔ اس میں شک نہیں کہ مارکو پولو نے جس کو سلطنت "تونوکین" (Tunocain) لکھا ہے اُس سے مراد یہی صوبہ ہے۔ اس نے غالباً یہ خیال کیا کہ اس صوبہ کے دو بڑے شہروں (یعنی تون اور قاین) کے نام اس پورے صوبہ کا نام ہیں[1]۔

صوبہ قوھستان کا صدر مقام قاین تھا، جس کی نسبت ابن حوقل نے لکھا ہے کہ ایک بڑا مضبوط قلعہ اُس کی حفاظت کرتا تھا اس قلعہ کے گرد خندق تھی، اور قلعہ کے اندر ہی دارالامارۃ اور جامع مسجد تھی۔ شہر میں پانی زیر زمین ندیوں سے آتا تھا۔ لیکن باغ (۳۵۴) زیادہ ثمر آور اور متعدد نہ تھے، کیونکہ جاڑے میں سردی بہت پڑتی تھی۔ ابن حوقل نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں ایک مقام پر جو قاین سے دو دن کی مسافت سے نیشاپور جانے والی سڑک پر آتا تھا ایک قسم کی مٹی ہوتی تھی جو کھائی جاتی تھی۔ اسے طین نجاحی کہتے تھے۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ مٹی قرب وجوار کے علاقوں کو فروخت کرنے کے لئے بھیجی جاتی تھی، اور لوگ اس کو خوب کھاتے تھے۔ ۴۴۴ھ (۱۰۵۲ء) میں ناصر خسرو قاین آیا تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ اندرونی شہر کی شکل و صورت ایک بڑے مضبوط قلعے کی سی تھی۔ جامع مسجد کے مقصورہ کا طاق اتنا بلند تھا کہ اُس کا ثانی تمام خراسان میں نہ تھا۔ شہر کے تمام مکانات میں سپاٹ

---

[1] اصطخری ص ۲۷۳ + ابن حوقل ص ۲۲۴، ۳۲۵ + مقدسی ص ۳۰۱ + مارکو پولو (شائع کردہ یول) ج ۱۔ ص ۸۷، ۱۳۱ + عربوں نے اس صوبہ کا املا (ف سے) قوھستان کیا ہے۔ فارسی زبان میں اس کو کوھستان ہی کہتے ہیں۔ لیکن اکثر ان دونوں ناموں سے واؤ حذف کر کے کہستان اور قہستان بھی لکھتے ہیں۔

چھتوں کی جگہ گنبد تھے۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں قاین کی نسبت موقع کے لحاظ سے بالکل مرکز میں ہونے کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ مقام قوہستان کے ہر بڑے شہر سے بیس فرسنخ کی مسافت پر تھا۔ مستوفی کی تحریر کے مطابق یہ ایک عمدہ شہر تھا، اور بنی ہوئی نہروں کے ذریعہ شہر کے تمام مکانات میں پانی پہنچتا تھا۔ یہاں کے مکانوں میں گرمیوں کے دن بسر کرنے کے لئے تہ خانہ بھی تھے۔ یہاں فصلیں بہت جلد تیار ہوتی تھیں۔ غلے اور میووں، خصوصاً زعفران کی کاشت قرب و جوار کی زمینوں میں بافراط ہوتی تھی، اور جو مویشی ان زمینوں پر چرتے تھے وہ بہت جلد فربہ ہوجاتے تھے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ یہاں کے باشندے بہت ہی کالے رنگ کے ہوتے تھے۔

تون کا شہر قاین سے مغرب میں کسی قدر مائل بہ شمال پچاس میل سے کچھ زیادہ فاصلے پر واقع تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ آباد و معمور لیکن قاین سے چھوٹا شہر تھا۔ اس میں قلعہ اور ایک خوبصورت مسجد تھی۔ یہاں اونی کپڑے بُنے جاتے تھے، اور ناصر خسرو نے اس کے قالینوں کی تعریف کی ہے۔ جس وقت یہ سیاح یہاں سے گزرا چار سو کارگے پارچہ بافی کے یہاں چل رہے تھے۔ بہرکیف شہر کا بہت سا حصہ اُس کے زمانہ میں ویران ہوچکا تھا۔ لیکن اس کا بڑا قلعہ باقی تھا۔ شہر کے مشرقی ربض میں متعدد عمدہ باغ تھے، جن میں پستہ کی کاشت کی جاتی تھی۔ مستوفی نے لکھتا ہے کہ ابتداً شہر تون کا نقشہ "ایک چینی شہر کے انداز پر ڈالا گیا تھا" لیکن اس عبارت کی اُس نے صراحت نہیں کی۔ یہاں کے قلعہ اور اُس کے گرد کی عمیق اور خشک خندق کا بھی ذکر اِس مصنف نے کیا ہے۔ قلعہ کے گرد شہر کی

باہر والی بستی کے کوچے اور بازار تھے۔ شہر کے گرد و نواح کی زمینیں بہت زرخیز تھیں۔ زرخیزی کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بارش کے پانی کو جمع کرنے اور اُس کو روکے رکھنے کے لئے یہاں کے لوگوں کو بند باندھنے خوب آتے تھے۔ ان ہی زمینوں میں تربوز بوئے جاتے تھے، جن کی شیرینی مشہور تھی۔ یہاں غلہ اور میوہ بہت پیدا ہوتا تھا، اور ریشم بھی بڑی افراط سے حاصل کرتے تھے، کیونکہ تون کی آب و ہوا معتدل تھی، اور بہتی ہوئی نہریں بھی کثرت سے تھیں۔[۱] (۳۵۴)

قُوهِستَان کے شمال مغربی گوشہ میں بُشت یا پُشت یا بُشتُ العَرَب کا علاقہ ہے، جس کے بڑے شہر تُرشِیز اور کُندُر تھے۔[۲] عرب جغرافیہ نویسوں کی کتاب میں تُرشِیز کے نام کی پہلی شکل طُرَیثِیث یا طُرَثِیث آئی ہے جس کا املا تُرشِیش یا تُرشِیلس ہونے لگا۔ بعض اوقات یہ شہر نیشاپور کے

---

[۱] ابن حوقل ص ۳۲۴، ۳۲۵ + مقدسی ص ۳۲۱ + ناصر خسرو ص ۹۵ + مستوفی ص ۱۴۴ + قاین کی مسجد میں ایک کتبہ ہے جس پر سنہ ۷۹۶ (سنہ ۱۳۹۴ء) کندہ ہے۔ سر الیف، گولڈسمڈ (Goldsmid) کی کتاب (Eastern Persia) ج ۱ ص ۳۴۱ +

[۲] تُرشِیز نام کا علاقہ تو اب تک موجود ہے۔ لیکن اس نام کا کوئی شہر موجود نہیں۔ کُندُر کا چھوٹا شہر اب بھی نقشے پر دکھایا جاتا ہے۔ اصطخری کی تحریر کے مطابق تُرشِیز کا شہر کُندُر سے مغرب میں ایک مرحلہ کی مسافت تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تُرشِیز کا محل وقوع وہاں تھا جہاں اب فیروزآباد کے کھنڈر موضع عبدل آباد کے قریب ہیں۔ بہر کیف زمانہ وسطےٰ کے شہر تُرشِیز کی تطبیق سلطان آباد کے شہر سے ممکن نہیں، جو اس وقت علاقہ تُرشِیز کا صدر مقام ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سلطان آباد شہر کُندُر سے مغرب میں نہیں، بلکہ مشرق میں ہے۔

حومہ، یا اعمال میں شمار ہوا ہے ابن حوقل لکھتا ہے کہ تُرشِیز بہت معمور مقام تھا۔ اس کی زمینیں زرخیز تھیں، اور علاقہ پُشت میں سات شہر اور ایسے تھے، جن میں جامع مسجدیں تھیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں تُرشِیز کی مسجد شان وشوکت میں دمشق کی مسجد کے ہم پلہ تھی۔ یہاں ایک مشہور تالاب تھا، یہاں کے بازاروں کی بہت شہرت تھی۔ تجارت کے اعتبار سے تُرشِیز "خراسان کا انبار خانہ" سمجھا جاتا تھا۔ یہاں فارس اور اصفہان سے مال تجارت آتا تھا، اور ان ملکوں کو بھی بھیجا جاتا تھا۔ قریب کا شہر کُندُر دولت کے لحاظ سے تُرشِیز کے تقریباً برابر تھا، شہر سے متصل گرد ونواح کے علاقہ میں (۲۲۶) دیہات تھے۔

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ۵۲۰ھ ۱۱۲۶ء میں سلطان سنجر سلجوقی کے وزیر نے تُرشِیز کا محاصرہ کیا، اور شہر کو لوٹ لیا۔ یہ شہر حال ہی میں اسماعیلیوں یا حشیشیین کے قبضے میں آیا تھا سبب یہ تھا کہ اسی زمانہ میں شیخ الجبل نے گرد ونواح کے سب سے مستحکم مقامات فتح کر لئے تھے، اور خود بہت سے قلعے تعمیر کرائے تھے تاکہ قُوہستان کے تمام صوبہ پر اپنا رسوخ جمالیں۔ یاقوت نے اسماعیلیوں کے اس عروج کا زمانہ ۵۳۰ھ ۱۱۳۶ء، بنایا ہے اور لکھا ہے کہ تُرشِیز کے حاکم نے تُراک قبائل کو بلا لیا تاکہ اسماعیلیہ کے مقابلے میں اُس کی مدد کریں۔ لیکن یہ ترکی قبیلے دشمن سے لڑتے نہیں تھے اور خود ملک کو لوٹنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ اسی تاخت وتاراج میں شہر تُرشِیز برباد ہو گیا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی کے نصف میں ہلاکو خان مغل نے حشیشیین کی قوت توڑ دی۔ بیان ہوا ہے کہ ہلاکو خان کی (۳۵۵) فوجوں نے صوبہ قُوہِستان میں اسماعیلیہ کے ستر قلعے فتح کر لئے تھے۔

اِس واقعہ کے بعد تُرشیز کو پھر بہت جلد عروج حاصل ہوگیا، اور کچھ کم ایک صدی بعد مستوفی لکھتا ہے کہ گو تُرشیز اب کئی ایک حد تک ویران ہے، لیکن صوبہ قُوہِستانؔ کے بڑے شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ مستوفی نے تُرشیز کے قرب و جوار کے چار مشہور قلعوں کے نام لکھے ہیں؛ یعنی:۔ (۱) قلعہ بَردَرُود (۲) قلعہ مُیکال (یا ھَیکال) (۳) مجاہد آباد اور (۴) آتش گاہ + بلاشبہ یہ تمام قلعہ اسماعیلیوں کے تھے۔ مستوفی نے تُرشیز کی بہاری فصلوں کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ اِن کا غلہ نیشابور کے گرد کے شمالی سمت میں جس قدر علاقے تھے وہاں بھیجا جاتا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام پر تُرشیز اپنی بلند شہر پناہ کی وجہ سے ناممکن التسخیر سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب تیمور یہاں پہنچا تو اُس نے سرنگ لگاکر شہر پناہ اُڑادی، اور شہر کے لینے کے بعد جو کچھ اُس میں بچا وہ کھنڈر تھے۔ یہ واقعہ سنہ ۷۸۳ھ (۱۳۸۱ء) کا ہے۔ اُس وقت سے تُرشیز کا نام نقشہ سے محو ہوگیا[1]

---

[1] ابن حوقل ص ۲۹۵، ۲۹۶ + مقدسی ص ۳۱۷، ۳۱۸ + یاقوت ج ۱ ص ۶۲۸ + ج ۳ ص ۵۳۴ + ج ۴ ص ۳۰۹ + مستوفی ص ۱۸۳ + علی ایزدی ج ۱ ص ۳۴۴ + ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۴۵ + شیخ الجبل کی گدی کے مالک (جیسا کہ انگریزی عدالتوں کے سامنے ثابت ہوچکا ہے) آج کل آقا خان ہیں۔ یہ بمبئی کی خوجہ قوم کے سردار ہیں۔ یہ بات کسی قدر عجیب معلوم ہوتی ہے کہ قُوہِستانؔ میں مذہب اسماعیلیہ کے لوگ اب تک ایسے موجود ہیں کہ جو عُشر کی رقم آقا خان کو اسی طرح ادا کرتے ہیں جس طرح ان کے آباؤ اجداد قلعہ الموت کے سردار کو ادا کیا کرتے تھے۔ قاینؔ کے جنوب میں موضع سِہ دِہ میں میجر سائکس (Sykes) Persia ص ۴۰۹) اسی موجودہ فرقۂ اسماعیلیہ کے تقریباً ایک ہزار خاندان کو

مستوفی نے لکھا ہے کہ تُرشیز کے قریب کِشمَر کے گاؤں میں وہ مشہور سرو کا درخت تھا جسے زردشت نے شاہ گشتاسپ کے تبدیل مذہب کی یادگار میں لگایا تھا۔ یہ سرو اتنا بڑھا کہ دنیا کا کوئی سرو اُس کو نہ پہنچا۔ فردوسی نے شاہ نامہ میں لکھا ہے کہ زردشت بہشت سے سرو کی ایک شاخ لایا تھا جس سے یہ سرو پیدا ہوا۔ یہ اِس کی تاثیر تھی کہ جب گردونواح کے علاقے زلزلوں سے اکثر ویران ہوجایا کرتے تھے کِشمَر میں کسی طرح کا نقصان نہ پہنچتا تھا۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ ۲۴۷ھ (۸۶۱ء) میں خلیفہ متوکل عباسی نے اِس عظیم الشان سرو کو کٹوا ڈالا۔ اُس کے ٹکڑے اونٹوں پر بار کر کے تمام فارس میں سے ہوتے ہوئے سامرّا پہنچائے گئے۔ یہ کارروائی باوجود مجوسیوں کی سخت زاری وفریاد کے عمل میں لائی گئی، لیکن جب یہ سرو دریائے دِجلہ کے کنارے پہنچا تو خلیفہ متوکل اپنے بیٹے کے اشارہ سے قتل ہوچکا تھا۔[1] (۳۵۶)

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۳۷) ایسے ملے جو ہر سال ایک کثیر رقم اپنے مذہبی پیشوا آغا خان کو ہندوستان بھیجتے ہیں + مارکوپولو مجھ یول ج ۱۔ص ۱۵۵۔

[1] مستوفی ص ۱۸۳ + شاہ نامہ (Turner Magan) ج ۴۔ص ۶۷ صفحہ کے نیچے سے آٹھویں سطر + قزوینی ج ۲۔ص ۲۹۷ + اس کتاب میں غلطی سے شہر کا نام کِشمہ چھپ گیا ہے + قزوینی (ساتویں (تیرھویں) صدی) نے عام روائت نقل کی ہے۔ طَبَری یا شروع کے اور مورخوں کی کتابوں میں کِشمَر کے سرو کا ذکر نہیں آتا۔ دَبِستان مذہب شی (Shea) اور ٹرویر (Troyer) ج ۱۔ص ۳۰۶ - ۳۰۹) میں، جو سولھویں صدی کی ایک کتاب ہے اس روائت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حساب کر کے معلوم کیا گیا ہے کہ سرو زردشت (۱۴۵۰) برس پرانا تھا۔ ممکن ہے کہ یہی سرو زردشت

ترشیز کے مشرق میں زاوہ کا علاقہ ہے۔ یہ علاقہ
یا اس کا ایک حصہ رُخ بھی کہلاتا تھا۔ اور اس کے صدر مقام
کا نام بیشک یا شہر زاوہ تھا۔ یاقوت نے جب اپنی کتاب
لکھی ہے تو رُخ کا تلفظ بالعموم رِیخ کیا جاتا تھا۔ ساتویں
(تیرھویں) صدی میں شہر زاوہ کو اس وجہ سے شہرت ہوئی
کہ یہاں ایک درویش رہا کرتے تھے جن کا نام حیدر تھا۔
یہ نمدہ پہنتے تھے، اور مشہور تھا کہ گرمیوں کے دنوں میں آگ
میں چلے جاتے تھے اور جاڑے میں برف پر کھڑے رہتے تھے
یہ درویش حلقۂ حیدریہ کے بانی ہوئے۔ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں
جب مغلوں نے اس ملک پر یورش کی ہے تو وہ زندہ تھے۔
اس کے بعد ان کا لقب شیخ قطب الدین ہوا۔ آٹھویں (چودھویں)
صدی میں جب ابن بطوطہ زاوہ آیا تو اس نے لکھا ہے کہ
شیخ کے مرید ریاضت کے طور پر لوہے کے حلقے اپنے کانوں،
ہاتھوں، اور بدن کے اور حصوں میں پہنے رہتے تھے، اور عوام
میں یہی چیز ان کے تقدس کا ثبوت تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ
زاوہ ایک عمدہ شہر تھا، ایک زرخیز علاقہ میں واقع تھا۔ پچاس
گاؤں اس سے متعلق تھے۔ اس میں کچی اینٹوں کا ایک مضبوط قلعہ
تھا۔ آب پاشی کا سامان بہت تھا۔ غلہ، روئی، انگور اور اور
قسم کے میوے یہاں بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ ریشم بھی بہت
حاصل کیا جاتا تھا۔ مستوفی نے بھی حضرت شیخ قطب الدین کے
مزار کا ذکر کیا ہے کہ وہ مرجع خاص و عام تھا۔ آج کل زاوہ
عام طور علاقۂ زاوہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ شہر کا نام تربت حیدری

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۳۸) مارکوپولو کے اربری سول (Arbre sol) کی اصل ہو جسے
ہم عیسائی اربرے سک (Arbre sec) کہتے ہیں۔ سفرنامہ مارکوپولو مع یول ج ا ص ۱۳۱

ہے، اور شیخ کے مزار کی زیارت کے لئے اب بھی زائر بکثرت وہاں آتے ہیں[1]۔

علاقۂ زادہ کے مشرق اور صوبۂ قُوہستان کے شمال مشرقی گوشہ میں، دریائے ہرات کے قریب، زام یا جام کا علاقہ تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس کا صدر مقام بُوزجان کہلاتا تھا۔ یہ ایک خاصا بڑا شہر تھا، اور ایک سو اسی گاؤں اس سے متعلق تھے۔ اہل ایران بُوزجان کا تلفظ بُوزکان کرتے تھے، اور (۳۵۷) بعد کے زمانہ میں اسے بُوجکان کہنے لگے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے اس کا ذکر جام کے نام سے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ شہر بہت سیر حاصل اور شاداب علاقہ میں تھا۔ شہتوت کے درختوں کی کثرت کی وجہ سے یہاں ریشم بہت حاصل کیا جاتا تھا۔ اس شہر کی زیارت گاہیں مشہور تھیں، کیونکہ یہاں بہت بڑے بڑے مشائخ اور اولیاء دفن تھے۔ ان میں ابن بطوطہ نے خاص طور سے حضرت شہاب الدین احمد الجامی کا نام لیا ہے، جن کی اولاد اس نواح میں بڑی بڑی زمینوں کی مالک تھی یہ بزرگ ایسے شہرہ آفاق تھے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور ان کے مزار کی زیارت کو آیا تھا۔ آج کل یہ شہر جواب تک آباد و معمور ہے، تُربتِ شیخ جام کہلاتا ہے[2]۔

---

[1] مقدسی ص ۳۱۹ + یاقوت ج ۲۔ ص ۷۷۰، ۹۱۰ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۵۶ + ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۶۷ + مستوفی ص ۱۸۸ + سر الیف گولڈ سمڈ۔ ایسٹرن پرشیا ج ۱۔ ص ۳۵۳ +

[2] ابن خردادبہ ص ۲۴ + ابن رُستہ ص ۱۷۱ + یعقوبی ص ۲۷۸ + ابن حوقل ص ۳۱۲ + مقدسی ص ۳۱۹، ۳۲۱ + یاقوت ج ۱۔ ص ۷۵۶ + ج ۲۔ ص ۲۱۱، ۲۲۹ + سی، ای، ییٹ (Yate) کی کتاب Sistan and Khurasan ص ۳۷ +

باخَرْز یا گُو اخرز کا علاقہ جام کے جنوب میں اور دریائے ہرات کے مغرب میں واقع ہے، اور یہیں سے اس دریا کا شمالی راستہ شروع ہوتا ہے۔ سیاحت ناموں میں جو فاصلے بیان ہوئے ہیں ان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر اُسی جگہ تھا جہاں آج کل شہرِ نو واقع ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مالِنْ ایک آباد و معمور مقام بن چکا تھا۔ غلہ اور انگور دونوں یہاں سے وساور کئے جاتے تھے، اور کپڑا بُنا جاتا تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے باخَرْز کا نام دراصل فارسی میں باد هَرْزَہ تھا (یعنی ایسی جگہ جہاں ہوا چلتی ہے) اس مصنف نے لکھا ہے کہ جَوْ ذقان ایک موضع باخَرْز کے ممتاز مواضع میں سے تھا، جن میں موضع مالِنْ کے گرد و نواح میں (۱۲۸) گاؤں شمار کئے جا سکتے تھے۔ مستوفی، جس نے اس شہر کا نام مالان لکھا ہے، یہاں کی زرخیزی کا حال تفصیل سے لکھتا ہے اس نے یہاں کے "لمبوتری شکل کے خربوزوں کی خاص کر تعریف کی ہے، جو تمام خُراسان میں مشہور تھے[1]

باخَرْز کے جنوب مغرب میں خَواف (جسے شروع میں خَواب کہتے تھے) کا علاقہ اُسی نام کے شہر کے گرد واقع ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں شہر خَواف کی کشمش اور انار مشہور تھے۔ سَلُومَک جو بعد میں سَنگام کہلانے لگا، شروع زمانہ میں اس علاقہ کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اس علاقہ کے دو اور بڑے شہر سَنْجَان (یا سَنکَن) اور خَرجِرْد تھے۔ خَرجِرْد کا حال ابن حوقل نے فَرْکَرْد کے نام سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ فَرْکِرْد کا مقام (جسے یاقوت نے فَرْجِرْد یا فَلْجِرْد لکھا ہے)، (۳۵۸)

---

[1] مقدسی ص ۳۱۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۵۸ + ج ۲۔ ص ۴۸۵ + ج ۴ ص ۳۹۸ + مستوفی ص ۱۸۷ +

خَرکِرد سے مشرق میں ایک مرحلہ تھا۔ کُوسُوی یا کُوسُوَیہ دریائے ہرات سے زیادہ قریب فَرکِرد کے شمال میں تھا۔ کُوسُوی، فَرکرد اور خَرجِرد کے تین شہروں میں کُوسُوی سب سے بڑا تھا، اور وسعت میں خُراسان کے شہر بُوشَنج سے، جس کا ذکر آگے آئیگا، ایک ثلث تھا۔ اکثر مصنف اِن تینوں شہروں کو صوبہ خُراسَان سے متعلق سمجھتے تھے۔ کُوسُوی میں بھی اینٹوں کے اچھے اچھے مکانات تھے، اور فَرجِرد اور خَرجِرد اگرچہ چھوٹے تھے، لیکن اُن میں عمدہ باغ تھے، اور وہاں آب پاشی بھی بہت تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں سِراوَند اور لاذبھی علاقۂ خَواف کے بڑے شہر تھے، لیکن اب اِن کا موقع معلوم نہیں۔ مستوفی نے خَواف کے انگوروں، خربوزوں، اناروں اور انجیروں کی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ اِس علاقہ میں ریشم بہت حاصل کیا جاتا تھا۔ اِس کا بیان ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں سلام، سَنجان اور زَوزَن (یا زُوزَان) اِس علاقہ میں آبادی کے بڑے مرکز تھے۔ جب مقدسی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو زُوزَن کے پشمینہ ساز دور دور مشہور ہوچکے تھے۔ اور شاہراہوں کے سلسلہ میں یہ شہر اِس لئے بڑا مقام تھا کہ یہاں سے قَاین، سَلاَمِر (سَلُومَک) اور خَرجِرد کو سڑکیں جاتی تھیں۔ یاقوت نے تجارت کے اعتبار سے زُوزَن کو چھوٹا بَصرہ (بَصرَۃ الصُغریٰ) لکھا ہے[1]، اور

---

[1] یاقوت نے زُوزَن کی تجارت کا ذکر مطلق نہیں، اور اِس شہر کے بَصرَۃ الصغریٰ کہلانے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اِس شہر میں بہت سے علماء و فضلاء گزرے تھے۔ بصرہ بھی تجارت کے علاوہ علم و فضل کا مرکز ہونے کے سبب مشہور تھا۔ یہاں یاقوت نے جو زُوزَان کو بَصرَۃ الصُغریٰ لکھا ہے وہ تجارت کی وجہ سے نہیں، جیسا کہ انگریزی مصنف نے غالباً غلطی سے سمجھ لیا، بلکہ علماء کی کثرت

بیان کیا ہے کہ یہ گبر کی بڑی زیارت گاہ تھا۔ اس شہر کے گرد (۱۲۴) بڑے بڑے گاؤں آباد تھے[1]۔

کُوھستان کے اِس وسطی حصہ میں، مستوفی نے، جس کی کتاب آٹھویں (چودھویں) صدی کی لکھی ہوئی ہے، اور بہت سے شہروں کے نام گنوائے ہیں، جواب تک نقشے پر ملتے ہیں، لیکن اِن کے نام ابتدائی زمانہ عرب جغرافیہ نویسوں کی کتابوں میں نہیں پائے جاتے۔ اِسی مصنف نے علاقۂ زِیرْکُوہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ نہایت ہی زرخیز تھا، روئی اور غلہ یہاں پیدا ہوتا تھا، اور اِن دونوں چیزوں کے ساتھ ریشمی کپڑے بھی یہاں سے بکثرت دساور گئے جاتے تھے۔ زِیرْکوہ اب بھی زُوزَن کے جنوبی اور قاینْ کے مشرقی پہاڑی علاقہ کا نام ہے۔ مستوفی یہاں کے تین بڑے شہروں، یعنی شَادَخْس، اِسْفَدْ، اور اِسْتَنِدْ کے نام نقل کئے ہیں۔ یہ تینوں شہر اب تک موجود ہیں۔ قاینْ کے شمال مغرب میں ایک علاقہ ہے جس کا نام دَشْت بِیاض (یعنی سفید میدان) لکھا جاتا ہے، اور اب اہل ایران اسے دَشْت پِیاز کہتے ہیں۔ اِس کا بڑا شہر فَارِس ہے؛ اور مستوفی، جس نے اِس کے اخروٹ، اور بادام کی تعریف کی ہے، لکھتا ہے کہ یہ شہر تُون

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴۲) کی وجہ سے ہے۔ یاقوت کے الفاظ حسب ذیل ہیں زُوْزَنْ . . . . کانت تعرف بالبصرۃ الصغریٰ لکثرۃ من اخرجت من الفضلا والادباء واھل العلم۔ (یاقوت ج ۴۔ ص ۴۱۶) + مترجم)

[1] اصطخری ص ۲۶۷ + ابن حوقل ص ۳۱۳، ۳۱۹ + ابن رُستہ ص ۱۷۱ + یعقوبی ص ۲۷۸ + مقدسی ص ۲۹۸، ۳۰۸، ۳۱۹، ۳۲۱، + یاقوت ج ۲۔ ص ۴۸۶، ۹۵۸ + ج ۳۔ ص ۹۱۰ + ج ۴۔ ص ۱۴۳ + مستوفی ص ۱۸۸ + ان مقامات کی موجودہ حالت کے لئے دیکھو سی، ای ییٹ (Yate) کی کتاب Sistan and Khurasan ص ۱۲، ۱۲۶ +

اور جُنا باد کے باشندوں کا ییلاق (یعنی موسم گرما بسر کرنے کا مقام) تھا۔

(۲۵۹) شہر جُنا باد، جو آج کل بالعموم گُنا باد کہلاتا ہے، تُون کے شمال مشرق میں ایک بڑا شہر ہے۔ ابن حوقل نے اس کا نام یُنابِذ اور مقدسی نے جُناوَد لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے نام کی اور بھی مختلف شکلیں ہیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ ایک بڑا شہر تھا، اس کے مکانات بھی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے، اور ستر گاؤں جو اس کے گرد تھے، ان کی زمینوں میں نالیاں بنا کر پانی خوب پہنچایا جاتا تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ جُنابذ عام طور پر گُنا باد کہا جاتا تھا۔ مستوفی کا بیان ہے کہ اس شہر کے دو قلعے، ایک شہر کے دائیں جانب، اور دوسرا بائیں جانب پہاڑی پر واقع تھے۔ ان میں ایک کا نام قلعۂ خَوَاشِیر اور دوسرے کا نام قلعۂ دَرجان تھا۔ ان کے اوپر سے قرب و جوار کے گاؤں اور ان کے پرے کا ریگستان صاف نظر آتا تھا۔ اسی مصنف نے لکھا ہے کہ جُنا باد میں یہ کیفیت نہ تھی کہ اُس کے باغوں کی زمین پر ریت اُڑتی ہوئی پہنچے اور انہیں غارت کر دے، جیسا کہ قُوہستان کے دوسرے مقامات کا حال تھا۔ شہر میں آب رسانی پٹی ہوئی نہروں سے ہوتی تھی، جن میں اکثر چار چار فرسنگ لمبی تھیں، اور دامن کوہ میں جو چشمے تھے اِن سے لائی گئیں تھیں۔ جہاں یہ چشمے نکلتے تھے وہاں جو کنوئیں کھودے گئے تھے ان کا عمق بعض صورتوں میں، مستوفی کا بیان ہے کہ ستر ستر ذرع ہوتا تھا۔ یہاں ریشم بہت تیار کیا جاتا تھا، اور غلّہ یہاں سے دساور ہوتا تھا۔ گُنا باد سے شمال مغرب میں تقریباً تیس میل کے فاصلے پر، اور تُون سے بھی اتنی ہی مسافت پر، بَجستان کا چھوٹا سا شہر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یاقوت

پہلا مصنف ہے جس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں یہ ایک گاؤں تھا، مستوفی کا بیان ہے کہ یہ شہر تُون سے بہت مشابہت رکھتا تھا، لیکن اُس نے اِس سے زیادہ اور کچھ نہیں لکھا ہے[1]۔

صوبۂ قُہستان میں پہلے بھی اور اب بھی طبس کے نام کے دو شہر ہیں، اور اسی وجہ سے عرب جغرافیہ نویسوں کی کتابوں میں یہ نام بصیغۂ تثنیہ طبسین آیا ہے۔ علاوہ اس کے طبسین غلطی سے اُن دونوں ہمنام شہروں میں سے کبھی ایک کے لئے اور کبھی دوسرے کے لئے بولا گیا ہے، گویا واحد کی جگہ تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ بہر کیف عرب جغرافیہ نویسوں نے دونوں میں تمیز رکھنے کے لئے ایک کو طبس التمر (کھجور والا) اور دوسرے کو طبس العُنّاب (بیر والا) لکھا ہے۔

طبس التمر بادیہ ایران کے کنارے اُس مقام پر تھا جہاں بادیہ کو عبور کرنے والی بہت ہی سڑکیں آ ملتی تھیں۔ اسی وجہ سے بلاذری نے اِس مقام کو "باب الخُراسان" لکھا ہے۔ (۳۶۰) ابن حوقل لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ قاین سے کسی قدر چھوٹا شہر تھا، اور خوب مستحکم و متحصن تھا۔ اِس علاقہ کی سب سے

---

[1] دشت بیاض ایک مرکب ہے جو عربی اور فارسی الفاظ کی ترکیب سے بنایا گیا ہے۔ ایران کے اسمار الکن میں یہ بات بہت شاذ ہے۔ دشتِ بیاض میں اگر آخری لفظ فی الحقیقت عربی لفظ ہے جس کے معنی سفید کے ہیں، تو ایرانی یہ معنے بھول گئے تھے اور انھوں نے اسے اسم علم سمجھ لیا تھا۔ ابن حوقل ص ۳۲۵ + مقدسی ص ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۲ + مستوفی صفحہ ۱۸۳، ۱۸۴ + یاقوت ج ۱ ص ۷۹۴ + ج ۲ ص ۱۲۰ + ج ۳ ص ۲۰۶ + فارقس کا شہر آجکل بالعموم قلعہ کہنہ کے نام سے مشہور ہے + بیلیو (Bellew) کی کتاب (Indus to Tigris) ص ۳۲۹ +

نمایاں چیز کھجوروں کا ایک بن تھا، جو یہاں کھڑا تھا۔ چونکہ یہ مقام بادیہ ایران کے کنارے تھا اس لئے شہر کی آب و ہوا بہت گرم تھی۔ آب رسانی کا سامان زمین دوز نہروں کی وجہ سے بخوبی تھا۔ مقدسی نے یہاں کی خوبصورت مسجد اور ایک بڑے حوض کا ذکر کیا ہے جس میں پینے کا پانی جمع رہتا تھا۔ گرم حمام بھی یہاں بہت عمدہ تھے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ صوبۂ قوہستان میں صرف یہی ایک جگہ ہے کہ جہاں درخت اور ایک جاری چشمہ ہے۔ یہاں سے ایک دن کی مسافت تک میرا گزر برابر قریوں اور نخلستانوں میں سے ہوتا رہا جن میں نہریں اور چشمے جاری تھے۔"

ناصر خسرو، جو ۴۴۴ھ (۱۰۵۲ء) میں طبس سے گزرا تھا، لکھتا ہے کہ یہ ایک عمدہ اور معمور شہر تھا، اس کی فصیل نہ تھی، لیکن باغوں اور نخلستانوں سے گھرا ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں یہاں ابوالحسن بن محمد گیلکی (یعنی باشندۂ گیلان) حکمران تھا، اور اس کی حکومت ایسی سخت تھی کہ گرد و نواح کا علاقہ بالکل محفوظ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانہ میں اس طبس کو دوسرے طبس، یعنی طبس العنّاب سے ممیز کرنے کے لئے (بجائے طبس التمر کے) طبس گیلکی اس کے مشہور حاکم ابوالحسن بن محمد گیلکی کے نام پر کہنے لگے تھے۔ ناصر خسرو کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ امیر گیلکی اپنی زبردست حکومت کی وجہ سے دور دور مشہور تھا۔ پانچویں (گیارھویں) صدی کے نصف آخر میں اسماعیلی "ملاحدہ" نے طبس پر قبضہ کر لیا۔ ۴۹۴ھ (۱۱۰۲ء) میں سلطان سنجر سلجوقی نے جو فوج اسماعیلیوں کے مقابلہ کے لئے بھیجی تھی اس نے طبس کا محاصرہ کیا، اور شہر کے ایک حصہ کو مسمار کر دیا۔ یاقوت اور مستوفی دونوں نے طبس التمر کو طبس گیلکی

لکھا ہے۔ مستوفی نے اس شہر کا ذکر بادیہ ایران اور صوبہ قوہستان کے حالات میں دونوں موقعوں پر کیا ہے۔ کھجوروں کے علاوہ یہاں لیموں اور نارنگترہ خوب پھلتا تھا۔ خراسان میں کہیں اور یہ بات نہ تھی۔ قریب کے چشمے سے پانی اتنے حجم میں بہتا تھا کہ اس سے دو پن چکیاں چل سکتی تھیں، اور بہت سے قریوں کی حفاظت کے لئے جو شہر کے گرد واقع تھے یہاں ایک مستحکم قلعہ بھی تھا۔[1]

بادیہ ایران کی سرحد پر طبس سے شمال میں اور ترشیز سے تقریباً نصف مسافت پر بن کا گاؤں واقع تھا۔ ابن حوقل نے جب اپنی کتاب لکھی ہے تو یہاں (۵۰۰) مردوں کی آبادی تھی غالباً یہ مقام وہی ہے جسے ابن خرداذبہ نے آفریدذن کا پڑاؤ لکھا ہے۔ ابن حوقل نے اپنے سیاحت نامہ میں اسی بن نام کے ایک اور پڑاؤ (بن اخرسنہ) کا ذکر کیا ہے جو بظاہر کوئی دوسرا گاؤں تھا۔ اس نے جو فاصلے بیان کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں پڑاؤ ایک ہی نہ تھے، پھر تو ان سے مراد قریب کے دو ہمنام قریوں سے ہوگی آج کل بن کی جگہ دہ ناؤنبد واقع ہے (اسے بادیہ کے اسی نام کے نخلستان سے جس کا ذکر صفحہ حاشیہ ۵۲۵ پر ہو چکا ہے غلط ملط نہ کرنا چاہیے)۔ بن اس لحاظ سے ایک بڑا مقام تھا کہ وہاں جرمق سے آنے والی بادیۂ ایران کی سڑک صوبۂ قوہستان میں داخل ہوتی تھی۔[2]

(۳۶۱)

---

[1] بلاذری ص ۴۰۳ + ابن حوقل ص ۳۴۲ و ۳۲۵ + مقدسی ص ۳۲۱ و ۳۲۲ ناصر خسرو ص ۹۴ + یاقوت ج ۳۔ ص ۱۳ و ۵۱۴ + ج ۴ ص ۳۳۳ + مستوفی ص ۱۴۳ و ۱۸۴ + ابن اثیر ج ۱۰۔ ص ۲۲۱ +

[2] ابن خرداذبہ ص ۵۲ + اصطخری ص ۲۳۱ و ۲۳۲ + ابن حوقل ص ۲۹۵ +

کَطبَس سے تقریباً تین فرسخ جنوب مشرق میں بادیہ کے کنارے اُس جگہ جہاں کوہبنان سے طریق شوہ تو ہستان میں داخل ہوتا تھا، کُرِی یا کُرِین تھا، جسے بلاذری نے کَطبَس کے دو قلعوں میں سے ایک قلعہ بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ البتہ ایسا ہے جس سے حرف کَطبَس تم کو تثنیہ میں کَطبَسین کہنا ایک معقول بات معلوم ہوتی ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ کُرِی ایسا مقام تھا جہاں بہت سی سڑکیں آکر ملتی تھیں، اور جہاں یہ سڑکیں ملتی تھیں وہاں ایک گاؤں تھا، جس میں ایک ہزار آدمیوں کی آبادی اور بہت سی مزروعہ اراضی تھیں۔ مقدسی نے اس کا نام کُرِین لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ کَطبَس سے چھوٹا تھا۔ اِس کے اعمال میں کَطبَس سے بارہ فرسخ، اور تُون سے بیس فرسخ پر، رَقّہ نام ایک گاؤں تھا۔ ناصر خسرو جب ۴۴۴ھ ۱۰۵۲ء میں رَقّہ آیا ہے تو یہ گاؤں ایک عمدہ شہر ہوچکا تھا۔ اس میں ایک جامع مسجد تھی، اور مسجد کے گرد اگرد بہت سے باغ نہایت شاداب موجود تھے۔ کَطبَس سے تین مرحلہ جنوب مشرق میں خُور اور خُوسْت کے دو شہر تھے خُور میں صوبہ کرمان کے شہر دَاوَر سے اور خُوسْت میں اسی صوبہ کے شہر خَبِیص سے ایک ایک سڑک بادیہ ایران کو طے کرکے ختم ہوتی تھی (ملاحظہ ہو صفحات ۳۲۷، ۳۲۸)۔ ابن حوقل کے مطابق خُور کا شہر کَطبَس سے چھوٹا تھا، مگر ایک جامع مسجد موجود تھی، یہاں پانی کی کمی تھی، اور باغات شاذ و نادر کہیں نظر آتے تھے مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ مقام متحصن نہ تھا۔

لیکن خُور کے مقابلے میں خُوسْت ایک بڑا مقام تھا، گو چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں جامع مسجد نہ تھی۔ شہر کی فصیلیں اور دمدمے مستحکم تھے، اور حفاظت کے لئے ایک

قلعہ تھا۔ شہر کے مکانات کچی اینٹوں کے تھے، اور ان کے
گرد چھوٹے چھوٹے باغ تھے، گو چشموں میں پانی کی کمی یہاں بھی
تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ خوست کا شہر تون سے وسعت
میں زیادہ، مگر آبادی میں کم تھا۔ وہاں درخت کم تھے، اور پشت
پر قوہستان کے خشک پہاڑ کھڑے تھے۔ یاقوت نے غلطی سے
اس نام کا املا جوسست کیا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی ہے، یعنی
خوسف یا خوسب کی جگہ جوست لکھ دیا گیا ہے۔ خوسف
یا خوسب وہ نام ہے جو مستوفی نے سب سے پہلے لکھا ہے،
اور اب تک چلا آتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یاقوت نے اپنی لاعلمی
اور اشتباہ ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ بعض اوقات اسے (۳۶۲)
جوزف بھی لکھا دیکھا ہے، لیکن ایک مقام پر جہاں اس نے
مقدسی کی عبارت نقل کی ہے وہاں اس شہر کا صحیح نام خوست
لکھا ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا اس مقام کے نام کا موجودہ
املا خوسف سب سے پہلے مستوفی نے لکھا ہے، اور بیان
کیا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے، جس سے متعلق چند
علاقے بھی ہیں۔ ایک ندی اس کی زمینوں کو سیراب کرتی
تھی، اور یہاں فصلیں اچھی اُگتی تھیں۔

خوسف سے تقریباً بیس میل شرق میں برجند ہے جو
بجائے قاین کے آج کل قوہستان کا دارالحکومت ہے۔ معلوم
ہوتا ہے کہ یاقوت سے پہلے کے عرب جغرافیہ نویسوں نے
برجند کا نام نہیں لکھا۔ یاقوت نے ساتویں (تیرھویں) صدی
میں اسے صوبہ کے بہترین قریوں میں سے ایک قریہ بیان
کیا ہے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ
برجند صوبہ قوہستان کا بڑا مقام تھا، اور اس کے گرد بڑی
زرخیز زمینیں اور گاؤں تھے۔ علاوہ انگوروں اور اور قسم کے

مطلوں کے یہاں زعفران بکثرت کاشت کی جاتی تھی۔ گر غلہ یہاں اچھا پیدا نہ ہوتا تھا۔ برجند کے مشرق میں ایک دن کی مسافت پر ایک پہاڑی علاقہ ہے جسے اب تک مُومِنْ آباد کہتے ہیں۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس میں ایک مضبوط قلعہ ہے جو پہلے کبھی حشیشین کے قبضہ میں رہا تھا۔ اس علاقہ میں اچھے اچھے گاؤں بہت ہیں، جن میں سے مستوفی نے خاص طور پر شَاخِنْ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ گاؤں ایک ندی کے کنارے، جسے فَشَارُود کہتے تھے واقع تھا، اور قاینْ سے جنوب مشرق کی سمت میں تقریباً تین مرحلوں کے فاصلے پر اب تک موجود ہے[1]۔

برجند سے بالکل مشرق میں تقریباً پچاس میل پر طَبَسْ نام کا دوسرا شہر ہے۔ جسے عرب جغرافیہ نویسوں نے طَبَسُ العُنَّاب لکھا ہے، اور جسے اہل ایران طَبَسِ مَسِینَان کہتے ہیں۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں بیان کیا ہے کہ یہ شہر یُنَابِذْ سے بڑا تھا (یُنَابِذْ سے مراد گنا باد ہے جو قاینْ سے شمال مغرب میں تھا)۔ اس کے مکانات بھی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے، فصیل اور وہ بھی شکستہ حالت میں تھے، اور کوئی قلعہ وہاں نہ تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں عنّاب کے درخت بہت تھے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں قزوینی لکھتا ہے کہ اس کے قریب کی ایک پہاڑی کے اوپر

---

[1] یاقوت ج ۱۔ ص ۳۸۷، مستوفی ص ۱۴۴، سائکس کی کتاب Persia ص ۴۰۵، ۴۰۶۔ میجر سائکس، جس نے اس کا نام شَمْکَنْ لکھا ہے، بیان کرتا ہے کہ اس کے گرد ایک پرانا قلعہ ہے۔ یہ غالباً وہی قلعہ ہے جس کے متعلق بیان ہوا ہے کہ وہ کسی زمانہ میں حشیشین کے قبضہ میں رہا تھا۔

اِیزْادَہ کا گاؤں تھا، جہاں ایک عمدہ قلعہ بھی تھا، اور چونکہ بہت سی ندیاں اِس پہاڑی کے پاس سے گزرتی تھیں اِس لئے وہاں باغات بھی تھے۔ مستوفی نے کُلبس مَسِینَان کے متعلق لکھا ہے کہ بارش نہ ہونے کی صورت میں شہر کی زمینوں کے لئے پانی کا ذخیرہ صرف اتنا تھا کہ ستّر دن چل جائے، اور دور کے علاقوں میں وہاں کا ذخیرہ صرف سات دن کے لئے کفایت کرسکتا تھا۔ اسی مصنف نے بیان کیا ہے کہ یہاں ایک گڑھا یا کنواں تھا جس کی تہ کی مٹی ایسی زہریلی تھی کہ اگر کوئی شخص ایک باجرے کے برابر بھی اُسے کھا لیتا تھا تو مرجاتا تھا۔ اسی وجہ اِس گڑھے یا کنویں سے پانی لینا قطعی بند کردیا گیا تھا۔ یہاں ایک اور گڑھا یا کنواں تھا، جو جاڑے میں جتنا پانی اُس میں باہر سے آتا تھا اُسے چوس لیتا تھا، اور یہی پانی گرمیوں میں اوپر آجاتا تھا۔ اور اتنا ہوتا تھا کہ گرد و نواح کی زمینوں کو اُس سے سیراب کیا جاتا تھا۔ اسی مصنف نے لکھا ہے کہ وہاں ایک تیسرا کنواں بھی تھا۔ اگر کوئی شخص اِس کنویں میں جھانکتا تو تہ پر ایک مچھلی کی صورت نظر آتی تھی۔ آج کل کُلبس مَسِینَان، جس کا اب تک یہی نام چلا آتا ہے، ایک بڑا مقام ہے، اسے سنی خانہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہاں کی تقریباً کُل آبادی سنی افغانوں کی ہے۔ کُلبسُ العُنَّاب سے تقریباً ساٹھ میل جنوب میں دُرُّہ کا گاؤں ہے، جہاں قریب کی ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک پرانا قلعہ ہے جہاں تک معلوم ہوتا ہے ابتدائی زمانہ کے جغرافیہ نویسوں نے دُرُّہ کا ذکر نہیں کیا۔ سب سے پہلے مستوفی نے اس کا حال لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ قلعہ دُرُّہ بہت مستحکم قلعہ تھا، اور اُس کے احاطہ میں پانی کا چشمہ تھا جس سے پانی اُبلتا رہتا تھا۔ قرب و جوار میں

(۳۶۳)

عناب کے درخت بہت تھے، اور غلہ افراط سے ہوتا تھا۔ انگور اور اور قسم کے میوے اس افراط سے نہ ہوتے تھے۔

قوہستان میں پیداوار کی اقسام کم تھیں۔ مقدسی نے مختصراً لکھا ہے کہ قوہستان کے قالین اور جا نمازیں مشہور تھیں یہاں کے سفید کپڑے بھی مشہور تھے، اور یہ اُن کپڑوں کے مانند ہوتے تھے جو نیشاپور میں تیار کئے جاتے تھے[1]۔

صوبۂ قوہستان میں سے جو سڑکیں گزری تھیں ان کے متعلق سہولت اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ جہاں تک اِن کا حال معلوم ہو اُس کو کسی آئندہ باب میں اِن سڑکوں کے ساتھ بیان کیا جائے جو خراسان میں گزری تھیں۔ مقدسی اور اس کے علاوہ اور مصنفوں نے قوہستان کے مختلف شہروں کے مجموعی فاصلے، مرحلوں یعنی یومیہ سفر کے حساب بیان کئے ہیں۔ منزلوں کا کا فاصلہ فرسخوں میں نہیں لکھا، اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بڑی سڑکیں سیدھے راستے اس پہاڑی علاقہ میں سے بہت کم گزری تھیں۔

---

[1] ابن حوقل ص ۳۲۵ + مقدسی ص ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۴ + یاقوت ج ۳ - ص ۱۴، ۵۱۴، ۵۱۵ + قزوینی ج ۲ - ص ۲۰۱ + مستوفی ص ۱۴۵ + سائکس کی کتاب Persia ص ۲۹۶، ۲۹۷ +

(۳۶۴)

باب بست وششم

قومس، طبرستان اور جرجان

صوبہ قومس۔ دامغان بسطام۔ بیار۔ سمنان اور خوار۔ صوبہ قومس میں سے گزرنے والی شاہراہ خراسان۔ صوبہ طبرستان یا مازندران۔ آمل۔ ساریہ۔ کوہ دماوند، مع علاقہ جات فادوسبان، قارن، اور رویج۔ فیروزکوہ اور دوسرے قلعے۔ ناتل، سالوس اور علاقہ رویان۔ قلعۂ طاق اور علاقہ رستمدار۔ ممطیر اور طمیسہ۔ کبود جامہ اور خسیم نیشہ دان۔ صوبہ گرگان یا جرجان۔ دریائے جرجان اور دریائے اترک۔ شہر جرجان اور استرآباد۔ بندر آبسکون۔ علاقہ دہستان اور آخر۔ طبرستان اور جرجان میں سے گزرنے والی سڑکیں۔

قومس کا مختصر صوبہ البرز کے عظیم الشان پہاڑی سلسلہ کے نیچے نیچے پھیلا ہوا ہے۔ ان پہاڑوں کا ذکر ہم ابھی کریں گے۔ صوبہ کی حد بندی سمت شمال میں اسی سلسلہ سے ہوتی ہے اور اسی کی نیچی پہاڑیوں اور بادیہ ایران کے درمیان قومس کی زرخیز زمین ایک لمبی پٹی کی شکل میں واقع ہوئی ہے۔ خراسان کی سڑک اس صوبہ میں

اُس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گزری ہے، یعنی صوبۂ جبال کے شہر رے سے چل کر (اس صوبہ میں سے ہوتی ہوئی) خراسان کے شہر نیشاپور کو چلی گئی ہے، اور قُومِس کے بڑے شہر گویا اس سڑک کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ آج کل قُومِس کا نام متروک ہے۔ اس صوبہ کا بڑا حصہ موجودہ خراسان کی حدود میں شامل ہے، اور اُس کا انتہائی مغربی حصہ سا ہے یا موجودہ جبال کا ایک دُور کا علاقہ سمجھا جاتا ہے[1]۔

صوبۂ قُومِس کا دارالحکومت دامغان تھا جسے عرب اللہ امغان اور اپنے دستور کا مطابق قُومِس (یعنی مدینا قومِس) بھی کہتے ہیں؛ (۳۶۵) یعنی دارالحکومت کو اُسی کے صوبہ کے نام پر پکارتے ہیں۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ دامغان میں پانی قلت تھی، اس سے، وہاں کاشت کم ہوتی تھی۔ یہاں کے باشندے کپڑے نہایت عمدہ قسم کے بنتے تھے جو بکثرت دساور کئے جاتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی کے آخر میں دامغان بہت کچھ شکستہ ہو چکا تھا، لیکن اس کی شہر پناہ وغیرہ مضبوط تھی جس میں تین دروازے تھے؛ ان میں سے اُس نے دو کے نام لکھے ہیں؛ یعنی باب الرے اور باب خراسان۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں دو بازار تھے، ایک بازار بالا اور دوسرا بازار زیرین۔ بڑے راستہ پر جو شہر میں سے گزرتا تھا ایک خوبصورت جامع مسجد تھی، مرو کے حوضوں کی طرح "یہاں پانی کے حوض بھی تھے۔ زمانہ مابعد میں تمام مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ دامغان میں ہوا بہت تیز چلا کرتی تھی۔ یاقوت اور دوسرے مصنفوں نے لکھا ہے کہ شہر کے قریب ایک گھاٹی

---

[1] اس صوبہ کے نقشے کے لیے دیکھو نقشہ ۵۔ مقدسی ص ۳۵۳ + یاقوت ج ۴۔ ص ۲۰۲ + مستوفی ۱۹۱ + عرب اس نام کو قَ سے قُومِس اور اہل ایران کُومِس لکھتے ہیں۔ لیکن مستوفی نے اس علاقہ کو دیار، قُومِس لکھا ہے۔

تھی اس میں سے بہت زور کی ہوا شہر کی طرف برابر آتی رہتی تھی، جس کی وجہ سے دامغان کے درخت ہر وقت جھومتے رہتے تھے۔ شہر میں ایک عمدہ عمارت تھی، جو کسروان ساسانی کے وقت سے چلی آتی تھی۔ دامغان میں جس قدر پانی بہہ کر آتا تھا وہ اس عمارت میں پہنچ کر ایک سو بیس نہروں میں آبپاشی کی غرض سے تقسیم ہو جاتا تھا۔ شہر کے باغوں میں ناشپاتی بہت عمدہ ہوتی تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ دامغان کی شہرپناہ کا دور دس ہزار قدم تھا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ دامغان سے ایک دن کی راہ پر اور مستوفی کی تحریر کے مطابق تین فرسخ کی مسافت پر، پہاڑوں میں گِردکوہ کا بڑا قلعہ تھا، جو شہر سے نظر آتا تھا، اور کسی زمانہ میں حششین کا مشہور قلعہ رہ چکا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ قلعہ دِزِ گنبدان (گنبدوں والا قلعہ) اور اس کا علاقہ، جو بہت زرخیز تھا، منصور آباد کہلاتا تھا۔ مستوفی نے دامغان کے قریب کی پہاڑیوں میں کوہ زر کے مقام پر سونا کی ایک کان کا ذکر کیا ہے، لیکن اس مقام کا ٹھیک موقع بیان نہیں کیا۔ [1]

صوبہ قومس کا باعتبار وسعت دوسرے درجہ کا شہر بسطام (یا بَسطَام موجودہ بُسطَام) تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ بسطام صوبہ کے سب سے زیادہ زرخیز علاقہ میں واقع تھا۔ اس کے باغوں میں میوہ افراط سے ہوتا تھا، اور مقدسی نے یہاں کی عالی شان جامع مسجد کا ذکر کیا ہے، جو قلعہ کی مانند بازار میں واقع تھی۔ ناصر خسرو ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) میں بسطام آیا تھا، اس نے بسطام ہی کو صوبۂ قومس کا دارالحکومت سمجھا، کیونکہ اس نے اس شہر کا نام مدینۂ قومس لکھا ہے۔ ناصر خسرو نے یہاں کے مشہور صوفی حضرت شیخ بایزید بسطامی کے مزار کا

[1] ابن خرداذبہ ص ۲۲ + قدامہ ص ۲۰۱ + ابن حوقل ص ۲۷۱ + مقدسی ص ۳۵۵، ۳۵۶ یاقوت ج ۲۔ ص ۵۳۹ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۴۴ + مستوفی ص ۱۹۱، ۲۰۴ +

ذکر کیا ہے۔ اس مزار کی شہرت اُس کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ شیخ کا انتقال سنہ ۲۶۱ھ (۸۷۴ء) میں ہوا اور وہ یہیں دفن ہوتے تھے۔ یہ مزار آج کل بھی مرجع خاص و عام ہے۔ یاقوت نے بسطام کے میوں کی تعریف ذاتی تجربہ سے کی ہے اور کہا ہے کہ قریب ہی ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک بڑا قلعہ تھا، جس کی دیواریں مستحکم تھیں، اور سمجھا جاتا تھا کہ یہ قلعہ خسروان ایران کے زمانہ میں شاپور ذوالاکتاف (یعنی شاپور دوم) کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ یاقوت نے بھی بسطام کے بازاروں اور وہاں کی عام خوش حالی کی تعریف کی ہے۔ ابن بطوطہ کے بیان سے، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں آیا تھا، یاقوت کے بیان کی توثیق ہوتی ہے۔ اس مصنف نے بھی حضرت بایزید بسطامی کی تربت پر جو عمارت تھی اُس کا ذکر کیا ہے۔[1] (۳۶۹)

بسطام سے چار فرسخ، استرآباد جانے والی سڑک پر خرقان کا شہر ساتویں اور آٹھویں (تیرھویں اور چودھویں) صدی میں کسی قدر بڑا مقام تھا۔ مستوفی نے اسے ایک گاؤں لکھا ہے جس کی آب و ہوا اچھی تھی، اور اس میں پانی کی افراط تھی۔ یہ مقام اس لئے مشہور تھا کہ یہاں حضرت ابوالحسن خرقانی کا مزار تھا۔ بسطام سے جنوب مشرق کی طرف پچاس میل کے فاصلے اور بادیہ ایران کے کنارے بیار (یعنی کومس) کا چھوٹا سا شہر تھا، جسے آج کل بیار جمند کہتے ہیں۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ یہ چھوٹا سا شہر

[1] ابن حوقل ص ۲۷۱، مقدسی ص ۳۵۶؛ ناصر خسرو ص ۲۔ یاقوت ج ۱، ص ۶۲۳؛ ابن بطوطہ ج ۳، ص ۸۲؛ بسطام کے جنوب میں دو میل کے فاصلے پر شاہرود ہے، جس کا ذکر کسی عرب یا ایرانی مصنف نے نہیں کیا، حالانکہ یہ مقام آج کل اس علاقے میں تجارت اور آبادی کا مرکز ہے۔ اسی وجہ سے صنیع الدولہ نے اعتراف کیا ہے کہ اسے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ شہر کب آباد ہوا تھا۔ مرآۃ البلدان ج ۱، ص ۲۱۰۔

اور اس میں جامع مسجد نہ تھی، لیکن یہاں ایک قلعہ تھا۔ شہر کے بازار عمدہ تھے، کھیت ہرے بھرے تھے، انگور اور اور قسم کے میوے یہاں پیدا ہوتے تھے۔ اونٹ اور بھیڑیں بھی یہاں بکثرت تھیں۔ شہر کے اندر جو قلعہ تھا اس میں ایک چھوٹی سی مسجد موجود تھی، اور شہر کے گرد فصیل اور وہدے تھے۔ فصیل میں تین دروازے تھے، جن کے پھاٹک لوہے کے تھے، اور صرف ایک دروازے سے قلعہ کو راستہ جاتا تھا۔ مستوفی نے یہاں کی معقول آب وہوا، اور غلہ کی عمدہ فصلوں کا ذکر کیا ہے۔

دامغان اور رے کے درمیان نصف راہ سے کچھ کم پر سمنان یا سمنان کا شہر خراسان والی سڑک پر واقع تھا۔ مقدسی نے یہاں کی عالیشان جامع مسجد کا ذکر کیا ہے، جو بازار میں تھی، اور پانی کے بڑے حوضوں کا، جو شہر میں تھے، حال لکھا ہے۔ مستوفی کا بیان ہے کہ میوؤں میں یہاں کے پستے مشہور تھے، اور پھل بھی طرح طرح کے یہاں پیدا ہوتے تھے۔ اس نے آھووان کا بھی ذکر کیا ہے، جو ایک چھوٹا سا شہر سمنان اور دامغان کے بیچ میں واقع تھا۔ یہ مقام اس لئے مشہور تھا کہ یہاں بہت سے بزرگوں کے مزار تھے، اور غلہ اور پھلوں کی فصلیں اس کے قرب وجوار میں بہت اچھی اٹھتی تھیں۔[1]

(۳۶۷) صوبۂ قومس کا سب سے زیادہ مغربی شہر خوار تھا۔ یہ خراسان کی سڑک پر تھا، اور رے سے مشرق کی طرف اسی سڑک پر پڑا مقام جو پہلے آتا تھا وہ یہی تھا۔ عرب جغرافیہ نویسوں نے خوار کو الخوار لکھا ہے۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر کی نسبت لکھا ہے کہ

---

[1] مقدسی ص ۳۵۶ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۴۳ + یاقوت ج ۲۔ ص ۲۲۴ + مستوفی ص ۱۸۹، ۱۹۱ + قزوینی نے اس شہر کا نام خرقان لکھا ہے! اگر اس نام پر اعراب نہ دئے جائیں تو وہ صوبۂ جبال کا شہر خرقان بھی پڑھا جاسکتا ہے، مگر ان دونوں میں خلط ملط نہ پیدا ہونا چاہیئے۔

وہ ایک چھوٹا سا بہت خوش گوار شہر ہے۔ اس کا قطر چوتھائی میل تھا۔ آبادی بہت تھی، چند ندیاں کوہ دماوند سے نکل کر اس کی زمینوں میں سے گزرتی تھیں۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ تمام صوبۂ قومس میں خوار سب سے زیادہ سرد مقام تھا، لیکن اس کی مزروعہ اراضی نہایت حاصل خیز تھیں۔ قزوینی لکھتا ہے کہ یہاں باہر بھیجنے کے لئے روئی بہت کاشت کی جاتی تھی۔ مستوفی کا بیان ہے کہ یہاں کا غلہ اور شفتالو کے یعنی دھان بہت مشہور تھا۔ چونکہ صوبۂ فارس میں بھی خوار نام کا ایک شہر تھا (دیکھو حاشیہ ۲ ص ۴۹۶) اس لئے تمیز قائم کرنے کے لئے اس خوار کو خوار رے کہتے تھے۔ چنانچہ تیموری فوجی مہموں کی تاریخ میں اس کا یہی نام مذکور ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ خوار کو ملۃ باغ بھی کہتے تھے۔

صوبۂ قومس کی پیداوار کے متعلق مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں خاص قسم کے بہت قیمتی سوتی رومال [مَنادِیل] تیار ہوتے تھے۔ یہ مشہور رومال چھوٹے بڑے سادے، دھاری دار رنگین کنارے والے ہر قسم کے ہوتے تھے، اور ان کی بناوٹ ایسی نازک اور باریک ہوتی تھی کہ ایک ایک مندیل کی قیمت دو ہزار درہم (یعنی بارہ سو روپیہ کے قریب) ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ قومس میں قباؤں کے لئے اونی کپڑے اور طیلسان بھی تیار ہوتے تھے۔[1]

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ صوبۂ قومس کے پورے طول میں سے خراسان والی بڑی سڑک گزرتی تھی۔ اس کا حال ابن خرداذبہ سے لے کر مستوفی تک سب نے لکھا ہے۔ رے سے چل کر یہ سڑک تین

---

[1] ابن حوقل ص ۲۷۰، مقدسی ص ۳۶۷، قزوینی ج ۲۔ ص ۲۴۳، مستوفی ص ۱۹۱، ۱۹۶، علی یزدی ج ۲۔ ص ۲۱۲۔ آج کل خوار کی جگہ آردون کا شہر آباد ہے، لیکن گرد و نواح کا علاقہ پرانے شہر خوار کے نام پر اب بھی خوار ہی کہلاتا ہے۔

مرحلوں میں خُوار پہنچتی تھی۔ خُوار سے ایک مرحلہ آگے قصر یا قریۃ المِلح (نمک والا گاؤں یا قلعہ) تھا، جسے اہل ایران دِہِ نمک کہتے تھے۔ مستوفی نے یہی نام لکھا ہے، اور آج کل بھی اس کا یہی نام ہے۔ تمام سفرناموں کے بیان کے مطابق قَرْیَۃ المِلح کے آگے دو پڑاو رَاسُ الکلب (یعنی کتے کا سر) تھا۔ یہ نام اب نقشے میں نہیں ملتا، مگر اس کا موقع وہاں تھا جہاں اب لاسگِرد کا قلعہ مع آبادی کے واقع ہے۔ یہ قلعہ بادیۂ ایران کے کنارے ایک پہاڑی پر اب تک موجود ہے۔ (لاسگرد کا نام زمانۂ وسطےٰ کے کسی مصنف کی کتاب میں نہیں پایا جاتا) یہاں سے ایک لمبے مرحلہ کے فاصلہ پر سَمنَان ہے۔ سَمنَان سے آگے شرق کی طرف دَامغان بھی (جس کا نام شروع کے جغرافیہ نویسوں نے قُومِس لکھا ہے) ایک لمبے مرحلہ کا فاصلہ رکھتا تھا۔ دَامغان سے ایک مرحلہ آگے الحَدّادہ (لوہار کی بھٹی) ہے۔ جس کا نام مستوفی نے مہمان دوست بھی لکھا ہے۔ الحَدّادہ سے ایک دن کی مسافت پر بُسطام تھا، اگر جنوبی راستہ اختیار کیا جائے تو بریدخانہ (ڈاک گھر) پر منزل کرنی پڑتی تھی جو بسطام سے دو فرسخ ادھر ہی آتا تھا۔ یہ بریدخانہ اس زمانہ میں بَذِشْت کے گاؤں پر تھا، اور آج کل بھی وہیں ہے۔ اس مقام سے چل کر کچھ دور آگے خُراسان میں داخلہ ہوتا تھا، اور ڈاک کی سڑک سے آخر کار مسافر نیشاپور پہنچ جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مقدسی نے ایک اور سڑک کا ذکر کیا ہے جو بُسطام سے بِیار تک تین مراحل رکھتی تھی اور بیار سے مغرب کی سمت میں ریگستان میں سے ہوتا ہوا کوئی دَامغان کو واپس جانا چاہے تو یہ فاصلہ پچیس فرسخ کا تھا۔ [1]

(۳۶۸)

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۲۲، ۲۳ + قدامہ ص ۲۰۰، ۲۰۱ + ابن رُستہ ص ۱۶۹، ۱۷۰ + (اس میں اسی ملک کا ذکر ہے جس میں سے مصنف گزرا تھا) + اصطخری ص ۲۱۵، ۲۱۶ + ابن حوقل ص ۲۷۴، ۲۷۵ + مقدسی ۳۷۱، ۳۷۲ + مستوفی ص ۱۹۶ + موجودہ لاسگِرد کی

طبرستان یا مازندران

ابتدائی زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے بلند پہاڑوں کے اس علاقہ کو طبرستان کہا ہے جس کے بڑے حصہ پر وہ پہاڑی سلسلہ واقع ہے جسے آج کل سلسلۂ البرز[1] کہتے ہیں اور بحیرۂ خزر کے جنوبی کنارے

(بقیۂ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تصویر کے لئے دیکھو ایچ، ڈبلیو، بیلو Bellow کی کتاب From the Indus to the Tigris ص ۴۰۴۔ بند شاہ کے متعلق یہ عجیب بات ہے کہ یاقوت نے اپنی کتاب میں ایک جگہ تو اس مقام کا املا صحیح لکھا ہے لیکن نون کی تختی میں اس کا دوبارہ ذکر (غلطی سے) بند شاہ کی ذیل میں کر دیا ہے۔ دیکھو یاقوت ج ۱۔ ص ۷۴۰، ۷۵۰، ج ۴۔ ص ۷۷۲۔

[1] البرز جس کا تلفظ آج کل عام طور سے اَلبُرز کیا جاتا ہے، موجودہ زمانہ میں اس بڑے پہاڑی سلسلہ کا نام ہے جو ایران کی سطح مرتفع کو بحیرۂ خزر کی نشیبی زمینوں سے جدا کرتا ہے۔ بہرکیف یہ نام ابتدائی عرب جغرافیہ نویسوں میں سے کسی نے نہیں لکھا، اور انھوں نے اس پورے سلسلہ کا کوئی ایک نام بیان نہیں کیا ہے۔ فلرز (Vullers) نے اپنی فارسی و لاطینی لغت (Lexicon Persico Latinum) میں لکھا ہے کہ اَلبُرز زبان زند کے دو لفظوں سے مرکب ہے کہ جن کے معنی بلند پہاڑ کے ہیں۔ مستوفی (ص ۲۰۴) غالباً پہلا مصنف ہے جس نے یہ نام لکھا ہے، مگر بہت سے معنوں میں اُسے استعمال کیا ہے۔ اپنی کتاب کے جس باب میں ایران کے پہاڑوں کا ذکر کیا ہے وہاں لکھتا ہے کہ اَلبُرز ایک بلند سلسلہ ہے جو باب الابواب (یعنی Caucasus) کے پہاڑوں کے ساتھ علی الاتصال چلا گیا ہے۔ حقیقت میں یہ وہ بڑے پہاڑ ہیں جو لگاتار چلے گئے ہیں اور جن کا ایک سلسلہ بندھ گیا ہے۔ اس سلسلہ کا طول ایک ہزار فرسخ سے بھی زائد ہے۔ یہ پہاڑ وسط ایشیا میں ترکستان سے شروع ہوتے ہیں، اور عرب میں حجاز تک

(۳۶۹) کے متوازی صوبۂ قُومِس کے شمال میں اور شمال سے لے کر مشرق تک چلا گیا ہے۔ یہاں کی زبان میں طَبَر کے معنے پہاڑ کے تھے۔ اس لئے طَبَرِستان کے معنے پہاڑی ملک کے ہوئے۔

ساتویں (تیرھویں) صدی میں، مغلوں کے حملے کے زمانہ سے کچھ پہلے معلوم ہوتا ہے کہ طَبَرِستان کا نام متروک ہو چکا تھا، اور اُس کی جگہ مازِندَران مستعمل تھا، چنانچہ آج تک یہی نام اس صوبہ کے لئے مروج ہے۔ کبھی مازندران میں قریب کا صوبہ جُرجان بھی شامل سمجھا گیا ہے۔ یاقوت، جو اُن مصنفوں میں پہلا شخص ہے جنھوں نے مازِندران کا نام استعمال کیا ہے، لکھتا ہے کہ اُسے علم نہیں کہ یہ نام کب سے مروج ہوا، اور گو وہ پرانی کتابوں میں کہیں نہیں آتا، لیکن اُس کے زمانہ میں وہ عام طور پر زبان زد ہو چکا تھا۔ طَبَرِستان اور مازِندران کے نام اگرچہ اس وقت عملاً مترادف سمجھے جاتے تھے، لیکن شروع میں طَبَرِستان سے مراد یہاں کے بلند پہاڑوں سے تھی، اور ضمناً اُس میں وہ تنگ اور نشیبی زمین بھی شامل سمجھی جاتی تھی جو بحیرۂ خزر کے کنارے کنارے سَفید رُود کے ڈیلٹا سے لے کر اس بحیرۂ کے جنوب مشرقی گوشہ تک پھیلی تھی۔ مازِندران کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل وہ صرف اسی تنگ نشیبی زمین کے لئے بولا جاتا تھا، اور بعد میں پہاڑی علاقہ اس کے تحت میں شامل سمجھا گیا۔ آج کل طَبَرِستان کا لفظ متروک ہے۔

خلافت کے ابتدائی عہد میں سیاسی لحاظ سے اس صوبہ کی اہمیت بہت کم تھی؛ اور حقیقت میں آلِ ساسان کی سلطنت کا یہ وہ حصہ تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) چلے گئے ہیں۔ چنانچہ بہت لوگوں کا خیال ہے کہ (قصوں میں) قاف کے پہاڑ، جن کی نسبت مشہور ہے کہ وہ زمین کے گرد حلقہ کئے ہیں، وہ البُرز کے پہاڑ ہیں۔ مغرب میں سلسلہ گرجستان (Georgia) کے پہاڑوں سے مل گیا ہے۔ کاکیسس پہاڑ کی چوٹی البُرز کے لئے، دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۸۱ +

جس نے سب سے آخر میں اسلام قبول کیا۔ ایران کے باقی حصوں کی اسلامی فتح کے بعد اس صوبہ کے فرماں روا، جو یہیں کے رہنے والے تھے، اور اِسپہبُدانِ طَبَرِستان کہلاتے تھے، ایک صدی سے کچھ زائد تک اپنے پہاڑی قلعوں میں خود مختارانہ حکومت کرتے رہے۔ دوسری (آٹھویں) صدی کے نصف تک ان کے سکوں پر پہلوی زبان کی عبارت مضروب ہوتی رہی، اور زردشتی مذہب اس عظیم الشان سلسلۂ کوہ کے تمام بنوں اور جنگلوں میں مروج رہا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ لہسن، چاول، اور سن [کتان] اس ملک کی خاص پیداوار سمجھے جاتے تھے۔ پانی کے پرند اور مچھلیاں بہت ہوتی تھیں؛ اور یہاں باقی ملک ایران کے برعکس بارش بھی بہت ہوتی تھی۔ اس کے بعد کے زمانہ میں قزوینی لکھتا ہے کہ یہاں ریشم کے کیڑے بہت پالے جاتے تھے، اور ریشم بڑی مقدار میں وساور ہوتا تھا۔ اونی کپڑے، قالین، نقابیں، مندیل اور سوتی کپڑے بہت تیار کئے جاتے تھے۔ جنگلوں سے مختلف قسم کی لکڑی خصوصاً شمشاد، اور خلنج کاٹی جاتی تھی۔ خلنج کی لکڑی کے تیر، پیالے اور اور برتن بنائے جاتے تھے۔ طَبَرِستان میں مکانات لکڑی اور نرسل کے ہوتے تھے۔ کیونکہ ابن حوقل لکھتا ہے کہ گرمی جاڑے یہاں بارش ہوا کرتی تھی۔ اور اسی وجہ سے مکانوں کی چھتیں بھی گنبد نما بناتے تھے۔[1] (۲۷۰)

طبرستان کا دارالحکومت خلفاء عباسیہ کے آخری زمانہ میں آمُل تھا، گو تیسری (نویں) صدی میں خاندانِ طاہریہ کی طرف سے جو حاکم آتا تھا وہ اکثر سارِیَہ میں رہا کرتا تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ آمُل اُس

---

[1] ابن حوقل ص ۲۷۰، ۲۷۱ + مقدسی ص ۳۵۴ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۷۰ + یاقوت ج ۳ ص ۵۰۲۔ لفظ طبر کے لئے دیکھو صفحہ ۲۱۷ +

کے زمانہ میں قزوین سے بڑا اور خوب معمور شہر تھا۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ شہر میں ایک شفا خانہ (بیمارستان) اور دو جامع مسجدیں تھیں۔ ان میں سے ایک مسجد عتیق تھی، جو بازار میں تھی اور اسی کے گرد درخت تھے۔ مسجد جدید شہر پناہ کے قریب تھی۔ دونوں مسجدوں میں الگ الگ بڑا ارواق تھا۔ شہر کے سوداگر تجارت خوب کرتے تھے۔ گرد و نواح میں چاول کی کاشت بکثرت ہوتی تھی، اور ایک بڑے دریا سے جو شہر میں سے گذرتا تھا، کھیتوں میں آب پاشی کی جاتی تھی۔ یاقوت نے ان باتوں کے علاوہ اور کچھ بیان نہیں کیا۔ مستوفی نے البتہ شہر کی گرم اور مرطوب آب و ہوا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کھجور، انگور، اخروٹ، رنگترہ، اور ایک قسم کی نارنگی جسے بہتابی کہتے ہیں اور لیموں بافراط ہوتے تھے، اور جو عطریات یہاں تیار کیے جاتے تھے وہ دور و نزدیک مشہور تھے۔ آمُل کا بندرگاہ عَین الہُم کا چھوٹا سا شہر تھا، اور یہ اُس جگہ تھا جہاں آمُل کا دریا بحیرۂ خزر میں گرتا ہے۔ یاقوت نے عَین الہُم کو اَھلَم لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ بڑا شہر نہ تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور نے آمُل کو تاخت و تاراج کیا، اور مَاھانَہ سَر کے تین قلعوں کو، جو ساحل بحر کی سمت میں شہر سے چار فرسخ پر واقع تھے مسمار کر دیا۔

صوبۂ طَبَرِستان کا دوسرا اور آمُل سے پیشتر کا دارالحکومت سَارِیَہ تھا، جو آج کل سَارِی کہلاتا ہے، اور آمُل کے مشرق میں واقع ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ سَارِیَہ ایک معمور شہر تھا، جہاں کپڑا بہت بنا جاتا تھا۔ اُس کے بازار مشہور تھے۔ یہاں ایک چھوٹا سا قلعہ تھا اور اُس کے گرد خندق تھی۔ شہر میں ایک جامع مسجد تھی، جس میں ایک بہت خوبصورت نارنگی کا درخت تھا، اور ایک بڑا گھنا انجیر کا درخت شہر کے پل پر تھا۔ کشتیوں کے پل یہاں کے مشہور تھے۔ زمانہ مابعد میں سَارِیَہ کا حال بہت کم بیان ہوا ہے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی

یں مغلوں کی یورش سے اسے بہت نقصان پہنچا، اور جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو وہ تقریباً ویران ہو چکا تھا۔ گو اس کی اراضی میں اس وقت بھی انگور اور غلہ بافراط پیدا ہوتا تھا، اور ریشم کے کیڑے جو یہاں پرورش کیے جاتے تھے انہی کے ریشم سے کپڑے بنے جاتے تھے۔ [1]

(۳۷۱) دماوند کا عظیم الشان پہاڑ کل طبرستان پر چھایا ہوا ہے اور اس کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی ایران کی سطح زمین سے طہران کے جنوب میں سو میل سے بھی زیادہ فاصلے سے نظر آتا ہے، بلکہ مستوفی نے تو یہ لکھا ہے کہ وہ سو فرسخ سے دکھائی دیتی تھی، اور پہاڑ کی چوٹی ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھی۔ ایرانی افسانوں میں گو دنباوند جیساکہ ابتدائی مصنفوں نے اس کا نام لکھا ہے، سیمرغ کا وطن ہونے کی وجہ سے مشہور تھا، جو پرانے افسانوں کا ایک پرندہ ہے جس نے زال، یعنی رستم کے باپ کو پرورش کیا تھا۔ مستوفی نے ایران کے اس قومی ہیرو کے متعلق بہت سے عجیب وغریب قصے نقل کیے ہیں۔ ابن حوقل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم الشان پہاڑ ساوہ سے نظر آتا ہے اور وہ ایک گنبد کی طرح "بلند پہاڑوں میں اونچا اٹھا ہوا تھا"۔ اس مصنف کا خیال یہ تھا کہ کوئی فرد بشر آج تک اس کی چوٹی پر نہیں چڑھ سکا۔ وہ لکھتا ہے کہ اس کی چوٹی سے ہمیشہ دھواں اٹھتا دکھائی دیتا تھا۔ جادوگر یہاں اکثر آمد ورفت رکھتے تھے، اور عجیب وغریب حکایات اس پہاڑ کی نسبت مشہور تھیں، خصوصاً یہ کہ ایران کا پرانا جابر وجفاکار بادشاہ الضحاک (زہاک) اب بھی اس پہاڑ کے غاروں میں زندہ موجود ہے۔

دماوند نے اپنا نام ایک شہر اور ایک علاقہ کو بھی دے رکھا تھا

---

[1] ابن حوقل ص ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۲؛ مقدسی ص ۳۵۴، ۳۵۹؛ یاقوت ج ۱۔ ص ۳۵۴، ۹۰۹؛ مستوفی ص ۱۰۹؛ علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۹۱، ۵۷۱؛ ابوالفداء ص ۴۳۷۔

شہر دماوند جو ایک چھوٹا سا شہر تھا، اور جس کا نام مستوفی نے پشیان لکھا ہے، کوہ دماوند کی جنوبی شاخ پر واقع تھا، اور علاقۂ دماوند وہ عریض اور زرخیز قطعہ تھا۔ جو کوہ دماوند کے دامنوں کے گرد پھیلا ہوا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس علاقہ کا نام دِیمہ تھا۔ اس کا ذکر قریب کے شہر شَلَنبہ کے ساتھ ابن حوقل نے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان دونوں مقامات کی غلہ خیز زمینیں اور تاکستان، مشہور تھے۔ یاقوت کا گزر دِیمہ (یا وَیمہ) سے ہوا تھا، جو اُس وقت ویران ہو چکا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں سے فِیرُوزکوہ کا قلعہ نظر آتا تھا۔ اس قلعہ میں بھی یاقوت کا گزر ہوا تھا۔ مستوفی کا بیان ہے کہ اس قلعہ کو اُس دریا کے سرچشمہ سے پانی ملتا تھا جو خوار رَے میں سے گزرتا ہوا صوبۂ قُومس کی سطح زمین میں بہتا تھا۔ فیرُوزکوہ مازندران کے اُن قلعوں میں سے تھا، جن کی نسبت بیان ہوا ہے کہ تیمور نے انھیں محاصرہ کر کے فتح کیا تھا۔ کوہ دماوند کے ڈھال پر ایک دوسرا مشہور قلعہ اُستُوناوَند یا اُستُن آباد تھا۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ تین ہزار برس سے اس قلعہ کو کوئی نہ لے سکا تھا، مگر ۶۱۳ھ (۱۲۱۶ء) میں مغلوں نے ہلہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ یاقوت کہتا ہے کہ اس قلعہ کو جَرھُد بھی کہتے تھے، اور وہ رَے سے دس فرسخ کے فاصلہ پر تھا، اور یہ اس ملک کے پرانے مجوسی رئیس سِپَاہبُد کا قلعہ تھا۔ اس خاندان کے آخری تاجدار کو یحییٰ بن خالد برمکی نے شکست دی تھی، اور بادشاہ کی بیٹیوں کو قید کر کے بغداد لے گیا تھا۔ ان میں سے ایک سے جس کا نام بھَرِیَّہ تھا، خلیفہ منصور نے نکاح کیا، اور اُس کے بطن سے ہارون الرشید کا باپ مہدی پیدا ہوا۔ بعد کے زمانہ میں یہ قلعہ جسے ۳۵۰ھ (۹۶۱ء) میں بنی بُویہ کے سلطان فخرالدولہ نے دوبارہ تعمیر کروایا تھا، جانشینین کے قبضہ میں آ گیا۔[1] (۲۷۲)

---

[1] اصطخری ص ۲۰۰ + ابن حوقل ص ۲۶۵، ۲۷۰، ۲۷۱ + مقدسی ص ۲۹۲ + قزوینی ج ۲-

زمانہ وسطیٰ کے جغرافیہ نویسوں نے طبرستان کے بہت سے قلعوں اور شہروں کے نام لکھے ہیں، گو اب وہ نقشے پر نہیں ملتے۔ یہ شہر اور قلعے یا تو ساتویں (تیرھویں) صدی میں مغلوں کی یورش میں برباد ہوئے، یا تیمور نے ان کو فتح کر کے مسمار کرادیا، کیونکہ تیمور نے آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں مازندران کو ایک سے زیادہ مرتبہ تاخت وتاراج کیا تھا۔ اس کے علاوہ ان برباد شدہ قلعوں اور شہروں کے موقع اور محل نقشے پر محض اٹکل سے مرتسم کرنا بھی ممکن نہیں۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کا ذکر تک سیاحت ناموں میں نہیں آیا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے تین پہاڑی علاقوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سرسبز جنگل بہت تھے، اور زمین زرخیز تھی۔ یہ علاقے شہر ساریہ کے جنوب میں، اس سے ایک دن کی مسافت پر مغرب کی سمت میں بڑھتے ہوئے صوبہ گیلان کے علاقہ میں دیلم کی سرحد تک چلے گئے تھے۔ ان میں سے پہلا علاقہ جبل فادوسبان (یا فارسی طرز تحریر میں بادوسبان) تھا۔ یہ حقیقت میں اس خاندان کا نام تھا جس نے تقریباً آٹھ سو برس یعنی فتوحات اسلامی کے زمانہ سے لے کر مغلوں کی یورش تک، اس علاقہ پر نیم خود مختارانہ حیثیت سے حکومت کی تھی۔ یہ تمام پہاڑی علاقہ گاؤں اور قریوں سے پٹا پڑا تھا۔ ان میں سب سے بڑا گاؤں قریۂ منصود تھا؛ ایک دوسرا گاؤں اُرم خاست یا اُرم خاستہ تھا۔ اس میں دو بستیاں ایک اوپر اور ایک نیچے تھیں۔ یہ سب گاؤں شہر ساریہ سے ایک دن کی مسافت پر سے تھے، لیکن پہاڑ کے دامن پر یہاں کوئی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ص ۱۹۵+ یاقوت ج ۱۔ ص ۲۴۳، ۲۴۴+ ج ۳۔ ص ۳۹۰+ ج ۴ ص ۹۴۴+ مستوفی ص ۱۹۱، ۲۰۲، ۲۰۴+ علی یزدی ج ۲۔ ص ۱۱۰+ قلعہ فیروزکوہ اب تک موجود ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ استوناوندا کا اصلی موقع اب تک دریافت نہیں ہوا۔

شہر اتنا بڑا نہ تھا کہ اُس میں جامع مسجد ہوتی۔

فادُوسبان سے ملحق جبل قارِن کا علاقہ تھا۔ اس علاقہ کا نام ایک مشہور خاندان کے نام پر ہو، جسے قارِن کہتے تھے، اور جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ وہ پہلوی نسل سے تھا۔ بہرکیف امراء قارِن کے نام ساسانیوں کی تاریخ میں آئے ہیں، اور مسلمانوں کے زمانہ میں بھی قارِن کا خاندان اس علاقہ پر حکمراں تھا۔ امراء قارِن کا بڑا قلعہ، جس پر وہ ساسانیوں کے زمانہ سے قابض تھے، فِرِّزم کے مقام پر تھا، اور اس علاقہ میں آبادی کا بڑا مرکز شہر سِمھار (یا سِمھار) تھا۔ اس علاقہ میں صرف یہیں ایک جامع مسجد تھی۔ افسوس ہے کہ کسی سیاحت نامہ میں فِرِّزم کی صحیح جاء وقوع نہیں بتائی گئی۔ یاقوت نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں، اور مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس کا ذکر کیا ہے۔ مستوفی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ صوبۂ قُومِس کی سرحد پر واقع تھا۔ تیسرا پہاڑی علاقہ جبل الرُّوَیْنج کا تھا، جو رے کے شمال، اور اسی وجہ سے دَیلم کی سرحد سے قریب تر واقع تھا۔ اس علاقے کے کسی شہر یا گاؤں کا ذکر نہیں ہوا لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ بہت زرخیز اور شاداب علاقہ تھا، اور اس کے پہاڑوں کے دامن درختوں اور جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔[1]

(۳۷۳)

---

[1] اصطخری ص ۲۰۵، ۲۰۶ + ابن حوقل ص ۲۶۸، ۲۶۹ + یاقوت ج ۱ ص ۲۱۲ + ج ۲ ص ۳۲۴، ۹۰۸ + مستوفی ص ۱۹۱ + اصطخری اور ابن حوقل کی کتابوں میں نقطوں کے غلط جگہ لگ جانے سے بجائے فادُوسبان کے قادُوسیان چھپ گیا ہے، اور اسی بنا پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ یہاں کے رہنے والے وہی ہیں جن کو اسٹریبو نے کدوسی (Cadusii) لکھا ہے + دیکھو نولڈکے (Noldeke) کی کتاب (Geschichte der Perser und Araber zur Zeit der Sassaniden) ص ۱۵۱، حاشیہ ۲ + اس مصنف نے لکھا ہے ساسانیوں کے عہد میں بادُوسبان اس سرحدی

آمُل سے ایک دن کی مسافت یا پانچ فرسخ مغرب میں ساحل بحر کے قریب سطح زمین پر ناتِل یا ناتِلَہ کا شہر تھا۔ اس سے اتنے ہی فاصلے پر مغرب میں سالوس یا شالُوس کا شہر تھا، جس کی نسبت مقدسی نے لکھا ہے کہ اس میں ایک سنگ بستہ قلعہ اور اس سے متصل جامع مسجد تھی۔ اس نام کا املا سالُوس بھی کیا گیا ہے۔ اس کے قریب دو اور شہر تھے، یعنی اَلکَبِیرَہ اور کجّہ۔ تیمور کی فوجی مہموں کے حالات میں شالُوس کو جالُوس لکھا گیا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ تیمور کی لڑائیوں سے ہمیشہ کو تباہ ہو گیا تھا۔ اس تباہی میں جنوبی سمت کے پہاڑی علاقے، یعنی رُویان اور رُستمداری بھی شامل تھے[1]۔

شہر کلار، جسے یاقوت متذکرہ صدر شہر کجّہ سے مطابق سمجھتا ہے، شالُوس سے ایک مرحلہ کے فاصلے پر تھا۔ لیکن کلار بالکل پہاڑوں میں واقع تھا۔ کلار سے دیلم کی سرحد صرف ایک مرحلہ رہ جاتی تھی۔ یہاں ناموں میں کچھ خلط ملط واقع ہو گیا ہے، لیکن کلار، کجّہ اور رُویان اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ متصل اور ہمسایہ شہر تھے۔

(بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) علاقہ کے حاکم دیوانی اور اِسپَہبُد حاکم فوج ہوتے تھے۔ دیکھو جسٹی (Justi) کی کتاب .Iranisches Namebueh ص ۱۵۶، مضمون کارین Karen اور صفحہ ۲۴۵، مضمون پٹ کوسپن (Patkospan)۔ اسلامی عہد میں بادوسبان کے امراء کی فہرست کے لئے دیکھو جی، مل گناف (Melgunof) کی کتاب Das Sudliche Ufer des Kaspischen meers. ص ۵۰ + اور قارن کے امراء کے لئے: دیکھو اسی کتاب کا صفحہ ۵۲ +

[1] ابن حوقل ص ۲۷۰ + مقدسی ص ۳۵۹ + ابوالفداء ص ۳۰۵ + یاقوت ج ۳۔ ص ۱۲، ۲۲۷، ۵۰۴ + ج ۴۔ ص ۲۰۶ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۹۱ + شالُوس کے متعلق بیان ہوا ہے کہ وہ رَے سے صرف آٹھ فرسخ تھا، لیکن اگر یہ مقام بحیرۂ خزر کے ساحل پر یا اس کے قریب تھا، تو اس کا رے سے اس قدر قریب ہونا یقیناً غلط ہے۔

(۳۷۴) اس کے علاوہ رُدیان ایک علاقہ کا نام اُن بڑے علاقوں میں سے تھا جو صوبۂ طَبَرِستان کی مغربی سرحد پر پہاڑوں میں واقع تھے۔ ابوالفداء نے لکھا ہے کہ شہر رُویان شارِستان بھی کہلاتا تھا، اور شہر قزوین سے سولہ فرسخ کے فاصلے پر ایک پہاڑی درّہ کی چوٹی پر واقع تھا۔ یاقوت کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آمُل طَبَرِستان کی نشیبی سطح زمین کا مستقر تھا اسی طرح رُویان اس صوبہ کے پہاڑی علاقہ کا دارالحکومت تھا۔ اس میں خوبصورت عمارتیں تھیں، اور اس کے باغات پھلوں کی کثرت پیداوار میں مشہور تھے۔

دَیلَم کی سرحد پر طاق کا مضبوط اور مستحکم قلعہ طَبَرِستان کے اسپہبدی حکمران کا، جسے خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں حکومت سے محروم کیا گیا، آخری آماجگاہ رہا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ یہ قلعہ اُسی علاقہ رُویان میں (جس کا اوپر ذکر ہوا) واقع ہوگا۔ یاقوت اور قزوینی دونوں نے کسی قدر تفصیل سے اس قلعہ کا حال لکھا ہے، اور پرانے مصنفوں کی عبارتیں اس کے متعلق نقل کی ہیں۔ قلعہ طاق کی نسبت جو ساسانیوں کے زمانہ سے چلا آتا تھا، سمجھا جاتا تھا کہ اُسے کوئی فتح نہیں کر سکتا۔ یہ قلعہ پہاڑوں کے اوپر تھا، اور پہاڑ قلعہ کے گرد تھے ان کو اندر اندر ہی کھود کر ایک سرنگ بنائی گئی تھی، اور اسی سرنگ سے اس قلعہ میں داخل ہونے کا راستہ تھا۔ منہ اس سرنگ کا ایک کھلی ہوئی وادی میں کھلتا تھا، جس کے گرد اونچے اونچے پہاڑ سیدھے کھڑے تھے۔ ان پہاڑوں میں بہت سے غار تھے۔ ان ہی میں ایک غار سے ایک چشمہ نکلتا تھا، جس کا پانی بڑے زور سے بہتا تھا، اور تھوڑی دور بہ کر ایک دوسرے غار میں گر کر غائب ہو جاتا تھا۔ یاقوت نے اس مقام کے عجائبات تفصیل سے لکھے ہیں۔

سَفید رُود کے مشرقی معادن (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۰) یعنی شاہ رُود کے سرچشموں کے قریب رُستمدار کا علاقہ، جس میں مستوفی لکھتا ہے کہ تین سو

قریب شمال تھے، واقع تھا، اور اس طرح یہ علاقہ شاہ رود کے بہت سے معاون دریاؤں سے سیراب ہوتا تھا؛ قزوین اور آمُل کے درمیان علاقۂ دُویان کے مشرق میں پڑتا تھا۔ اور جیسا کہ اس کتاب کے پندرھویں باب میں صفحہ حاشیہ ۲۲۱ میں بیان ہو چکا ہے شَاہ رُود کے کنارے اسماعیلیوں یا حشیشین کے دو بڑے قلعے واقع تھے، اور غالباً اسی دُستماداد کے علاقہ میں کَلام کا قلعہ تھا، جسے یاقوت نے طَبَرِستان کا ایک قدیم قلعہ بتایا ہے۔ یہ بھی اسماعیلیوں کے قبضہ میں رہا تھا۔ اسے سلطان ملک شاہ سلجوقی کے بیٹے سلطان محمد نے آخرکار مسمار کرا دیا۔[1]

آمُل سے دو فرسخ مشرق میں، سمندر کے کنارے سڑک پر مِیلَہ کا شہر تھا، اور اس سے تین فرسخ آگے بَرجی کا شہر سَارِیَہ سے ایک مرحلہ پر تھا۔ مَمطِیر یا مامطِیر کا شہر آمُل اور سَارِیَہ دونوں سے ایک ایک مرحلہ، اور ساحل بحر سے چھ فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ شہر بعد کے زمانہ والے بار فروش سے مطابق ہوتا ہے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ مَمطِیر میں ایک جامع مسجد تھی، اور شہر سے متصل اراضی نہایت زرخیز تھیں۔ سَارِیَہ سے قریب، غالباً مشرق کی سمت میں، نَامِیَہ (یا نامِشَہ) کا شہر، جس کا علاقہ عمدہ تھا، سادیہ سے بیس فرسخ، اور طَمِیسَان کا شہر سَارِیَہ سے دس فرسخ کے فاصلہ پر آباد تھا۔ اور یہاں ایک ہزار فوج مقیم رہتی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ نامِیَہ اور طَمیسَان دونوں کا موقع بالکل غیر متعین ہے۔ طَبَرِستان کی مشرقی سرحد پر، سَارِیَہ سے تین مرحلوں کے فاصلے سے، اَستَرآباد جانے والی سڑک پر، اَستَرآباد سے صرف ایک مرحلہ ادھر تمیس

(۳۷۵)

---

[1] ابن حوقل ص ۲۷۵؛ یاقوت ج ۲۔ ص ۳۷۸؛ ج ۳۔ ص ۹۳، ۴۹۰، ۵۰۴؛ ج ۴۔ ص ۴۴۰، ۲۹۶، ۲۹۷؛ قزوینی ج ۲۔ ص ۲۳۸؛ ابو الفداء ص ۴۳۵؛ مستوفی ص ۱۹۰؛

یا تمیسہ کا شہر تھا۔ یہ شہر اُس سنگ بستہ بلند روش کے کنارے تھا جو یہاں کی مُردابی قطعوں پر سے گزرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ یہ سنگین روش یا بندا نوشیروان عادل نے اس غرض سے بنوایا تھا کہ بڑی سڑک جو یہاں آتی تھی وہ اس مُرداب کو باسانی اس سنگین روش پر سے گزر کر طے کر لے۔ [1]

بحیرۂ خزر کے جنوب مشرقی گوشہ پر وہ خلیج ہے، جسے آج کل خلیج اَسْتَرآباد کہتے ہیں۔ یہاں سے ریتی کی ایک لمبی پٹی سی مشرق کی طرف پھیلی چلی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ جرجان والے ساحل کے قریب تک پہنچ جاتی ہے۔ اس خلیج کا ذکر مع اُس کے جزیرہ نما کے مستوفی نے مُردان کے نام سے کیا ہے۔ یہاں کی بستی آٹھویں (چودھویں) صدی میں بہت معمور تھی، اور بحیرۂ خزر کے مختلف حصوں سے جس قدر جہاز آتے تھے اُن کا بندرگاہ تھی۔ اس کا فاصلہ اَسْتَرآباد سے صرف تین فرسخ تھا، اور شہر جو بندرگاہ کے عقب میں تھا شَہرآباد کہلاتا تھا۔ وہاں تجارت کی خوب گرم بازاری تھی۔ اس سے متصل علاقہ کبودجامہ کہلاتا تھا؛ اس میں ریشم بہت تیار ہوتا تھا، اور غلہ پیدا کرنے کی زمینیں اور تاکستان بہت تھے۔ یہ کسی زمانہ میں مرفہ الحال علاقہ تھا، لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور کی لڑائیوں کی وجہ سے بالکل تباہ ہو گیا۔ شہر رُوغد یا رُدغد غالباً کبودجامہ کے علاقہ میں تھا۔ مازندران میں داخلہ کے وقت اس شہر سے تیمور کا گزرنا

---

[1] ابن حوقل ص ۲۷۵ + یاقوت ج ۲۔ ص ۳۰۵، ۵۰۴، ۵۴۷ + ج ۴۔ ص ۳۹۸، ۶۴۲، ۶۹۹، ۷۲۳ + بارفروش کا نام بارہ فروش دِہ کی صورت میں سب سے پہلے ہفت اقلیم مصنفہ احمد رازی میں، جو دسویں (سولھویں) صدی کی تصنیف ہے آیا ہے۔ دیکھو ڈورن (Dorin) کی کتاب Muhammedanische Quellen فارسی کی متن کی جلد ۴۔ صفحہ ۹۹۔

بیان ہوا ہے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ یہ خاصا بڑا شہر تھا، اس کا دور چار ہزار قدم تھا، اور وہ بہت زرخیز زمینوں میں واقع تھا، جہاں مختلف قسم کے میووں کے علاوہ غلے اور روئی کی کاشت بہت ہوتی تھی۔

طَبَرِستان کی پیداوار اور مصنوعات میں جن چیزوں کا ذکر اس کتاب کے صفحہ حاشیہ ۳۶۹ میں ہو چکا ہے۔ اِن کے علاوہ مقدسی (۳۷۶) نے لکھا ہے کہ یہاں لباس کے لئے کپڑا نہایت باریک اعلیٰ درجہ کا اور طیلسانی نقابیں بہت عمدہ تیار ہوتی تھیں۔ وساور کے لئے بھی وہاں موٹی قسم کا کپڑا بہت بنا جاتا تھا۔ قدرتی پیداوار میں خلنج کی لکڑی یہاں کے جنگلوں سے کاٹ کر کندوں کی شکل میں باہر بھیجی جاتی تھی، اور وہاں کے کاریگر اس سے پیالے اور اور قسم کے برتن تیار کرتے تھے۔ خلنج کے درخت کی نسبت بیان ہوا ہے کہ اس کی لکڑی میں طرح طرح کے رنگ ہوتے تھے، اور وہ خوشبودار ہوتی تھی، اور کبھی کبھی تسبیح کے دانے بھی بنائے جاتے تھے۔ اس قسم کی بہترین لکڑی صرف طَبَرِستان کے پہاڑوں میں ہوتی تھی۔[1]

جُرجَانْ

صوبۂ جُرجَان یا گُرگان جیسا کہ ایران کے لوگ اس کا تلفظ کرتے تھے، بحیرۂ خزر کے جنوب مشرقی گوشہ پر واقع تھا۔ یہ زیادہ تر اُن مسطح زمینوں اور وادیوں پر مشتمل تھا جنھیں دریائے جُرجَان اور دریائے آترَك سیراب کرتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں یہ علاقہ کو خُراسان

---

[1] مقدسی ص ۳۶۷، مستوفی ص ۱۹۰، ۱۹۱، جہاں نما ص ۳۳۹، ۳۴۱، علی یزدی ج ۱، ص ۲۴۹۔ خلیج اشرادہ اور جزیرہ نما کی شکل چودھویں صدی عیسوی سے جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی تھی اب تک بہت بدل گئی ہے، اور شہر اور بندرگاہ کی اصلی جاء وقوع معلوم نہیں۔

کے ماتحت تھا، لیکن ہمیشہ بذات خود ایک صوبہ سمجھا گیا تھا۔ گو مغلوں کی فتوحات کے بعد سے جو تبدیلیاں ہوئیں ان کے بعد جرجان کا سیاسی الحاق مازندران سے کر دیا گیا۔ بحیرۂ خزر کے جنوبی ساحل سے قریب اور جس قدر علاقے تھے انھیں کی طرح علاقہ جرجان کو بھی ساتویں (تیرھویں) صدی میں پہلے مغلوں نے اور پھر آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور نے فتح کر کے غارت کیا۔

مقدسی لکھتا ہے کہ جرجان میں چونکہ ندیاں بہت تھیں اس لیے اس کی سطح زمینیں اور پہاڑیاں میووں کے باغوں سے پٹی پڑی تھیں، جن میں انگور، کھجور، اور نارنگی بافراط پیدا ہوتے تھے۔ اس صوبہ کا سب سے بڑا دریا اسی صوبہ کے نام پر دریائے جرجان تھا۔ مقدسی چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں اس دریا کو دریائے طیفوری کہتے تھے۔ دریائے اَترَک کا نام مقدسی نے نہیں لکھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے دریائے جرجان کا نام آب جرجان لکھا ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ شہر نو کی وادی سے یہ دریا نکلا تھا، اور یہاں سے سلطان درین کی سطح زمین پر سے گزرتا ہوا شہر جرجان پہنچ جاتا تھا، اور اس شہر سے بہتا ہوا خلیج نیم مردان کے جزیرۂ اَبَسکُون کے قریب بحیرۂ خزر میں گر جاتا تھا۔ دریائے جرجان اپنے رہگزر میں ہر جگہ بہت گہرا تھا، اور تقریباً کہیں پایاب نہ تھا؛ چنانچہ مسافر اس کو اکثر بغیر کشتی کے عبور کرنے میں ڈوب جایا کرتے تھے۔ طغیانی کے زمانہ میں دریا کے فاضل پانی کو نہریں لے لیتی تھیں، اور وہ آب پاشی کے کام میں آتا تھا۔ پھر بھی بہت سا پانی ضائع جاتا تھا۔ (۳۷۷)

دریائے اَترَک دریائے جرجان سے طول میں زیادہ ہے۔ یہ دریا خراسان کی سطح زمینوں میں نَسا اور خبوشان کے درمیان دریائے مَشہد کے منبع کے قریب سے نکلتا ہے۔ دریائے مشہد اترک سے بالکل مخالف سمت میں جنوب مشرقی کی طرف بہتا ہے۔ دریائے اترک

بھی بہت گہرا ہے، اور مستوفی کا بیان ہے کہ اُس کا بڑا حصہ ایسا ہے جس میں کہیں سے پایاب نہیں ہے۔ دِھستان کی سرحد کے برابر برابر صوبۂ جُرجان کی شمالی حد سے ملا ہوا بہہ کر یہ دریا آخر کار ایک سو میں فرسخ کی لمبی راہ طے کر کے بحیرۂ خزر میں گر جاتا ہے۔ لفظ اَتْرِک کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ محض تُرک کی جمع ہے، اور اس کو دریائے اَتْرِک اس لئے کہا گیا کہ اُس کے کناروں پر کسی زمانہ میں تُراک آباد تھے۔ بہرکیف شروع زمانہ کے کسی عرب جغرافیہ نویس کی کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اِس دریا کا کوئی خاص نام تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی پہلا شخص ہے جس نے اس کا نام اَتْرَک لکھا ہے، اور اسی نام سے یہ اب تک مشہور ہے [1]۔

صوبۂ جُرجان کا دارالحکومت اسی نام پر شہر جُرجان ہے، جسے آج کل ہم گُرگان کہتے ہیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ ایک عمدہ شہر تھا، اس کے مکانات پکی اینٹوں کے تھے، اُس کی آب و ہوا آمل سے زیادہ خشک تھی، کیونکہ طَبَرِستان کے مقابلہ میں جُرجان میں بارش کم ہوتی تھی۔ شہر کے دو حصے تھے؛ ایک دریائے جُرجان کے اس کنارے پر تھا اور دوسرا دوسرے کنارے پر۔ ان دونوں حصوں کو ملانے کے لئے دریا کو یہاں کشتیوں پل سے عبور کرتے تھے۔ جُرجان کا نام خاص طور پر مشرقی حصہ کے لئے، جو شہر کا نصف تھا، بولا جاتا تھا۔ مغربی حصہ بَکْر آباد تھا، جو شہر کی بیرونی بستی سمجھا جاتا تھا۔ ابن حوقل، جو یہاں ایک مرتبہ آیا تھا، اس کے بیان

---

[1] مقدسی ص ۳۵۴، ۳۶۶، مستوفی ص ۲۱۲، ۲۱۳ + جہاں نما ص ۲۴۱ + حافظ ابرو ص ۱۳۲ (a) صحیح یا کا نام اسی طرح یعنی تیسرے زبر کے ساتھ، نہ کہ رے بعد الف کے ساتھ لکھا اور پڑھا جاتا ہے، مگر تُرک کی جمع اتراک ہے۔ اس لئے اَلتُرک کی جو وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے وہ غالباً غلط ہے۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے دونوں حصے مل کر وسعت میں رَی کے برابر ہوتے تھے۔ شہر کے گرد و نواح کے باغوں میں میوہ بافراط ہوتا تھا، اور ریشم بڑی مقدار میں تیار کیا جاتا تھا۔ مقدسی نے جُرجان کے خاص حصے کو، جو دریا کے مشرقی کنارے تھا، شہرستان لکھا ہے۔ اس میں عمدہ مسجدیں اور بازار تھے۔ جن میں کے انار، زیتون، تربوز، اترنج، اور قریب کے باغوں کی نارنگیاں، لیموں اور انگور سستے فروخت ہوتے تھے، اور یہ سب میوے نہایت خوش ذائقہ ہوتے تھے۔ شہر میں سے متعدد نہریں گزرتی تھیں، جن سے لوگوں کا گزر یا تو بجرا بدار پلوں سے یا تختوں پر سے ہوتا تھا، جو کشتیوں پر ڈالدئے گئے تھے۔ ایک بڑا چوک یا میدان حاکم شہر کے محل [دارالامیر] کے سامنے تھا۔ شہر کے اس حصہ میں نو دروازے تھے۔ شہر جُرجان میں سب سے بڑی خرابی وہاں کی سخت گرمی تھی، مکھیاں اور کیڑے بکثرت ہوتے تھے۔ خصوصاً یہاں کے کھٹمل اتنے موٹے ہوتے تھے کہ ان کا نام "بھیڑیا" (گرگان) رکھ دیا گیا تھا۔ بکر آباد بھی جسے مقدسی بکر آباذ لکھتا ہے، ایک آباد و معمور شہر تھا۔ اس کی مسجدیں اپنی الگ تھیں، اور مکانات دریا سے شروع ہو کر اندر کو بہت دور تک اور دریا کے مغربی کنارے کے برابر برابر تھوڑی دور تک چلے گئے تھے۔

(۳۷۸)

جب قزوینی نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں اپنی کتاب لکھی ہے تو شہر جُرجان شیعوں میں اس وجہ سے مشہور تھا کہ وہاں گورسرخ تھی، جس کی نسبت مشہور تھا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے کسی کی قبر ہے۔ مستوفی کا بیان ہے کہ اس میں امام سادس حضرت امام جعفر صادق کے بیٹے محمد دفن تھے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس شہر کو ملک شاہ سلجوقی کے پوتے نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اور اس کی شہرپناہ کا دور سات ہزار قدم تھا۔

آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب اُس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو شہر ایک بڑی حد تک ویران ہو چکا تھا۔ مغلوں کی یورشں کے بعد پھر اس کو پنپنا نصیب نہیں ہوا۔ قزوینی نے بہرکیف یہاں کے عمدہ پھولوں کی تعریف کی ہے، اور ان میووں کے علاوہ جس کا ذکر اوپر ہوا، لکھا ہے کہ عناب یہاں بہت پھلتا تھا یہاں تک کہ دو یا تین برس کا لگایا ہوا درخت فصل میں دوبارا اچھا پھل دینے لگتا تھا۔ مستوفی کے زمانہ میں یہاں بالکل شیعہ آباد تھے لیکن ان کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ ۷۹۵ (۱۳۹۳) میں تیمور، جو اس وقت تک تمام مازندران اور قرب و جوار کے علاقوں کو تباہ کر چکا تھا، جرجان آکر ٹھیرا، اور یہاں اُس نے دریا کے کنارے اپنے لیئے شاہمن کا عظیم الشان محل تیار کرایا، جس کا ذکر حافظ ابرو نے خاص طور پر کیا ہے[1]۔

صوبہ جُرجان کا دوسرا بڑا شہر جُرجان سے درجے میں کم اَستَرآباد مَازندَران کی سرحد کے قریب واقع تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ ایک عمدہ شہر تھا، اور اس کی آب ہوا گرد و نواح کے تمام علاقہ میں بہترین تھی۔ یہاں کی بڑی پیداوار ریشم کچا ریشم تھا،

---

[1] ابن حوقل ص ۲۷۲، ۲۷۳ + مقدسی ص ۷، ۳۵۷، ۳۵۸ + قزوینی ج۔ ۲ ص ۲۲۵ + مستوفی ص ۱۹۰ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۵۰۸ + حافظ ابرو ص ۳۲ (a)
چوتھی (دسویں) صدی کے دوران میں جرجان پر اسی علاقہ کا رہنے والا ایک خاندان آل زیار حکمران تھا۔ اس خاندان کی حکومت طبرستان اور قرب و جوار کے علاقوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس کا سب سے زیادہ مشہور رئیس قابوس تھا، جس نے ۴۰۳ (۱۰۱۲ء) میں وفات پائی۔ اس کا مقبرہ جو گنبد قابوس کہلاتا ہے۔ اب تک شہر جُرجان کے کھنڈروں کے قریب موجود ہے۔ دیکھو سی، ای، ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan ص ۲۴۹۔ ۲۵۱۔

اور اس کے زمانہ میں یہاں کا قلعہ کھنڈر ہو چکا تھا، کیونکہ آلِ زیار اور بنی بُویہ کی لڑائیوں میں بنی بُویہ نے اس علاقہ کو خوب لوٹا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر کے دروازے کے قریب بازار میں وہ جامع مسجد اب تک موجود تھی جو اسلامی فتوحات کے وقت یہاں تعمیر ہوئی تھی۔ یاقوت اور مستوفی دونوں کی تحریر سے مذکورہ بالا بیان کی توثیق ہوتی ہے۔ انھوں نے اَستَرآباد کی آب و ہوا اور وہاں چیزوں کی افراط کی تعریف کی ہے، لیکن کوئی نئی بات نہیں لکھی۔ بحیرۂ خزر کے کنارے آبَسکُون کو شہر جُرجان اور اَستَرآباد دونوں کا بندرگاہ بنایا گیا ہے۔ یہ مقام ان دونوں شہروں سے ایک ایک دن کی مسافت پر تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں مغلوں کی یورش کے بعد اس بندرگاہ پر سمندر چڑھ آیا تھا۔ اصطخری اور ابن حوقل دونوں نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ آبَسکُون ریشم کی بڑی تجارت گاہ تھا، اس زمانہ میں ترکوں اور غُزّ کے حملوں کے جواب کے لئے یہ ایک سرحدی مقام تھا، اور بحیرۂ خزر کے کنارے کنارے کشتیوں میں جس قدر مالِ تجارت گیلان کو جاتا تھا اس کا یہ بڑا بندرگاہ تھا۔ اس کی حفاظت کے لئے پختہ اینٹوں کا بنایا ہوا ایک قلعہ تھا، اور شہر کی جامع مسجد بازار میں تھی بستوقی نے اُسے "جُرجان کا بڑا بندرگاہ" لکھا ہے، اور یاقوت لکھتا ہے کہ بحیرۂ خزر خود اکثر بحیرۂ آبَسکُون کہلاتا تھا۔ تاریخ میں آبَسکُون کی شہرت اس وجہ سے ہے کہ خوارزم شاہی خاندان کے آخری بادشاہ محمدؒ نے مغلوں کی فوجوں سے بھاگ کر یہیں پناہ لی تھی، اور یہیں ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں سخت پریشان اور خستہ حال رہ کر وفات پائی تھی[1]۔

(۳۷۹)

[1] اصطخری ص ۲۱۳، ۲۱۴ + ابن حوقل ص ۲۷۳، ۲۷۴ + مقدسی ص ۳۵۸ + یاقوت ج ۱۔ ص ۵۵، ۲۴۲ + مستوفی ص ۱۹۰، ۲۲۵ + ابن سراپیون (نولیہ ص ۴۶ حا) نے

آبسکون کے شمال میں چھ دن کی مسافت پر (یعنی پچاس فرسخ کے فاصلے سے) شہر جرجان سے چار منزل دِہستان کی بستی اسی نام کے علاقہ میں واقع تھی۔ یہ بستی چوتھی (دسویں) صدی میں ترکی سرحد پر جرجان کا ایک فوجی مقام تھی۔ ابن حوقل نے لکھا ہے دِہستان بحیرۂ خزر کے ساحل کے قریب تھا۔ یہاں کی بستیاں چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے، کچھ باغ تھے، آبادی کم اور منتشر تھی۔ اس کے قریب ہی بحیرۂ خزر کی ایک کم گہرائی کی جھیل تھی، جہاں کشتیاں لنگر ڈالتی تھیں، اور ساحل کے رہنے والے ماہی گیری بہت کرتے تھے۔ علاقۂ دِہستان کی سب سے بڑی بستی آخور کہلاتی تھی۔ مقدسی نے اس کا ذکر شہر کی حیثیت سے کیا ہے، جس کے گرد چوبیس گاؤں تھے، اور یہ گاؤں صوبۂ جرجان میں سب سے زیادہ آباد مقام تھے۔ آخور میں ایک منار یا برج تھا، جسے ریگستان سے دیکھئے تو دور سے نظر آتا تھا۔

آخور کے شمال میں الرِّباط تھا۔ یہ ایک بڑی بستی اس مقام پر تھی جہاں سے خوارزم جانے کے لئے ریگستان والا راستہ شروع ہوتا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ رباط کے تین دروازے تھے، اور یہ شہر اس کے زمانہ میں سب ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ پھر بھی آبادی بہت تھی۔ (۳۸۰) اس کے بازار عمدہ تھے، چند عمدہ تعمیر کے مکانات اور خوشنما مسجدیں بھی تھیں۔ مسجدوں میں سے مسجد عتیق کے متعلق مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ چوبی ستونوں پر قائم کرکے بنائی گئی تھی، اور اس کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی آدھی عمارت زمین کے اندر ہے۔ اس مسجد میں ایک خوبصورت منار بھی تھا۔ یاقوت نے علاقۂ دِہستان کے ان مقامات کے علاوہ اور مقامات کا، یعنی خرتیز، فرغول

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) لکھا ہے کہ شہر آبسکون دریائے جرجان پر اس جگہ کے قریب واقع تھا، جہاں یہ دریا بحیرۂ خزر میں گرتا ہے۔

اور ھبرااثان کے قریوں کا ذکر کیا ہے، لیکن حالات کی تفصیل نہیں کی۔ مستوفی لکھتا ہے کہ یہ علاقہ مسلمانوں اور غیر مسلم ترکوں اور کردوں میں حد فاصل تھا۔ اس علاقہ کی آب و ہوا گرم تھی، ایک ندی اس کی مزروعہ اراضی کو سیراب کرتی تھی، اور یہاں میوہ بہت کم پیدا ہوتا تھا۔[1]

دِھِستان سے چار منزل، ریگستان کے کنارے، جہاں خوارزم میں سے گزرنے کے لئے سڑک شروع ہوتی تھی، شہر فراوہ واقع تھا، جس کی نسبت اصطخری نے لکھا ہے کہ وہ دشت غُز کا شہر تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں رضاکاروں [مُتطوعہ] کی ایک جماعت بڑی تعداد میں مقیم تھی، اور یہاں ایک بڑا رُباط تھا، جس کی غرض یہ تھی کہ جو علاقہ اس کی پشت پر تھا اس کو مغلوں کی یورش سے محفوظ رکھے۔ یہاں کے باغ اور کھیت وسعت میں کم تھے، اور مشکل سے ایک ہزار خاندان شہر یا بستی میں آباد ہوں گے۔ مقدسی نے فَراوہ کا املا اَفراوہ کیا ہے، اور یاقوت نے لکھا ہے کہ یہ ایک رُباط تھا، جسے خاندان طاہریہ کے بادشاہ عبداللہ نے خلیفہ مامون عباسی کے عہد میں تعمیر کرایا تھا۔ فراوہ کے موقع سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلا شبہ یہ وہی مقام ہے جسے آج کل قِزِل آروَت کہتے ہیں، جو قِزِل رُباط (یعنی سرخ رُباط) کی خرابی ہے۔ صوبۂ جُرجان کے

---

[1] ان مقامات کے شکستہ آثار اب تک بادیۂ خوارزم کی سرحد پر مِسْرِیان کے مقام پر، ان پہاڑوں کے قریب، جو آج کل کُورِن داغ کہلاتے ہیں، دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن مدت سے یہاں زراعت کو بالکل ترک کردیا گیا ہے، اور آج کل یہ علاقہ ایک صحرا، بے آب و گیاہ ہے۔ ابن حوقل ص ۲۷۷، ۲۸۶۔ مقدسی ص ۳۵۰، ۳۵۹۔ یاقوت ج ۱۔ ص ۹۶، ۵۰۰ + ج ۲۔ ص ۴۱۸، ۶۲۳ + ج ۳۔ ص ۸۰۰ + ج ۴۔ ص ۹۴۹۔ مستوفی ص ۱۹۰، ۱۹۷ +

ان مقامات کے علاوہ صرف چند مقام اور ایسے ہیں جن کا ذکر یاقوت نے کیا ہے۔ یہ سب مختلف قریے تھے جو شہر جُرجان یا اَستر آباد سے متعلق تھے؛ لیکن نہ اُن کے حالات کی تفصیل کی ہے اور نہ اُن کے موقع بتائے ہیں، اور اکثر نام بھی ایسے ہیں جن کا صحت کے ساتھ پڑھنا یقینی نہیں۔[1]

مقدسی نے صوبۂ جرجان کی مشہور مصنوعات میں ایک خاص قسم کے نقاب کا ذکر کیا ہے جو کچے ریشم سے بُنی جاتی تھی، اور اُس کے زمانہ میں یہ نقابیں جنوبی عرب کے علاقہ یمن میں بکثرت دساور کی جاتی تھیں۔ ادنے قسم کا زربفت (دیباج) بھی یہاں تیار ہوتا تھا۔ (۳۸۱)

صوبۂ جُرجان کے میووں میں انگور انجیر اور زیتون مشہور تھے۔[2]

طَبَرِستان اور جُرجان میں سے گزرنے والی بڑی سڑکوں کی تعداد بہت نہیں ہے، کیونکہ طَبَرِستان میں پہاڑ ایسے حائل ہیں کہ سڑکوں کا ان میں سے نکلنا سخت دشوار تھا۔ اصطخری (جس کی عبارت ابن حوقل نے نقل کی ہے) اور مقدسی دونوں نے اُس سڑک کا ذکر کیا ہے جو رَے سے چل کر شمال کی سمت میں پہاڑوں کے بڑے سلسلے کو عبور کر کے آسَک اور دُنبُاوَند سے گزرتی ہوئی آمل پہنچتی تھی۔ لیکن بہت سی منزلیں اس سڑک پر ایسی بیان کی ہیں جن کو اب شناخت کرنا مشکل یا ناممکن ہے۔ آمل سے مغرب کی طرف بحیرۂ خزر کے کنارے سے سفر کرنے میں ابن حوقل اور اصطخری

---

[1] اصطخری ص ۲۷۳، ابن حوقل ص ۳۳۴، مقدسی ص ۳۷۲، یاقوت ج ۲، ص ۸۹۶۔ اُن قریوں میں سے سولہ ناموں کے لئے جن کا اوپر ہوا۔ دیکھو یاقوت ج ۲، ص ۱۳، ۹۰۹، ۲۸۰، ج ۲، ص ۳۳۳، ۳۲۹، ۹۳۰۔ ج ۴، ص ۲۷، ۲۷۶، ۳۹۵، ۳۹۶، ۵۵۵، ۹۹۹، ۷۲۸، ۹۲۶، ۹۲۷۔

[2] مقدسی ص ۳۶۷۔

نے سڑک کے وہ مراحل بیان کئے ہیں جو ناتِل اور سالوس کے شہروں سے گزرتے ہوئے سرحد گیلان (دیلم) تک آئے ہیں۔ اسی طرح آمل سے سمت مشرق میں اَسْتَرآباد کی راہ سے شہر جُرجان تک کے مراحل دونوں مصنفوں نے لکھے ہیں۔ شہر جُرجان سے شمال کی طرف دِہِستان جانے والی سڑک کے مراحل مقدسی نے لکھے ہیں، اور مستوفی نے ان مراحل کا ذکر اس سڑک کے حال میں لکھا ہے جو صوبۂ قُومِس کے شہر بِسْطام سے خوارزم کے دارالحکومت کو جاتی تھی۔ مقدسی نے اس سڑک کا ذکر بھی کیا ہے جو بِسْطام سے درۂ کوہ میں سے نکلتی تھی اور جُهَینَہ سے گزرتی ہوئی شہر جُرجان کو پہنچتی تھی۔ ابن حوقل نے جُهَینَہ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دریا کے کنارے ایک عمدہ گاؤں تھا۔ جُرجان سے مشرق کی طرف خُراسان جانے کے راستہ کا ذکر مقدسی نے کیا ہے، جو جُرجان سے چل کر آجغ سے گزرتا ہوا جسے آج کل آشلک کہتے ہیں، اَسفرایِن پہنچتا تھا۔ اس علاقہ کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۲۱۴، ۲۱۶، ابن حوقل ص ۲۷۴ تا ۲۷۶، مقدسی ص ۳۷۲، ۳۷۳، مستوفی ص ۱۹۷۔

(۳۸۲)

بابِ بست وہفتم

خُراسان

خراسان کے چار رُبع۔ رُبع نیشاپور۔ شہر نیشاپور اور شادیاخ۔ علاقۂ نیشاپور۔ طوس اور مشہد اور اس کا مقام۔ بیہق اور سبزوار۔ جُوین، جاجرم اور اسفرائین۔ اُستوا اور کوچان۔ رادکان، نسا اور ابیورد۔ کلات۔ خابران اور سرخس +

قدیم فارسی زبان میں خراسان کے معنی "مشرق زمین" کے ہیں۔ زمانۂ وسطیٰ کی ابتدا میں اس نام کا اطلاق اس ملک پر ہوتا تھا جس میں تمام اسلامی صوبے بادیۂ ایران کے مشرق سے شروع ہوکر ہندوستان کے پہاڑوں کی سرحد تک واقع ہوئے تھے۔ ان وسیع معنوں میں خراسان کی حدود کے اندر سمت شمال مشرق میں تمام ملک ماوراء النہر اور سمت جنوب میں سجستان معہ قوہستان شامل ہو جاتا تھا۔ اور خراسان کی دُور کی سرحدیں وسط ایشیا کی طرف دشت چین اور ہندوستان کی طرف ہندوکش کے سلسلوں تک پہنچی تھیں۔ اس کے بعد خراسان کی حدود

اتنی وسیع نہیں رہیں اور زمانہ وسطے کے ایران کے صوبہ خراسان کے متعلق یہی سمجھنا آسان ہوگا کہ شمال مشرق میں یہ صوبہ دریائے جیحون تک پھیلا ہوا تھا، مگر ابھی تک ھرات سے آگے پہاڑی علاقے جو اب افغانستان کا شمالی مغربی حصہ ہیں، اس میں شامل تھے۔ ان کے علاوہ دریائے جیحون کے بالائی حصہ کا ملک پامیر کی سمت کا، جہاں تک کہ عربوں کو اس کا علم تھا خراسان کے اضلاع بعیدہ میں شمار ہوتا تھا۔

عربوں کے خراسان کو یا یہ سمجھیئے کہ زمانہ وسطے کو آسانی کی غرض سے چار ربعوں میں تقسیم کیا گیا تھا، اور یہ چاروں ربع چار بڑے شہروں کے نام پر تھے، جو مختلف زمانوں میں کبھی علیحدہ علیحدہ اور کبھی بشمول دیگر خراسان، کے دارالحکومت رہے تھے۔ یہ چاروں ربع، نیشاپور، مرو، ھرات اور بلخ تھے۔ شروع زمانہ کی (۴۸۳) اسلامی فتوحات کے بعد خراسان کا دارالحکومت مرو اور بلخ میں رہا لیکن خاندان طاہریہ کے بادشاہوں نے مرکز حکومت کو مغرب کی طرف منتقل کیا، اور اُن کے عہد میں نیشاپور، کل صوبہ خراسان کا، اور چاروں ربعوں میں سب سے زیادہ مغربی ربع کا صدر مقام بن گیا[1]۔

نیسابُور کا تلفظ آج کل فارسی میں نیشاپور ہے، نام کی عربی شکل نیسابور ہے جو قدیم فارسی نام نیو شہپور سے ماخوذ ہے، جس کے معنے ہیں اچھی چیز یا نیک کام یا پسند یدہ جگہ یہ نام ساسانی بادشاہ شاپور پر رکھا گیا تھا، جس نے چوتھی (وسیویں) صدی میں اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا، لیکن حقیقت میں اس کی

---

[1] ۔ اصطخری ص ۲۵۳، ۲۵۴، ابن حوقل ص ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، مقدسی ۲۹۵، مستوفی ص ۱۸۵۔

بنیاد اردشیر بابکان پسر شاہ پور اول نے ڈالی تھی۔ علاقہ نیشاپور میں بڑا حصہ صوبۂ قوہستان کا، جس کا ذکر ہو چکا ہے، شامل تھا۔ تیسری (نویں) صدی کے عرب جغرافیہ نویسوں نے صوبۂ خراسان کے شہروں کی لمبی لمبی فہرستیں نقل کی ہیں، لیکن وہ صرف اس اعتبار سے دلچسپ ہیں کہ ان میں بعض ناموں کی املا ایسی ہے جو اب متروک ہو چکی ہے، اور بہت سے نام ایسے ہیں جن کے موقعوں کی شناخت اب ممکن نہیں۔[57]

اسلامی سلطنت کے ابتدائی دور میں نیسابور کا نام فارسی میں ابر شہر (یعنی بادل والا شہر) بھی تھا۔ چنانچہ اس کا یہی نام دارالضرب کی حیثیت سے ان درہموں پر مضروب ہوا جو اموی اور عباسی دونوں خلفا کے عہد میں جاری ہوئے۔ اس کا نام ایران شہر بھی مقدسی اور دوسرے مصنفوں نے لکھا ہے، لیکن غالباً یہ نام سرکاری تحریروں میں اعزازاً مستعمل تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں نیسابور ایک بہت آباد ومعمور شہر کی حیثیت قائم کر چکا تھا، ہر سمت سے وتراً اس کا طول نصف فرسخ سے لے کر ایک فرسخ کے اندر اندر تھا، اور اس میں خاص شہر، اور شہر کا قلعہ اور باہر کی آبادی [ربض]

۵۷۔ اصطخری ص ۲۵۸ + ابن حوقل ص ۳۱۳ + ابن خرداذبہ ص ۲۴ + یعقوبی ص ۲۷۸ + ابن رستہ ص ۱۷۱ + نیشاپور کے نام کا پہلا حصہ یعنی "نی" قدیم فارسی میں نیو یا نیاث تھا، آج کل فارسی میں بھی یہ لفظ نیکو کی صورت میں موجود ہے۔ عربی تلفظ میں نے موجودہ فارسی میں نی ہو گیا، اور ب کو پ سے بدل کر نیشاپور، بنا لیا گیا۔ دیکھو نولڈکی کی کتاب Sassaniden ص ۵۱ +

شامل تھی۔ شہر کی بڑی جامع مسجد ربض میں تھی۔ اسے عمرو بن لیث الصفار نے تعمیر کرایا تھا۔ مسجد چوک کے بالکل سامنے تھی اس چوک کو معسکر (یعنی عساکر کے معائنہ کی جگہ) کہتے تھے۔ معسکر سے ملا ہوا حاکم شہر کا محل [دار الامیر] تھا۔ اس محل کے سامنے ایک دوسرا چوک تھا، جسے میدان الحُسَینیّین کہتے تھے۔ اس میدان سے تھوڑی دور پر محبس تھا، اور یہ تینوں عمارتیں، یعنی جامع مسجد، حاکم شہر کا محل اور محبس ایک ربع فرسخ کے اندر اندر ہی واقع تھیں۔

قلعہ کے دو دروازے تھے اور شہر کے چار تھے۔ شہر کے دروازوں کے نام یہ تھے:- باب القَنطَرَہ، اس کے بعد باب سُوق المُعَقِل، پھر باب قُہَندِز (یعنی قلعہ کا دروازہ) اور سب سے آخر میں باب تکلین تھا۔ ربض شہر اور قلعہ سے باہر، گِرداں دونوں کے گرد واقع تھا۔ اس ربض میں بڑے بازار تھے، اور اس کے بھی بہت سے دروازے تھے۔ ان میں بڑے بڑے دروازے حسب ذیل ہیں:- باب القُباب (یعنی گنبدوں والا دروازہ)۔ اس کا منہ مغرب کی طرف تھا؛ اس کے مقابل باب جبنگ، علاقہ بُسکَفَرُوش کی طرف کھلتا تھا؛ جنوب کی طرف باب اَحوص آباد تھا، ان کے علاوہ چند اور دروازوں کے نام بھی بیان ہوئے ہیں۔ شہر کے سب سے زیادہ مشہور بازار اَلمُرَبَّعَۃ الکبیلوۃ اور اَلمُرَبَّعَۃ الصغیلوۃ کہلاتے تھے مُرَبَّعَۃ الکبیلوۃ جامع مسجد کے پاس تھا، جامع مسجد کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔ مُرَبَّعَۃ الصغیلوۃ یہاں سے کسی قدر فاصلے سے تھا۔ یہ مربعہ ربض کے مغربی حصہ میں میدان الحُسَینیّین اور حاکم شہر کے محل [دار الامیر] کے قریب تھا۔ بازاروں کی ایک لمبی سڑک، جس کے دونوں کنارے دکانیں تھیں، ایک مربعہ سے دوسرے مربعہ تک

(۳۸۴)

چلی گئی تھی؛ اور اس سڑک کو ایک دوسری سڑک نے، جس کے دونوں طرف بھی دکانیں تھیں مَربَّعَۃ الکبیرہ کے قریب زاویۂ قائمہ پر قطع کیا تھا۔ یہ دوسری سڑک جنوب کی سمت میں قبرستان تک چلی جاتی تھی، جسے مقابر الحسینیین کہتے تھے؛ اور شمال میں یہ سڑک دریا کے پل کے سرے تک پہنچی تھی +

ان بازاروں کی سڑکوں پر سوداگروں کے قیام کے لئے بہت سی کاروان سرائیں تھیں، ہر قسم کا مال اس مال کے خاص بازار میں ملتا تھا، موچی، بزاز، جوتا بنانے والے، اور ہر کام اور پیشہ کے اہل حرفہ یہاں بکثرت موجود تھے۔ شہر کے ہر مکان میں خاص اس مکان کی زمین دوز نہر علیحدہ تھی، اور ان نہروں میں پانی وادی (ندی) سَغَاوَر سے آتا تھا، جو قریب کے گاؤں بُشتَنقان سے نکل کر نَیسَابُور میں سے گزرتی تھی۔ یہ نہر، جن کی نگرانی کے لئے ایک خاص افسر شہر میں مقرر تھا، اکثر اتنی نیچی ہوتی تھیں کہ سو سیڑھیاں اتر کر پانی کی سطح تک پہنچا جاتا تھا۔ شہر سے نکل یہ نہریں سطح زمین کے ہموار بہتی تھیں، اور یہاں ان سے باغوں زمینوں کو پانی دیا جاتا تھا +

ابن حوقل نے لکھا ہے کہ شہر نیسابُور سے زیادہ صحت بخش اور معمور شہر تمام خراسان میں تھا۔ اس شہر کے سوداگروں کے تمول اور تجارت کا ذخیرہ، جو قافلوں کے ذریعہ سے روزانہ آتا رہتا تھا، مشہور تھا؛ روئی اور کچی ریشم یہاں کی خاص چیزیں تھیں، جو تجارت کی غرض سے باہر بھیجی جاتی تھیں۔ کپڑے یہاں ہر قسم کے بُنے جاتے تھے۔ اس کل بیان کی تصدیق مقدسی سے ہوتی ہے، اور اس نے اپنی طرف سے بھی کچھ تفصیل کی ہے: چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ نَیسَابُور میں بیالیس محلے تھے، اور ان میں سے بعض شیراز کے نصف شہر کے برابر تھے۔ بڑے بازار (یعنی درب) جن کا سلسلہ شہر کے دروازوں تک جاتا تھا تعداد میں تقریباً پچاس تھے۔ شہر کی عظیم الشان

(۳۸۵)

جامع مسجد کی نسبت بیان ہو چکا ہے کہ عمرو بن لیث الصفّار کے عہد کی تھی۔ یہ چار درجوں میں تعمیر ہوئی تھی، اس کی چھت پکی اینٹوں کے ستونوں پر قائم تھی، مسجد کے صحن کے گرد تین محرابدار دالان تھے اور عمارت کے حصہ صدر کو سنہری اینٹوں سے مزین کیا گیا تھا۔ مسجد کے گیارہ دروازے تھے، اور ہر دروازے کی عمارت میں پہلو کے دالانوں میں سنگ مرمر کے ستون تھے، اور ان کی دیواروں اور چھتوں پر نقاشی اور گلکاری بکثرت تھی۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ دریائے نیسابور بُشتنقان کے گاؤں سے آتا تھا۔ اس دریا سے ستر پن چکیاں چلائی جاتی تھیں اور بہت سی زمین دوز نہریں بھی اس سے نکال کر شہر میں لائے تھے، کیونکہ شہر سے دریا ایک فرسخ کے فاصلے پر بہتا تھا۔ شہر کے اندر اور گھروں میں میٹھے پانی کے کنویں بہت تھے[1]۔

یاقوت نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں، یعنی ساتویں (تیرھویں) صدی میں شہر کے نام کا تلفظ بالعموم نَشَاوُر کیا جاتا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ باوجود شہر کی شکستہ حالی کے، جو ۵۴۰ھ (۱۱۴۵ء) والے سخت زلزلوں، اور ۵۴۸ھ (۱۱۵۳ء) میں قبائل غُز کے ہاتھوں تاخت و تاراج کا نتیجہ تھا۔ اس نے تمام خراسان میں نیسابور سے بہتر شہر نہیں دیکھا۔ اس کے باغوں کا ریباس (منقّیٰ یا کشمش) اور اور میوے بہت مشہور تھے۔ قبائل غزّ کے خروج پر جس میں سلطان سنجر سلجوقی کو قید اور شہر کو لوٹا گیا تھا، شہر کے اکثر حصوں کے رہنے والے، قریب کے ربض، یعنی شادیاخ میں جاکر آباد ہو گئے تھے۔ اس ربض شادیاخ کو اب دوبارہ تعمیر کیا گیا اور

[1] اصطخری ص ۲۵۴، ۲۵۵؛ ابن حوقل ص ۳۰۱، ۳۰۲؛ مقدسی ص ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۹۔

حاکم شہر المؤید نے، جو سلطان سنجر کے نام سے حکومت کر رہا تھا، اسے وسیع کر کے اس کے گرد فصیل بنوائی۔ ربض شادیاخ یا الشاذیاخ ابتدا میں ایک باغ تھا، جس میں طاہریہ خاندان کا بادشاہ عبداللہ تیسری (نویں) صدی کے اوائل میں سکونت رکھتا تھا، یہ زمانہ وہ تھا، جب کہ نیسابور کو اس نے اپنا مستقر حکومت بنا لیا تھا۔ عبداللہ کے محل کے گرد، جہاں پہلے اس کی فوجوں کی چھاؤنی تھی، نیسابور کا بڑا ربض آباد ہو گیا، اور قبائل غز کے حملے کے بعد اسی ربض نے دارالحکومت کی شان اختیار کر لی۔ یاقوت جو ۶۱۳ھ (۱۲۱۶ء) میں کچھ مدت تک نیشاپور میں رہا تھا، اس نے شادیاخ ہی میں یہ مدت گزاری تھی؛ چنانچہ اس نے بستی کا حال بھی بیان کیا ہے۔ اس کے بعد بہت جلد ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں دارالحکومت کو مغلوں نے چنگیز خاں کی سرکردگی میں فتح کر لیا، چنانچہ یاقوت نے، جو ان آفات سے بچنے کے لئے موصل چلا گیا تھا، شادیاخ کی تباہی کا حال سن کر اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ جو حالات اسے معلوم ہوئے تھے ان کی بنا پر لکھتا ہے کہ مغلوں نے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔

بہرکیف معلوم ہوتا ہے کہ نیشاپور مغلوں کی اس یورش کے بعد بہت جلد اپنی اصلی حالت پر آ گیا تھا، کیونکہ آٹھویں (۳۸۶) (چودھویں) صدی میں ابن بطوطہ یہاں آیا ہے تو یہ شہر پھر ایک آباد و معمور مقام کی صورت رکھتا تھا۔ یہاں ایک عالیشان مسجد تھی، جس کے گرد چار مدرسے (کالج) تھے، اور شہر کے گرد کی مسطح زمین زرخیزی کے اعتبار سے "دمشق صغریٰ" معلوم ہوتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اس زمین کو چار چشمے، جو قریب کی پہاڑیوں سے نکلتے تھے، سیراب کرتے تھے۔ ابن بطوطہ راوی ہے کہ یہاں کے لوگ ریشمی مخمل، جسے کمخا یا کمخ کہتے تھے

خوب تیار کرتے تھے اور بازاروں میں باہر کے سوداگروں کی آمد و رفت بہت رہتی تھی۔ ابن بطوطہ کے ہم عصر مستوفی نے نیشاپور کے شہر اور اس کے علاقہ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں، یہ مصنف لکھتا ہے کہ خسروان ایران کے دور میں، عام روایات کے مطابق، پرانے شہر نیشاپور کا نقشہ بساط شطرنج کی وضع پر ڈالا گیا تھا، یعنی اس کے ہر ضلع پر آٹھ آٹھ چوک تھے۔ اس کے بعد خاندان صفاریہ کے عہد میں وسعت اور دولت کے اعتبار سے نیشاپور کو اتنی ترقی ہوئی کہ وہ خراسان کا سب سے بڑا شہر ہو گیا۔ اس کی یہ حالت ۵۰۵ء (۶۰۵ھ) تک قایم رہی۔ اس سال یہ شہر زلزلوں کی وجہ سے تقریباً پورا تباہ ہو گیا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ انھیں زلزلوں کے بعد کا واقعہ ہے کہ شادیاخ پہلی مرتبہ آبادی کا مرکز ہو گیا۔ شادیاخ کی شہر پناہ کا دور چھ ہزار سات سو قدم تھا، بہر حال اب نیشاپور کو از سرے نو تعمیر کیا گیا، لیکن ۱۲۸۰ء (۶۷۹ھ) میں پھر یہ شہر زلزلوں سے تباہ ہوا۔ اس تباہی پر نیشاپور کا شہر تیسری مرتبہ ایک اور موقع پر بسایا گیا، اور مستوفی نے جس شہر کا حال لکھا ہے وہ یہی تیسرا شہر ہے۔ اس زمانہ میں اس کی فصیل کا دور (۱۵۰۰۰) قدم تھا۔ شہر پہاڑیوں کے نیچے واقع تھا، اور اس کا سامنا جنوب کی طرف تھا۔ پانی کا ذخیرہ شہر کے لیے بافراط تھا، وجہ یہ تھی کہ نیشاپور کے دریا۔ میں جو شہر کے مشرق سے دو یا اس سے زیادہ فرسخ کے فاصلہ پر پہاڑوں سے نکلا تھا، پانی کی رو اتنی تیز تھی شہر پہنچنے کے پہلے اس سے چالیس پن چکیاں چلتی رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ مستوفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ نیشاپور کے اکثر مکانات میں خشک موسم کے لیے پانی ذخیرہ کرنے کے حوض تھے +

نیشاپور کا موجودہ شہر ایک نصف دائرے کی شکل کی سطح

زمین کے مشرقی پہلو میں واقع ہے۔ یہ مسطح زمین پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ سامنے جنوب کی طرف ریگستان ہے۔ اس زمین کو بہت سی ندیاں، جو شمال اور مشرق کے جانب کی پہاڑیوں سے نکلتی ہیں، سیراب کرتی ہیں۔ مستوفی نے ان ندیوں میں سے اکثر کے نام لکھے ہیں۔ یہ ندیاں نیشاپور کے ارد گرد کی زمینوں کو سیراب کر کے ریگستان میں غائب ہو جاتی ہیں۔ شہر سے پانچ فرسخ شمال میں، جہاں دریائے نیشاپور کے سرچشمے ہیں پہاڑوں میں ایک چھوٹی سی جھیل درہ کوہ کی چوٹی پر تھی۔ اس جھیل کا نام چشمہ سبز تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس جھیل سے دو ندیاں، جن میں سے ایک مغرب کی طرف اور دوسری مشرق کی طرف بہتی تھی نکلی تھیں۔ مشرق کی طرف بہنے والی ندی وادی مشہد کو گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھیل اُس پہاڑ میں تھی جسے کوہ گلستان کہتے تھے۔ (۳۸۷)

یہاں ایک عجیب و غریب غار ہواؤں کا تھا، جس میں سے بہت تیز ہوا آتی رہتی تھی۔ اور پانی کا ایک چشمہ برابر بہتا رہتا تھا۔ پانی کی رو اتنی تیز تھی کہ اُس سے ایک پن چکی چلا کرتی تھی چشمہ سبز کی جھیل کا دَور ایک فرسخ بتایا گیا ہے، اور اُس کے حالات بھی عجیب و غریب بیان کیے گئے ہیں۔ مشہور تھا کہ اِس جھیل کی تھاہ نہیں ملتی تھی۔ اور اگر اس کے ایک کنارے سے تیر مارا جائے تو دوسرے کنارے تک نہ پہنچتا تھا۔

نیسابور کی مسطح زمین کے چار علاقے زرخیزی میں شہرت رکھتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے ان چاروں علاقوں میں سے جن کے نام لکھے ہیں وہ یہ ہیں:۔ الشامات (یعنی خوبصورت مقامات)؛ ریوند، جواب بھی نیسابور کے مغرب میں موجود ہے؛ مازُول اور بُشتَفرُوش مازُول کا علاقہ؛ اور اس کا موضع خاص بُشتَنقان (یا بُشتُنقان) شہر سے

ایک فرسخ تھا، یہاں عمرو بن لیث الصفار نے ایک باغ لگایا تھا جو بہت مشہور تھا۔ علاقۂ مازول کا میوہ مویز (منقی یا کشمش) خاص طور پر شہرت رکھتا تھا، علاقہ بشتنقروش، جو آج کل پشت فروش کہلاتا ہے، مقدسی کی تحریر کے مطابق، شہر نیسابور کے باب جنگ سے مشرق میں ایک دن کی مسافت تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے قریوں کی تعداد یاقوت نے ایک سو چھبیس لکھی ہے، اور لکھا ہے کہ ان دیہات کے باغوں سے زرد آلو بکثرت باہر بھیجا جاتا تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ علاقہ الشامات کو اہل ایران طاق آب کہتے تھے، اور یہ علاقہ غیر معمولی طور پر زرخیز تھا۔ علاقۂ ریوند میں اسی نام پر ریوند ایک چھوٹا سا شہر نیشاپور سے ایک مرحلہ مغرب میں تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر میں پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی ایک جامع مسجد تھی، اور شہر ریوند دریائے دیوند کے کنارے واقع تھا۔ یہاں کے تاکستان مشہور تھے اور یہاں کی بہی کی مانگ بہت تھی۔

مستوفی نے لکھا ہے کہ علاقۂ نیسابور کی بڑی ندیوں میں سے ایک ندی مشورود (یعنی کھاری ندی) تھی اس میں ایک ندی دہ باد سے آکر ملی تھی۔ مشورد بہت سے علاقوں کو سیراب کرکے آخرکار ریگستان میں غائب ہوجاتی تھی۔ مستوفی نے اس کے علاوہ اور متعدد ندیوں اور دریاؤں کے نام لئے ہیں، لیکن ان کے ناموں کا املا غلط لکھا گیا ہے، اور اب ان کو شناخت کرنا مشکل ہے۔ بہرکیف بعض دریا ایسے ہیں کہ ان کا پتہ لگانا دشوار نہیں۔ مثلاً دریائے بشتقان جس کا ابھی ذکر ہوا ہے، وہ چشمہ سبز کے قریب سے نکلتا تھا، اور دریائے بشتنقروش، یہ دونوں دریا موسم بہار کی طغیانی کے وقت مشورہ سے ملتے تھے۔ ایک دریا عطش آباد (یعنے پیاس کا دریا) تھا۔ اس دریا میں بہار کے موسم میں تو اتنا (۴۸۸)

پانی ہوتا تھا کہ اس کے پورے گزرگاہ میں، جس کا طول تقریباً بیس فرسخ تھا، بیس پن چکیاں چل سکتی تھیں لیکن باقی موسموں میں پانی کی اس درجہ کمی ہوتی تھی کہ ایک آدمی کی پیاس بھی اس سے نہ بجھ سکے + اسی وجہ سے وہ عطش آباد کے منحوس نام سے پکارا جاتا تھا +[۵]

نیشاپور سے جنوب مشرق میں خراسان کی بڑی سڑک سے ایک شاخ اس منزل پر نکلی تھی جسے عرب قصر الریح، اور اہل ایران دِنہ باد یا دِہ باد کہتے تھے۔ دِنہ باد کی ندی کا ذکر ان ندیوں کے ضمن میں جو شورہ رود سے ملتی تھیں اوپر ہو چکا ہے۔ دِنہ باد سے مَرو کو جانے والی سڑک بالکل مشرق کی طرف گئی تھی، اور ہرات کو جانے والی سڑک جنوب مشرق کی طرف مڑ گئی تھی۔ ہرات جانے والی سڑک پر دہ باد سے دو منزل آگے فرہادان کا گاؤں تھا، جسے یاقوت نے فرہاذ جِرد بھی لکھا ہے۔ اس علاقے کا نام مقدسی نے اَسفَند لکھا ہے، یہ نیساپور سے متعلق تھا۔ ابن رستہ نے اسے اَسفَبَند اور یاقوت نے اَشفَند لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اس علاقے میں تراسی گاؤں تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ کا پرانا نام اب بالکل متروک ہو گیا ہے، لیکن فَرجِرد (بجائے پرانے فرہادجِرد کے) اب تک نقشوں پر اُسی جگہ دکھایا

۵۔ ابن رُستہ ص ۱۷۱ + مقدسی ص ۳۰۰، ۳۱۶، ۳۱۷ + یاقوت ج ۱۔ ص ۶۳۰۔ ج ۳۔ ص ۲۲۸۔۲۳۱ + ج ۴۔ ص ۳۹۱، ۸۵۰ + ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۸۰، ۸۱ + مستوفی ص ۱۸۵، ۲۰۶، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۶ + جہان نما ص ۳۲۸ چشمۂ سبز اور "ہواؤں کے غار" کے لئے دیکھو سی، ای، ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan ص ۳۵۱، ۳۵۳ + یہ دونوں مقامات اب تک خراسان میں مشہور ہیں

جاتا ہے، جہاں سیاحت ناموں میں اس کا ہونا بیان کیا گیا ہے[1]
نیشاپور سے عین مشرق کی طرف مشہد شہادت گاہ
یا روضۂ امام واقع ہے، لیکن بیچ میں پہاڑوں کا ایک سلسلہ
حائل ہے۔ علاقۂ نیشاپور کی مسطح زمین پر جو ندیاں بہتی ہیں
ان میں سے اکثر انہی پہاڑوں میں سے نکلی ہیں۔ مشہد آج
کل ایران کے صوبہ خراسان کا دارالحکومت ہے، اور اس سے
چند میل شمال میں طوس کے کھنڈر نظر آتے ہیں، جو مشہد سے پہلے کا
شہر کا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں خراسان کے ربع نیشاپور
میں طوس دوسرے درجہ کا شہر تھا، اور وہ الطابران اور
نوقان دو شہروں کے ملنے سے ایک شہر بنا تھا۔ طوس سے
دو برید (ڈاک کی منزلوں) کے فاصلہ پر قریہ سناباذ میں وہ
بڑا باغ تھا۔ جس میں ہارون الرشید عباسی (سال وفات ۱۹۳ھ
۸۰۹ء) اور حضرت امام علی رضا (سال وفات ۲۰۲ھ (۸۱۸ء)
کی قبریں تھیں۔ سناباذ کے گاؤں کو بردع (یعنی پالان) یا
مثقب[2] (یعنی چھد ہوا) کہتے تھے + اس نام کی وجہ یا تو یہ تھی کہ

---

[1] ابن رستہ ص ۱۷۱ + مقدسی ص ۳۰۰، ۳۱۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۸۰ + ج ۴۔ ص ۸۸۷۔ مستوفی ص ۱۹۶، ۱۹۷ +

[2] المثقب مختلف قلعوں کا نام تھا + ان میں سے مصیصہ Mopsuestia کے قریب کے قلعہ کا ذکر باب ۹۔ ص حاشیہ ۳ پر کیا جا چکا ہے۔ بردع کے نام کی اصلیت بیان نہیں ہوئی۔ نوقان، جس کا تلفظ نوکان کیا جاتا ہے، اب تک موجودہ مشہد کے شمال مشرقی حصہ اور دروازے کا نام ہے۔ اس دروازے سے بلاشبہ طوس والے نوقان کو راستہ جاتا تھا۔ سناباد کی نہروں سے آج کل کے مشہد کے شمال مغربی حصہ کو پانی پہنچتا ہے۔ ابن رستہ ص ۱۷۲ + ابن خرداذبہ ص ۲۴ + یاقوت ج ۴۔ ص ۸۱۴ + سی، ای، ییٹ (Yate) کتاب Khurasan and Sistan ص ۳۴۳، ۳۱۶۔

قبر پر جو عمارت تھی اس میں دریچے یا روشندان بہت تھے، یا اس کی وجہ کوئی ایسی ہی خیالی بات ہو۔

(۳۴۹) یعقوبی کی تحریر کے مطابق تیسری (نویں) صدی میں شہر طوس کے دو حصوں میں نوقان بڑا حصہ تھا، لیکن چوتھی (دسویں) صدی میں طابران اس سے بڑھ گیا اور یاقوت کے زمانہ تک جب کہ مغلوں نے طوس کو برباد کیا ہے، طابران ہی نوقان سے بڑا تھا۔ کسی زمانہ میں نوقان کے مرتبان برم (سبزابری کے پتھر) کے بنے ہوئے بہت مشہور تھے اور بکثرت دساور کئے جاتے تھے۔ قریب کی پہاڑیوں میں، سونے، چاندی اور لوہے کی کانیں تھیں جن سے یہ دھاتیں بڑے فائدے سے نکالی جاتی تھیں۔ قیمتی نگینوں میں فیروزے، خماھن اور دہنج طوس کے قریب پائے جاتے تھے، اور نوقان کے بازاروں میں انھیں فروخت کرنے کے لئے لاتے تھے + لیکن طوس کے اس حصہ یعنے نوقان میں پانی کی کمی تھی + قریب کے حصۂ شہر یعنے طابران کا قلعہ ایک عظیم الشان عمارت تھی، اور مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ قلعہ بہت دور سے نظر آتا تھا۔ طابران کے بازاروں میں مال تجارت کی بہتات تھی۔ اس کی جامع مسجد خوبصورت اور مزین عمارت تھی۔ قریب ہی موضع سنایاذ میں جو قبریں تھیں ان کے گرد چوتھی (دسویں) صدی میں ایک مضبوط فصیل کھینچ دی گئی تھی۔ مشہد امام پر ابن حوقل لکھتا ہے کہ زائرین کا ہمیشہ ہجوم رہتا تھا۔ حضرت امام علی رضا کے مزار کے قریب امیر فائق عمید الدولہ نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ "اس سے زیادہ خوبصورت مسجد تمام خراسان میں نہ تھی"۔ خلیفہ ہارون الرشید کی قبر مزار امام کے پہلو میں تھی، اور اس بڑے باغ کے گرد جہاں یہ قبریں تھیں، بازار اور بہت سے مکانات تعمیر ہو گئے تھے

یاقوت کے بیان سے طوس کے حالات پر جو اوپر لکھے گئے بہت کم اضافہ ہوتا ہے، لیکن اس نے لکھا ہے کہ طابَرَان میں منجملہ اور مشہور قبروں کے ایک قبر حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، جنہوں نے چند سال تک نظامیہ بغداد میں صدر معلم رہنے کے بعد ۵۰۵ھ (۱۱۱۱ء) میں وفات پائی تھی۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھا ہے تو طوس کا نام بالعموم گرد و نواح کے علاقہ کے لئے مستعمل تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس علاقہ میں ایک ہزار سے زیادہ قریئے تھے۔ بہرکیف ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں اس تمام علاقے کو مع طوس کے دو شہروں یعنے نوقان اور طابَران اور سَناباد (مشہد) کے مقبروں کے مغلوں کے جرگوں نے خوب لوٹا اور تباہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کی اس غارت گری کے بعد طوس کو پھر پنپنا نصیب نہ ہوا۔ گو دولت مند شیعوں کی توجہ اور پرداخت سے قبر کی زیارت گاہوں کی پھر وہی پہلی سی شان و شوکت ہوگئی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی سب سے پہلا مصنف ہے جس نے موقع سَناباد کا نام مَشہد لکھا ہے! اس وقت سے اس مقام کا نام یہی چلا آتا ہے +

قزوینی لکھتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید اور حضرت امام علی رضا کی قبریں ایک ہی گنبد کے نیچے تھیں، اور شیعہ صرف حضرت امام علی رضا کی قبر کا احترام کرتے تھے۔ لیکن چونکہ خلیفہ مامون کے حکم سے دونوں کی قبریں بالکل ایک ہی سی بنوائی گئیں تھیں، اس لئے شیعوں کو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون سی قبر کس کی ہے۔ جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی تو اُس وقت مَشہد ایک بڑے شہر کی صورت اختیار کر چکا تھا، اس کے گرد بڑے بڑے قبرستان تھے، اور اُن

میں اکثر مشہور لوگوں کی قبریں تھیں، اور یہیں پر شاعر فردوسی کی قبر بتائی جاتی تھی۔ شہر کے گرد ہموار اور سیر حاصل زمین تھی، جو مُرغزار نعمان کہلاتی تھی۔ یہ طول میں بارہ فرسخ اور عرض میں پانچ فرسخ تھی۔ اس زمین میں انگور اور انجیر کی کاشت خاص طور پر ہوتی تھی۔ مستوفی لکھتا ہے کہ علاقۂ طوس کے رہنے والے نہایت اچھے لوگ تھے، اور اجنبیوں کے ساتھ سلوک سے پیش آتے تھے"۔

ابن بطوطہ، جو مشہد امام رضا میں چند سال بعد آیا ہے، یہاں کا حال بہت تفصیل سے لکھتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ مشہد ایک بڑا شہر تھا، اس کے بازاروں میں ہر قسم کا سامان بافراط تھا، اور اس کے گرد پہاڑ تھے۔ خلیفہ اور امام دونوں کی قبروں پر ایک عظیم الشان گنبد تھا، اور اس سے متصل ایک مسجد میں ایک مدرسہ (کالج) کے تھی۔ یہ تمام عمارتیں بہت عمدگی سے بنائی گئی تھیں، اور ان کی دیواروں پر کاشانی کام تھا۔ حضرت امام علی رضا کی قبر پر ایک چوبی چبوترہ یا کٹگھرا بنا ہوا تھا، اور اس پر چاندی کے پترے جڑے ہوئے تھے، اور چھت سے اس کے اوپر چاندی کی قندیلیں لٹکتی تھیں۔ جس دروازے سے داخل ہوکر مزار کے قریب پہنچ سکتے تھے اس کی دہلیز پر چاندی منڈھی ہوئی تھی، اور زری کا ایک ریشمی پردہ اس پر پڑا رہتا تھا۔ گنبد کے نیچے فرش پر نہایت عمدہ قالین بچھے رہتے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید کی قبر پر بھی ایک چوبی چبوترہ سا تھا اس پر شمعدان لگے ہوئے تھے جن میں موم بتیاں روشن کی جاتی تھیں۔ لیکن شیعہ اس قبر کا احترام نہ کرتے تھے، کیونکہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "ہر شیعہ گنبد میں داخل ہوتے ہی خلیفہ کی قبر کو ٹھکراتا تھا اور حضرت امام علی رضا کی تربت پر فاتحہ پڑھتا تھا"۔ مشہد امام کی شان و شوکت کا تذکرہ اسپین کے سفیر کلیویجو (Clavijo.) نے بھی کیا ہے، (۳۹۱) جو ششہ (۱۴۰۴ء) میں تیمور کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے

مشہد سے گزرا تھا۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اُس زمانہ میں عیسائیوں کو زیارت گاہ کے اندر جانے کی اجازت تھی، کیونکہ اس وقت شیعہ اتنے متعصب نہ تھے جتنے کہ اب ہو گئے ہیں[1]+

نیشاپور سے عین مغرب میں چار دن کی مسافت سے علاقۂ بیہق میں سبزوار اور خسروجرد کے دو بڑے شہر ایک دوسرے سے ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع تھے۔ سبزوار، جو اس علاقے کا صدر مقام تھا، زمانۂ وسطیٰ میں اکثر بیہق ہی کہلاتا تھا۔ علاقۂ بیہق مشرق میں سرِیوقنی تک پھیلا ہوا تھا، اور ہر سمت میں وتراً اس کا طول پچیس فرسخ تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس علاقہ میں تین سو اکیس گاؤں تھے اور بیہق دراصل فارسی بیہہ یا بیہاین ہے، جس کے معنے بہترین کے ہیں۔ اسی مصنف نے بیان کیا ہے

[1] آج کل ایرانی حضرت امام کے نام میں ض کا تلفظ ز کا سا کرتے ہیں۔
یعقوبی ص ۲۷۷ + اصطخری ص ۲۵۷، ۲۵۸ + ابن حوقل ص ۳۱۳ + مقدسی ص ۳۱۹، ۳۳۳، ۳۵۲ + یاقوت ج ۳۔ ص ۱۵۴، ۵۰۶، ۵۶۱ + ج ۴ ص ۲۴۸ + قزوینی ج ۲ ص ۲۶۲ + مستوفی ص ۱۸۶ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۷۷، ۷۹ + Narrative of the Embassy of Ruv Gonzalez de Ciavilo ص ۱۱۰ + (Hakluyt Society) — اسپین کے سفیر مسجد دیکھنے گئے، اور اس کے بعد جب وہ دوسرے ملکوں میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان سفیروں کی زبانی سنا کہ وہ شہید مقدس کو دیکھ کر آئے ہیں تو ان لوگوں نے ان سفیروں کے لباس کو یہ کہہ کر چومنا شروع کیا کہ یہ امام مقدس کے مزار کی زیارت کر چکے ہیں۔

کہ ساب‌زوار نام زیادہ درست تھا، لیکن لوگوں نے اسے مخفف کر کے سبزوار کر دیا۔ ایک زمانہ میں اس علاقہ کا صدر مقام خسرو جرد تھا، لیکن اب یہ حیثیت سبزوار کو حاصل تھی۔ استوفی نے لکھا ہے کہ شہر کے بازاروں پر لکڑی کی چھتیں تھیں، اور یہ چھتیں نہایت مضبوط شہتیر بنا کر اُس پر ڈالی گئیں تھیں۔ شہر کے گرد کے علاقہ میں انگور اور دوسرے میوے بہت پیدا ہوتے تھے اور آٹھویں (دسویں) صدی میں یہاں زیادہ تر آبادی شیعوں کی تھی[1]۔

صوبۂ قومس کے شہر بسطام سے نیشاپور آنے کے لئے دو سڑکیں تھیں۔ زیادہ سیدھا اور ڈاک کا راستہ بادیہ کی سرحد سے ملا ہوا گیا ہے، اور سبزوار میں سے ہوکر گزرتا ہے۔ قافلوں کی سڑک جو زیادہ طولانی ہے، شمال کی طرف ہے، اور جُوَین کی ارض مرتفع وسطح میں ہے، جسے پہاڑیوں کا ایک سلسلہ بادیۂ ایران سے جدا کرتا ہے، خم کھا کر گزرتی ہے۔ جُوَین کا یہ علاقہ جس کے متعلق مستوفی نے لکھا ہے اسے گُوَیان کہتے تھے غلوں اور پھلوں کی پیداوار میں بڑا حاصل خیز تھا۔ اُس کا صدر مقام آزاذوار یا آزادوار تھا۔ جُوَین کے شمالی حصہ میں اسفرائین تھا اور اس کی مغربی انتہا پر صوبۂ قومس کی سرحد سے ملا ہوا جاجرم کے گرد علاقۂ ارغیان واقع تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ تقریباً دو سو گاؤں آزاذوار کے اعمال میں شامل تھے۔ آزاذوار کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ وہ ایک معمور شہر تھا، اس (۲۹۲)

---

[1] مقدسی ص ۳۲۱، ۳۵۱، ۳۵۲ + یاقوت ج ۱ ص ۳۰۹ + ج ۲ ص ۴۲۱ + مستوفی ص ۱۸۶ + شہر بیہق کے شکستہ آثار کے حالات کے لئے دیکھو سی ای ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan

میں خوبصورت مسجدیں تھیں، اور شہر کے باہر سوداگروں کے لئے ایک بڑی سرائے (خان) تھی، کیونکہ اس کے بازاروں میں تاجروں کی آمد و رفت بہت تھی۔ اس کے قریوں کے باغات تمام وادی میں مسلسل چلے گئے تھے۔ ان باغوں میں آب پاشی زمین دوز نہروں سے ہوتی تھی، جو جنوب کی پہاڑیوں کے چشموں سے لائی گئی تھیں۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ علاقہ جُوَین کا دار الحکومت تبدیل ہوکر فَرِیُومَد ہو گیا تھا، جو آزاد وار سے چند میل جنوب میں واقع تھا۔ آزاد وار سے ایک منزل مشرق میں قافلے کی سڑک پر خُدَاشَہ واقع تھا۔ یہ بھی ایک بڑا مقام تھا، جہاں آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور کا چچا براؔلاس قتل ہوا تھا۔ یہ واقعہ علی یزدی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے[1]+

شہر جَاجَرم کو اَسفِیان بھی کہتے تھے، جو دراصل جَاجَرم کے علاقہ کا نام تھا۔ مقدسی نے جَاجَرم کی نسبت لکھا ہے کہ اس میں ایک خوبصورت جامع مسجد تھی، شہر خوب محصن تھا اور ستر گاؤں اس کے اعمال میں شامل تھے۔ یاقوت نے تین شہروں کا حال لکھا ہے، یعنی سَمَلقَن یا سَمَنقَن (جس کا جاجَرم کے مشرق میں ہونا بیان ہوا ہے)، دوسرا الرّاوِنیر (یا رَاوِنیر) اور تیسرا اَبان، اور لکھا ہے یہ تینوں شہر علاقہ اسفِیان یا جاجرم

---

[1] مقدسی ص ۳۱۸ + یاقوت ج ۱ ص ۲۳۰ + ج ۲ ص ۱۶۵ + مستوفی ص ۱۸۶، ۱۹۶ + علی یزدی ج ۱ ص ۵۰۸ + خُداشَہ آزاد وار کے مشرق میں چار فرسخ، اور خُداشَہ آزاد وار کے جنوب میں تقریباً اتنے ہی فاصلے پر واقع ہے + چونکہ عربی میں خُداشَہ اور خُداشَہ تقریباً ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں اس لئے ان میں بہت کچھ اغتشاش واختلاط واقع ہوا ہے۔

واقع تھے۔ لیکن ان کی صحیح جاء وقوع اس مصنف نے بیان نہیں کی۔ مَسَبنج یا اِسَفنج کا ذکر بھی اُس نے کیا ہے، جواب تک جَاجَرم کے جنوب مغرب میں بسطام جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ مستوفی نے اس مقام کا نام سُریالط سَوَنج لکھا ہے؛ اور بیان کیا ہے کہ جاجَرم خاصا بڑا شہر تھا، کوئی فوج اس پر حملہ آور نہیں ہوسکتی تھی، کیونکہ شہر کے گرد ایک دن کی مسافت تک زمین پر ایسی گھاس اُگتی تھی جو تمام مویشیوں کے حق میں سم قاتل تھی + جاجَرم کے قلعہ کے نیچے چِنار کے درخت ایسے تھے کہ ان کی چھال بدھ کو صبح کے وقت چبائی جائے تو اس سے داڑھ کا درد دور ہوجاتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ چھال بکثرت باہر بھیجی جاتی تھی۔ شہر کے گرد ونواح کا علاقہ بہت سیر حاصل تھا، اور اس میں میوہ اور غلہ خوب پیدا ہوتا تھا۔ دریائے جَاجَرم، جو جنوب کی طرف بہ کر ریگستان میں غائب ہوجاتا تھا، اس کا نام مستوفی نے جَغَان لکھا ہے یہ دریا تین چشموں سے پیدا ہوا تھا جن میں سے ہر ایک کے پانی کا حجم اتنا تھا کہ اس سے ایک پن چکی چل سکے۔ یہ تینوں چشمے مل کر طول میں بارہ فرسخ تک بہتے چلے گئے تھے، اور ان کا پانی آب پاشی کے لئے بہت استعمال ہوتا تھا[۱]+ (۳۹۳)

مقدسی نے لکھا ہے کہ اَسفَرایِن دیا اسفرِین) کی ہموار اراضی میں عمدہ انگور، اور چاول بکثرت ہوتا تھا۔ اس علاقہ کا صدر مقام، جو علاقہ کا ہم نام تھا، بہت معمور شہر تھا، اور اس کے بازار عمدہ تھے۔ یاقوت نے بیان کیا ہے کہ پرانے زمانہ میں اسفرایین

[۱] ۔ مقدسی ص ۳۱۸ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۰۹، ۲۴۹، ۲۸۵ + ج ۲۔ ص ۴، ۲۴۲ + ج ۴۔ ص ۳۵، ۱۴۵ + مستوفی ص ۱۸۹، ۱۹۶، ۲۲۰ +

کا شہر مِہرجان کہلاتا تھا۔ چنانچہ جب ساتویں (تیرھویں) صدی میں اُس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو مِہرجان نام ایک گاؤں ویران و برباد شہر مِہرجان کے قریب موجود تھا، اور (۶۰) قریئے اس سے متعلق تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اَسفرایِن کا نام پہلے اَسبَرایِن لکھا جاتا تھا، جس کے معنے سپر بردار کے ہیں، کیونکہ فارسی میں سپر کی ڈھال کو کہتے ہیں۔ ستوفی نے لکھا ہے کہ اَسفرایِن کی جامع مسجد میں پیتل کا اتنا بڑا کٹورہ تھا کہ اتنا بڑا کٹورا کہیں نہیں دیکھا گیا۔ اُس کے اوپر کے کنارے کا قطر بارہ ذرع تھا۔ شہر کے شمال میں قلعہ زَرہا تھا، اور شہر میں پانی ایک ندی سے آتا تھا، جو قلعہ والی پہاڑی کے نیچے نیچے بہتی ہوئی گزرتی تھی۔ تمام گرد و نواح کی مسطح زمین میں اخروٹ کے درخت بکثرت تھے۔ شہر کی آب و ہوا مرطوب تھی۔ لیکن انگور اور غلہ بکثرت پیدا ہوتا تھا[1]

جس مرطوب اور آب گرفتہ زمین سے دریائے آترک نکل کر مغرب کی طرف اور مشہد کا دریا نکل کر مشرق کی طرف بہتا ہے، وہیں کُوچان کا شہر واقع ہے، جسے زمانۂ وسطےٰ میں خَبُوشان یا خُوجان کہتے تھے۔ یہ صدر شہر تھا۔ اس کے علاقہ کا نام عربوں نے اُستُوا لکھا ہے، اور علاقہ کی زرخیزی کی تعریف کی ہے۔ اُستُوا کے معنے ارض بلند کے تبلائے گئے ہیں۔ اس سے آگے شمال میں نِسا کا علاقہ تھا۔ یاقوت نے بیان

[1] مقدسی ص ۳۱۸ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۴۶ + ستوفی ص ۱۸۶ + زمانۂ وسطےٰ کا شہر اسفراین (جس علاقہ میں یہ شہر تھا اس کا اب تک یہی نام ہے) غالباً ان کھنڈروں سے مطابق کیا جا سکتا ہے جو شہر بلقیس کہلاتے ہیں۔ دیکھو ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan ص ۳۷۸، ۳۷۹ +

کیا ہے کہ اُس کے زمانے میں اُستُوا کے صدر شہر کا نام کُوشان کیا جاتا تھا، اور ترانوے قریئے اس سے متعلق تھے۔ مصنف جہان نما نے اس کا نام کُوچان لکھا ہے، اور مستوفی کہتا ہے کہ گو محکمہ مال کے کاغذات میں علاقہ کا نام اب تک اُستُوا ہی درج کیا جاتا تھا، لیکن عام بول چال میں یہ نام متروک ہوچکا تھا۔ گرد و نواح کے علاقہ کی زرخیزی کی مستوفی نے تعریف کی ہے، اور لکھا ہے ھلاکُوخان نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں خَبُوشان کو دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اور اس کے پوتے اَرغُون نے، جو ایران کا ایل خانی بادشاہ تھا، بعد میں شہر میں اضافہ کیا تھا۔ خَبُوشان اور طُوس کے تقریباً بیچ میں رادکان واقع ہے، جس کا ذکر (۳۹۴) ابن حوقل نے کیا ہے، اور یاقوت نے اُسے ایک چھوٹا سا شہر لکھا ہے، جو ملک شاہ سلجوقی کے مشہور وزیر نظام الملک کا مولد ہونے کی وجہ سے مشہور تھا۔[1]

نَسا یا نِسا کا مشہور علاقہ عریض وادی ہے جسے آج کل دَرّہ گز کہتے ہیں۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ شہر نَسا ایک بڑا شہر تھا، اور وسعت میں سرخس کے برابر تھا۔ قریب کی پہاڑیوں سے یہاں پانی بکثرت پہنچتا تھا۔ مقدسی نے یہاں

---

[1] ابنِ حوقل ص ۳۱۲ + مقدسی ص ۳۱۸، ۳۱۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۳۴۔ ج ۲۔ ص ۴۰۰، ۸۰۴، ۲۰۰ + مستوفی ص ۱۸۶ + جہان نما ص ۳۲۳ + بُجنرد کا موجودہ شہر، جو اَسفراین کے شمال اور کُوچان سے تقریباً ساٹھ میل شمال مغرب میں واقع ہے، اس کو آباد ہوئے اب دو سو برس ہوئے ہیں۔ اس کے قریب ہی ایک پرانا شہر تھا، جسے بزھان کہتے تھے۔ اس کا برباد قصر جسے قلعہ کہتے ہیں اب تک موجود ہے۔ دیکھو سی، ای، ییٹ (Yate) کی کتاب Khurasan and Sistan ص ۱۹۵، ۱۹۶۔ سائکس کی کتاب Persia ص ۲۲+

خوبصورت مسجد اور عمدہ بازاروں کی تعریف کی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ شہر کے تقریباً ہر گھر کے ساتھ خانہ باغ تھا، اور مرفہ الحال قریئے شہر کے چاروں طرف وادی میں واقع تھے۔ مگر یاقوت نے لکھا ہے کہ نِسا صحت کے لئے بہت بُرا مقام تھا، خصوصًا نارو (رشتہ) جسے اُس نے عرق المدینی لکھا ہے، یہاں بہت ہو جاتا تھا، اور موسم گرما میں بمشکل کوئی یہاں کا رہنا والا اس مرض سے بچ سکتا تھا۔ اس کی تکلیف ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ نِسا کو شہر فِیرُوز بھی اس وجہ سے کہتے تھے اُس۔ کا بانی ایران کا قدیم بادشاہ فِیرُوز بیان کیا جاتا تھا[1]۔

نِسا کے مشرق میں پہاڑی سلسلوں سے ہٹا ہوا دشت مرو کے کنارے، اَبِیوَرد واقع ہے جس کا نام بعض اوقات باوَرد لکھا جاتا ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس کے بازار جن میں جامع مسجد واقع تھی، نِسا کے بازاروں سے بھی اچھے تھے، اور سوداگروں کی آمد و رفت بھی ان میں زیادہ تھی۔ مستوفی نے یہاں کے پھلوں کی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہاں سے چھ فرسخ کے فاصلہ پہ کُوفن کا بڑا رُباط جو ایک گاؤں میں ہے، اَبِیوَرد سے متعلق تھا۔ اس رُباط کو خاندان طاہریہ کے بادشاہ عبداللہ نے تیسری (نویں) صدی میں تعمیر کرایا تھا۔ اُس کے چار دروازے تھے، اور اس کے احاطہ کے وسط میں ایک مسجد تھی۔ جس علاقہ میں اَبِیوَرد واقع تھا اسے خابَران یا خاوَران کہتے تھے، اور اس علاقہ کا صدر شہر مِہنہ

---

[1] اصطخری ص ۲۷۳ + ابن حوقل ص ۳۲۴ + مقدسی ص ۳۲۰ + یاقوت ج ۴ ص ۷۷۶ + قزوینی ج ۲ ص ۳۱۱ + نِسا کا شہر غالباً موجودہ محمد آباد سے مطابق ہوتا ہے، جو آج کل دَرَّہ گز کے علاقہ کا صدر مقام ہے +

یا مَیہنَہ تھا۔ علاوہ ازیں یاقوت نے لکھا ہے کہ آنرجیہ، باذن، خَو الجبل اور شوکان اس علاقے کے بڑے مقامات تھے۔ لیکن جب اُس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو مَیہنَہ برباد ہو چکا تھا۔ اس کے بعد آٹھویں (چودھویں) میں مستوفی نے علاقہ خاوران کے عمدہ باغوں کا ذکر کیا ہے؛ اس نے خاوران کا نام خاوردان بھی لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ شاعر انوری علاقہ خاوران کے صدر شہر میں رہا کرتا تھا۔ یہ شاعر چھٹی (بارہویں) صدی میں گزرا تھا، اور سلطان سنجر سلجوقی کا قصیدہ گو تھا[1]۔

یہاں پہاڑوں میں، آبیورد اور مہنہ کے تقریباً وسط میں وہ زبردست قدرتی قلعہ ہے، جو اٹھارویں صدی عیسوی کے مشہور بادشاہ ایران نادر شاہ کے نام پر آج کل کلات نادر کہلاتا ہے۔ نادر شاہ یہاں اپنا خزانہ رکھا کرتا تھا۔ اس قلعہ کا ذکر کسی سیاحت نامہ یا تیسری اور چوتھی (نویں اور دسویں) صدی کے کسی عرب جغرافیہ نویس کی کتاب میں نہیں ملتا، اور نہ یاقوت نے اس کا نام لیا ہے؛ بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے عتبی نے اپنی کتاب یمینی میں اس کا ذکر کیا ہے، اور اس نے بھی بر سبیل تذکرہ اس طرح لکھ دیا ہے کہ کوئی امیر نیشاپور سے کلات علی گیا تھا، جسے عربی طرز تحریر میں قلعہ لکھا جاتا تھا۔ مستوفی نے اس کا

[1] مقدسی ص ۳۲۱، ۳۳۳ + یاقوت ج ۱ ص ۱۱۱، ۳۳۲، ۴۶۲ + ج ۲ ص ۴۸۲، ۴۹۵، ۴۲۸ + ج ۳ ص ۳۳۷ + ج ۴ ص ۳۲۱، ۷۲۳ + مستوفی ص ۱۸۹ + علی یزدی ج ۱ ص ۴۸۲ + جہان نما ص ۳۱۸ + خاوران قدیم فارسی خاوران کی نئی شکل ہے۔ اس کے معنے "مغربی ملک" کے ہیں، اور وہ خراسان یعنے "مشرقی ملک" کی ضد ہے۔ اس طرح یہ علاقہ جو پہاڑوں کے نیچے نیچے دشت مرو میں واقع ہے اسی نام سے اب تک پکارا جاتا ہے، جس کا اطلاق در اصل تمام مغربی ایران پر جس میں خراسان (مشرقی ملک) شامل نہ تھا ہوا کرتا تھا۔

حال اختصار سے لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اس کے بڑے شہر جرم اور خرنان کہلاتے تھے۔ کلات میں پانی بہت تھا؛ زمینیں زراعت کے لئے اچھی تھیں، پیداوار بہت ہوتی تھی، اور گرد و نواح کے علاقہ کے بہت سے گاؤں اس سے متعلق تھے۔ تاریخ میں کلات کو سب سے پہلے شہرت اُس وقت حاصل ہوئی جب آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور نے اس کا محاصرہ کیا، اور اس کو فتح کرنے کے بعد نہایت احتیاط سے اس کی فصیلوں اور دمدموں کی مرمت کرائی، اور انھیں مستحکم کیا[1]۔

سرخس کا شہر طوس سے مرو کلان جانے والی سیدھی سڑک پر دریائے مشہد کے دائیں یا شرقی کنارے پر واقع ہے۔ دریائے مشہد آج کل تجند کہلاتا ہے۔ اس دریا کی نسبت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ زمانۂ وسطیٰ کے کسی جغرافیہ نویس نے اس کا ذکر کیا ہو۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ دریا کوچان کے قریب (۳۹۶) پانی اور دلدل کی زمین سے نکلا ہے، اور پہلے جنوب مشرق کی طرف بہتا ہوا مشہد کے پاس سے گزرا ہے۔ جب یہ دریا مشہد

---

[1] عتبی، کتاب یمینی، عربی متن (قاہرہ سنہ ۱۲۸۶ھ) ج ۱۔ ص ۲۱۵+ فارسی متن (طہران سنہ ۱۲۷۲ھ) ص ۱۵۱ + مستوفی ص ۱۸۷ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۳۴، ۳۳۷ + جہاں نما ص ۳۲۳ + فارسی میں کلات یا کلات ارمنی لفظ قلق کا مترادف ہے اور اس کے معنے شہر کے ہیں۔ عربی میں اس لفظ کا املا قلعہ یا قلعۃ ہو جاتا ہے۔ سنہ ۱۸۷۵ء میں کرنل میک گریگر (Mac Grogor) نے کلات نادری کو دیکھا تھا اور اس نے اس کے حالات بہت احتیاط سے لکھے ہیں دیکھو اس کی کتاب Journey through Kburasa ج ۲ ص ۶۵+

سے تقریباً سو میل آگے بڑھ جاتا ہے تو جنوب کی طرف سے دریائے
ہَرات بطور ایک بڑے معاون کے اُس میں ملتا ہے، یہاں سے
یہ دریا شمال کا رُخ کرکے سَرَخس کی طرف بہتا ہے، اور پھر شمال
میں کچھ دور جاکر شہر اَبیوَرد کے نواح میں اَلاجمہ کے مقام
پر، جہاں گز (جھاؤ) کے بہت سے درخت تھے، اس کا پانی پھیل
کر ریگستان میں غائب ہو جاتا ہے۔ اصطخری اور ابن حوقل دونوں نے
اس دریائے تَجَند کو دریائے ہَرات کا محض ایک معاون لکھا
ہے۔ ابن رستہ نے بھی اسے یہی سمجھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ
سَرَخس پہنچنے سے دو فرسخ قبل دریائے ہَراتا سے (یعنے
دریائے تَجَند) کے زیرین حصے سے ایک نہر نکلتی ہے، جو
سیدھی سَرَخس کو آتی ہے۔ اس دریا سے اور نہریں بھی علاقہ
سَرَخس کو سیراب کرنے کے لئے نکالی گئیں تھیں۔ ان میں خاص کر
ایک نہر تھی جسے خُشک رُود کہتے تھے۔ اس نہر پر پتھر کا
ایک بڑا مضبوط پل بنادیا گیا تھا، لیکن حالت یہ تھی سال کے بڑے
حصہ میں خود اس دریا میں جو سَرَخس سے گزرا تھا پانی نہ ہوتا
تھا۔

چوتھی (دسویں) صدی میں سَرَخس ایک بڑا شہر تھا، وسعت
میں مَرو سے نصف تھا، اور آب و ہوا صحت بخش تھی۔ بھیڑیں
اور اونٹ اُس کے مرغزاروں میں بکثرت تھے۔ لیکن مزروعہ اراضی
وہاں کم تھیں، کیونکہ آب پاشی کے لئے پانی ہمیشہ دستیاب نہ ہوسکتا
تھا۔ مقدسی نے یہاں کی جامع مسجد اور بازاروں کی تعریف کی ہے
اور لکھا ہے کہ شہر کے باہر کی تمام بستی میں باغ بہت تھے۔ قزوینی نے
بھی لکھا ہے کہ شہر بہت معمور تھا، اور وہاں عماموں اور نقابوں
کے لئے کپڑے بُنے جاتے تھے، اور ان پر سنہرے کلابتون کا
کام بہت خوبصورت ہوتا تھا۔ یہ کپڑے دساور کئے جاتے تھے۔

آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے یا سَرَخس کی فصیل کا دور پانچ ہزار قدم تھا، اور شہر کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط قلعہ موجود تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ طوس اور ہرات سے آنے والا ایک دریا سے (دریائے تجند کا نام نہیں لکھتا) شہر کو پینے کا پانی ملتا تھا۔ یہ دریا اچھا تھا، اور اس کا پانی ہاضم تھا۔ اسی دریا سے سَرَخس کے گرد جس قدر مزروعہ اراضی تھیں، جن میں خربوزہ اور انگور بہت ہوتا تھا، سیراب کی جاتی تھیں[1]۔

[1] ابن رستہ ص ۱۷۴ + اصطخری ص ۲۷۲ + ابن حوقل ص ۳۲۳، ۳۲۴ مقدسی ص ۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۶۱ + مستوفی ص ۱۸۹ + موجودہ شہر سَرَخس دریائے تجند کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔

(۲۹۷)

باب بست و ہشتم

خراسان (جاری)

ربع مرو۔ دریائے مرغاب۔ مرو کلان، اور اس کے قریے، دریائے جیحون کے کنارے کے شہر آمل اور زمّ۔ مروالرّوذ یا چھوٹا مرو اور قصبہ اَخنفہ۔

خراسان کا دوسرا ربع یعنی ربع مرو دریائے مرغاب یا دریائے مرو کے کنارے کنارے چلا گیا ہے۔ یہ دریا ہرات کے شمال مشرق میں غور کے پہاڑوں سے بہتا ہوا ہرات کے شمال مشرق میں پہنچتا ہے۔ اور مرو خورد سے گزر کر شمال کی سمت میں مرو کلان کی طرف مڑ جاتا ہے، جہاں اس کا پانی کئی نہروں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دریائے مرغاب دشت غزّ کے ریگستان میں غائب ہو جاتا ہے۔ جو متعدد یا دریائے ہرات والی پانی اور دلدل کی زمین سے ایک ہی عرض بلد میں تقریباً ستر میل کے فاصلے سے مشرق میں واقع ہے + دریائے مرغاب کے کنارے جو مختلف شہر آباد تھے ان کے علاوہ وہ شہر بھی ربع مرو میں شامل تھے جو خراسان کی

کی بڑی سڑک کے اُس حصہ پر واقع تھے جو ہماوٗ سے سمت شمال مشرق کو آمُل میں گئی تھی۔ آمُل کا شہر دریائے جیحُون کے کنارے تھا؛ اور یہاں سے دریا کو عبور کر کے لوگ بخارا کو جاتے تھے۔

مُرغاب یا مرغاب کی نسبت ابن حوقل لکھتا ہے کہ دراصل یہ لفظ مرو آب تھا؛ لیکن اصطخری کا بیان ہے مُرغاب اس مقام کا نام ہے جہاں سے یہ دریا نکلتا ہے؛ مقدسی نے دریائے مُرغاب کا نام نھرالمَرْوَیْن (یعنی دو مرو کا دریا) لکھا، اور بیان کیا ہے وہ شمالی یعنی مرو خوسار کے پاس سے گزر کر جنوبی یا مرو کلان کی طرف بہتا ہوا گیا ہے۔ مرو کلان سے جنوب میں ایک مقام تھا کہ جہاں دریا کے گزرگاہ میں دونوں کناروں پر پشتے جن کا رُدکار لکڑی کا تھا مثل دیوار کے قائم کر دیئے گئے تھے (تاکہ کنارے پانی رو سے کٹنے نہ پائیں)۔ ان پشتوں کی وجہ سے دریا اپنا رہ گزر تبدیل نہ کرسکتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ان پشتوں کی حفاظت کے لیے ایک خاص افسر (میر آب) مقرر تھا، جس کے ماتحت دس ہزار مزدور اور سواروں کا ایک رسالہ تھا۔ اس افسر کا فرض تھا کہ پشتوں کی نگاہداشت اور پانی کی تقسیم کا انتظام رکھے۔ ان پشتوں پر ایک جگہ ایک آلہ لگا ہوا تھا جس سے طغیانی میں پانی کی بلندی کا حال معلوم ہوتا تھا۔ جس سال دریا زیادہ چڑھتا تھا اس آلہ میں پانی سب سے نیچی سطح سے ساٹھ جو (دانہ شعیر) اونچا نظر آتا تھا۔ اور لوگ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ لیکن خشک سالی میں پانی اس آلہ میں صرف چھ جو اونچا ہوتا تھا۔

(۴۹۸)

مرو کلان سے جنوب میں ایک فرسخ پر دریا کے پانی کو روک کر اس کا پانی ایک بڑے گول تالاب میں ڈال دیا تھا اور اس تالاب سے چار نہریں نکال کر شہر کے مختلف محلوں اور حوالی شہر کی بستی میں لے گئے تھے۔ اس تالاب میں خاص خاص جگہ ور بچے مع دروازہ

تھے۔ ان دروازوں کو حسب ضرورت کبھی کھول کر اور کبھی بند کر کے
تالاب میں پانی کی بلندی کو گھٹاتے بڑھاتے رہتے تھے۔ جب دریا خوب
چڑھا ہوتا تھا تو جا بجا تالاب کے بند کاٹ کر قاعدہ کے مطابق پانی تقسیم
کر دیا جاتا تھا۔ اس موقع پر یہاں لوگوں کا ایک میلہ لگ جاتا تھا۔
ان چار نہروں کے نام حسب ذیل تھے۔ (۱) نہر ہُرمُز فَرَّہ
جو مغرب کی طرف بہتی تھی۔ اس کے بعد (۲) نہر ماجان تھی جو مشرق
کی طرف گئی تھی؛ اس کے بعد (۳) نہر شَہرَق یا اَلنّہارِیق؛ اور
اخیر میں (۴) نہر اَلسَعَدِی تھی۔ ان چاروں نہروں میں سے معلوم
ہوتا ہے کہ ماجان وہ نہر تھی جس میں دریائے ہُرغاب کا بڑا دھارا
بہتا تھا۔ یہ دریا شہر کی بیرونی بستیوں میں سے گزرنے کے بعد جہاں
اس پر کھیتوں کے سلسلے تھے، پھر ریگستان میں آکر بہنے لگتا
تھا، حتیٰ کہ جو کچھ پانی اس میں باقی رہتا تھا وہ آگے چل کر ریت
میں جذب ہو جاتا تھا۔ یاقوت نے ساتویں (تیرہویں) صدی میں لکھا
ہے کہ اس کے زمانہ میں دریائے مُرغاب کو دریائے شَہارِیق
کہتے تھے (یہ غالباً وہی نہر ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے)۔ اس نے
لکھا ہے کہ اکثر اوقات غلطی سے اس نام کا املا نَہارِیق کیا جاتا
تھا۔ مصنف جہان نما نے نام کی ایک اور مختلف شکل نَہرشایق بیان
کی ہے۔ مستوفی نے ان ناموں کا ذکر کیا ہے لیکن لکھا ہے کہ عام
طور پر دریا کا نام مُرغاب ہی استعمال ہوتا تھا، اور آج کل
بھی وہ اسی نام سے پکارا جاتا ہے[ل]۔

ل۔ اصطخری ص ۲۶۰، ۲۶۱؛ ابن حوقل ص ۳۱۵؛ مقدسی ص ۳۳۰، ۳۳۱؛ یاقوت ج ۲ ص ۱۱۰
مستوفی ص ۲۱۴؛ جہان نما ص ۳۲۸؛ حافظ ابرو (۳۲ ب) نے اس جگہ کا نام
جہاں دریائے مُرغاب ریگستان میں غائب ہو جاتا مایاب لکھا ہے
مرو کے گرد و نواح کے شہروں کے لئے دیکھو نقشہ ۱۰ (صفحہ حاشیہ ۴۴۷)
غالباً سادہ دلانہ تعبیر سے ایک ذریعہ مراد تھی۔

زمانہ وسطےٰ میں مرو کلاں کو مرو الشاہ‌جان کہتے تھے شاہجان غالباً
سے ممیز کرنے کے لئے مرو الشاہجان کہتے تھے شاہجان غالباً
فارسی لفظ شاہگان کی معرب شکل ہے؛ شاہگان کے معنے بادشاہ
کا یا شاہی ہیں۔لیکن یاقوت اور دوسرے مصنفوں نے اس کے
معنے "شاہ جان" لکھے ہیں۔ مرو کا حال جس طرح اصطخری، ابن حوقل
اور مقدسی نے لکھا ہے وہ یہ کہ اولاً بیچ میں شہر کا قلعہ (قہندز) (۳۹۹)
تھا۔ اس کو بلندی دے کر بنایا گیا تھا، اور وسعت میں وہ ایک شہر
سے کم نہ تھا۔ پھر اس قلعہ کے گرد شہر تھا، جس کی فصیل تھی، اور اس
میں چار دروازے تھے + اس شہر سے باہر بڑی بستیاں تھیں، جو بڑی
نہروں کے کنارے دور تک پھیلی چلی گئیں تھیں۔ اندرونے
شہر کے چار دروازے یہ تھے (۱) باب المدینہ (جنوب مغرب
رویہ) اس دروازے سے وہ سڑک شہر میں داخل ہوتی تھی جو
سرخس سے آئی تھی۔ (۲) باب سنجان (جنوب مشرق رویہ)
یہ دروازہ بنی ماہان کی بستی اور نہر اسعدی کی طرف کھلتا تھا
(۳) باب درمشکان (شمال مشرق رویہ) یہ دروازہ اس سڑک
پر واقع تھا جو دریائے جیحون کو جاتی تھی؛ (۴) باب بالین شمال
مغرب رویہ تھا + چوتھی (دسویں) صدی میں مرو میں تین جامع
مسجدیں تھیں۔ ایک قلعہ والی مسجد، جو مسجد بنی ماہان کہلاتی تھی؛
دوسری مسجد عتیق جو شہر کے باب المدینہ پر تھی اور تیسری
ماجان کی بستی والی جامع جدید جو باب المدینہ کے باہر تھی اور
یہیں مرو کے بڑے بازار تھے +

نہر رزیق شہر میں سے گزرتی ہوئی باب المدینہ اور
مسجد عتیق تک آتی تھی۔ یہاں اس کا پانی شہر کے اسی حصہ کے
باشندوں کے لئے بڑے بڑے تالابوں میں جمع کر لیا جاتا تھا
نہر رزیق سے مغرب کی طرف نہر ماجان بہتی تھی اور ماجان

کی بڑی بستی، جو شہر کے باہر تھی، اسی نہر سے سیراب ہوتی تھی۔ یہ بستی میدان یا چوک کے گرد واقع تھی۔ اسی میدان میں مسجد جدید، دار الامارۃ، اور محبس واقع تھے۔ یہ تینوں عمارتیں عباسیوں کے بڑے معاون و وفاکیش ابو مسلم خراسانی نے تعمیر کرائی تھیں۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عباسیوں کو خلافت ملنے کا بڑا باعث یہی ابو مسلم تھا۔ اصطخری کا بیان ہے کہ اسی حصہ میں پختہ اینٹ کی ایک عمارت دکھائی جاتی تھی جس میں پچپن ذرع قطر کا ایک گنبد تھا اور مشہور یہ تھا کہ عباسیوں کے کپڑے سیاہ رنگ کے جو بعد کو اس حکمران خاندان کا مخصوص رنگ قرار پایا، سب سے پہلے اسی عمارت میں رنگے گئے تھے۔

تھرماجان کے مغرب میں، جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، نہر ہُرمُزفَرَہ تھی۔ یہ نہر شہر کی بستیوں کی سرحد پر بہتی تھی اور اس کے کنارے وہ مکانات اور محلے تھے، جنھیں خاندان طاہریہ کے بادشاہ حسین نے تعمیر کرایا تھا۔ اس بادشاہ نے بہت سے بازار بھی اسی طرف منتقل کر دیے تھے۔ یاقوت نے اس زمانہ کے بعد جہاں اپنی کتاب میں ماجان والی بڑی مغربی بستی کا حال لکھا ہے وہاں اس بستی کے دو بڑے بازاروں کا ذکر بھی کیا ہے ان میں سے ایک کا نام سَراسجان (بجاے ماجان کی جگہ) اور دوسرے کا نام تخاران بہ لکھا ہے۔ نہر ہُرمُزفَرَہ کا آخر کار ایک شہر تک پہنچتی تھی، جس کا نام ہُرمُزفَرَہ تھا۔ یہ شہر دریاے مُرغاب کی پانی اور دلدل والی زمین کے قریب واقع تھا۔ اس کی جامع مسجد اپنی الگ تھی۔ شہر ہُرمُزفَرَہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر باشان واقع تھا۔ یہ بھی ایک شہر تھا جس میں جامع مسجد تھی۔ خَرَک (یا خَرَہ) اور السوسنقان کے دو قریے ایک دوسرے سے

(۴۰)

ایک فرسخ کے فاصلہ پر مرو سے اسی سمت واقع تھے، اور یہ بھی وسعت میں اتنے تھے کہ ہر ایک میں ایک ایک جامع مسجد اپنی علیحدہ تھی +

مرو سے مغرب کی طرف ایک مرحلہ کے فاصلے سے بسنج کا شہر تھا، جسے مقدسی نے بسنک لکھا ہے۔ اس میں خوب صورت جامع مسجد تھی اور یہ شہر نہر کے کنارے بہت سے باغوں میں واقع تھا۔ بسنج سے اسی طرف مرو کے جنوب مغرب میں سرخس جانے والی سڑک پر الدندانقان کا مشہور شہر تھا۔ یہ ایک چھوٹا مگر خوب متحصن مقام تھا۔ اس کی فصیل میں صرف ایک دروازہ تھا، اور فصیل کے باہر گرم حمام تھے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت نے اس شہر کے کھنڈر دیکھے تھے۔ ۵۵۳ھ (۱۱۵۸ء) میں غزّ نے اس شہر کو مسمار کردیا تھا، اور یہی مقام وہ تھا جہاں جنوب مغرب کی سمت شاداب قطعۂ مرو کی زراعت شروع ہوجاتی تھی۔ اسی طرح کشمیہن کے مقام پر، جو مرو سے ایک مرحلہ آگے بخارا جانے والی سڑک پر تھا، مرو کی شمال مغربی زراعت خاتمہ کو پہنچی تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ کشمیہن یا کشماہن کی ایک قسم کی کشمش مشہور تھی، جو مرابیب کشماہنی کہلاتی تھی۔ اس شہر میں ایک خوبصورت جامع مسجد اور عمدہ بازار تھے۔ ایک بڑی نہر اس شہر کو سیراب کرتی تھی۔ شہر میں بہت سی کاروان سرائیں اور حمام تھے، اور گرد و نواح کے باغوں میں میوہ بہت ہوتا تھا +

مرو کے باب دَر مشکان سے باہر نکلتے ہی خلیفہ مامون عباسی کا عالی شان محل تھا + جس زمانہ میں مامون کا دربار مرو میں تھا تو وہ اس محل میں رہا کرتا تھا۔ یہ واقعہ اس سے پیشتر کا ہے جب کہ اپنے بھائی امین کے ہاتھ سے خلافت نکالنے کے لیے

سغداد کو روانگی عمل میں آئی[ط]۔ باب دَر مشکان سے ایک سڑک
کشمیہن کی طرف جاتی تھی۔ شہر مَرو کا جنوب مشرقی دروازہ، یعنی
باب ماسجان نہر اسعدی پر کھلتا تھا۔ جس کے کنارے بنی ماہان
(یا میوساہان) کا محلہ تھا، جس میں مَرو کے مَرزبان، یعنے
ایرانی محافظ سرحد کا محل واقع تھا۔ اس دروازے سے ایک سڑک
دریائے مُرغاب کے کنارے کنارے القصر بنین ہوتی ہوئی
مَرو الرُّود کو گئی تھی۔ اس سمت میں مَرو سے چھ فرسخ کے
فاصلہ پر شہر جیرنج (یا مقدسی کے مطابق کیرنگ واقع تھا) اور
اور اس کے ایک فرسخ آگے شہر زرق تھا۔ یہیں وہ پن چکی تھی
جہاں ساسانیوں کے آخری بادشاہ یزدجرد ثالث نے بھاگ کر پناہ

ط یہاں مصنف کتاب اگر صرف اتنا ہی لکھتا کہ مامون اپنے بھائی امین سے مسند
خلافت حاصل کرنے سے قبل اور اس کے چند سال بعد تک مَرو کے اسی عالیشان
میں رہا کرتا تھا، تو کوئی اعتراض پیدا نہ ہوتا۔ لیکن اس کے بیان سے ظاہر ہوتا
ہے کہ مامون اس مقصد کے لئے بغداد بھی روانہ ہوا تھا۔ یہ بات تاریخ سے ثابت نہیں
ہوتی۔ مامون الرشید اپنے باپ ہارون الرشید کی وفات سے کچھ پیشتر باپ کے حکم سے خراسان
کا حاکم مقرر ہوکر مَرو پہنچ چکا تھا۔ ۱۹۳ھ (۸۰۹ء) میں باپ کا انتقال ہوا تو دونوں
بیٹوں میں خلافت پر نزاع شروع ہوا۔ مامون مَرو میں ہی رہا، اور اس کا سپہ سالار
طاہر بن حسین اور ہرثمہ بن اعین نے اپنے آقا کے دعوی پر امین کی فوجوں
سے مختلف مقامات پر جنگ و پیکار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ محرم ۱۹۸ھ (۸۱۳ء)
میں امین قتل ہوا، اور تیسرے دن طاہر نے بغداد میں مامون کے نام
کا خطبہ پڑھوا دیا۔ اس واقعہ کے بعد بھی چار برس تک مامون مَرو
ہی میں رہا۔ ۲۰۲ھ (۸۱۸ء) میں البتہ مَرو سے اٹھا، اور ملک کا دورہ
کرتا ہوا ۲۰۴ھ (۸۱۹ء) میں بغداد پہنچا۔ اس سے ظاہر ہے کہ بھائی سے
خلافت لینے کے لئے مامون مَرو سے بغداد نہیں گیا۔ مترجم)

گی تھی، اور ایک چکی والے نے جواہرات کے لالچ میں اُسے قتل کر دیا تھا۔
ابن حوقل نے لکھا ہے کہ زرق کے محدود شہر ہی میں دریائے مرغاب کے پانی کو نہروں میں کاٹنے کا سلسلہ قائم ہوا تھا، اور یہ نہریں بناکر مرو کے گرد باغوں میں پانی پہنچایا جاتا تھا۔ یہاں کے باغ شیریں خربوزوں کے لئے ہمیشہ سے مشہور چلے آتے تھے۔ ایسی ہی مشہور یہاں کی ہینگ (یعنی اُشتر غاز) کی تھی جو یہاں کاشت کی جاتی تھی اور خراسان کے مقامات کو بھیجی جاتی تھی۔ ریشم کے کیڑے بھی یہاں بہت پرورش کئے جاتے تھے، اور مرو میں جو ریشمی کپڑے تیار ہوتے تھے وہ بہت مشہور تھے۔[۱] (۴۰۱)

---

[۱] یعقوبی ص ۲۸۰ + اصطخری ص ۲۵۸-۲۶۳ + ابن حوقل ص ۳۱۴-۳۱۶ + مقدسی ص ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۱۰-۳۱۲، ۳۴۱ + یاقوت ج ۱ ص ۴۴۳، ۵۰۲، ۸۲۷، ج ۲ ص ۶۱۰، ج ۴ ص ۵۰۷ + شہر زرق اور اس کی چکی مرو سے سات فرسخ کے فاصلہ پر واقع تھی، اور وہ تالاب جس سے مرغاب کا پانی چار نہروں میں تقسیم کیا جاتا تھا اور ان نہروں میں ایک نہر رزیق بھی تھی، مرو سے صرف ایک فرسخ تھا۔ اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ نہر رزیق اور زرق کی پن چکی پاس پاس نہیں۔ لیکن نقطوں کے بے جگہ لگ جانے کی وجہ سے زراق یا زرناق اور زرایق یا زرنایق میں بہت غلط ملط واقع ہو گیا ہے۔ پن چکی کے نام کا تلفظ زرزاق یا زُرناق بھی کیا جاتا ہے اور نہر رزایق کا نام زرنایق بھی لیا جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق اسی نہر کے کنارے یزدجرد قتل ہوا تھا۔ دیکھو یاقوت ج ۲ ص ۷۷۴، ۹۲۵ ج ۴ ص ۵۰۸ + مقدسی (ص ۳۳) نے لکھا ہے کہ مرو سے تقریباً دو فرسخ کے فاصلہ پر، لیکن کس سمت میں یہ اس نے بیان نہیں کیا، ایک مختصر سا رباط تھا جس میں ایک قبر تھی اور عام روایت یہ تھی کہ اس میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک مدفون ہے لیکن اور بہت سے مقامات بھی ہیں جہاں آپ کے سر مبارک کا مدفون ہونا بیان کیا گیا ہے، بہرکیف یہ بات یقینی ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد آپ کا سر وہاں نہیں بھیجا گیا تھا۔

چوتھی (دسویں) صدی کے آخر میں، جب مقدسی نے مرو کو دیکھا ہے تو شہر کے باہر کی آبادی کا ایک ثلث برباد ہو چکا تھا، اور یہی کیفیت قلعہ کی تھی۔ لیکن پانچویں (گیارھویں) صدی میں سلجوقیوں کی حکومت میں شہر کو وسعت اور اہمیت کے لحاظ سے پھر ترقی ہوئی۔ سلاجقۂ اعظم کا آخری تاجدار سلطان سنجر ۵۵۲ھ (۱۱۵۷ء) میں یہیں دفن ہوا تھا، چنانچہ اس کے مقبرے کے شکستہ آثار اب تک یہاں دکھائی دیتے ہیں + یاقوت جو ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں مرو آیا تھا، لکھتا ہے کہ سلطان سنجر کی قبر ایک بڑے گنبد میں تھی۔ اس گنبد میں نیلے رنگ کی کاشانی اینٹیں لگی ہوئی تھیں، وہ اس قدر اونچا تھا کہ ایک دن کی مسافت سے نظر آتا تھا۔ اسی کے متصل جامع مسجد تھی۔ اور گنبد کے نیچے دیواروں کی کھڑکیاں جامع مسجد کی طرف کھلتی تھیں۔ یاقوت سے لوگوں نے بیان کیا کہ سلطان سنجر کی وفات پر ایک مدت گزرنے کے بعد اس کے چند ملازموں نے یہ مقبرہ اپنے آقا کی یادگار میں تعمیر کرایا تھا۔ مرو سے دو فرسخ کے فاصلہ پر اندرابہ کا گاؤں اسی سلطان کی ملک تھا۔ اس گاؤں میں سلطان کے محل کے کھنڈر ساتویں (تیرھویں) صدی تک نظر آتے تھے۔ محل کی دیواریں باقی تھیں اور سب ڈھیر ہو چکا تھا۔ اسی طرح یاقوت لکھتا ہے کہ قریب کا گاؤں بھی کھنڈر ہو چکا تھا +

یاقوت کا بیان ہے کہ اس کے زمانہ میں مرو میں دو بڑی جامع مسجدیں ایک ہی احاطہ میں واقع تھیں۔ ان میں سے ایک جامع مسجد حنفیوں کی تھی اور دوسری شافعیوں کی۔ یہ مصنف تین سال تک اپنی کتاب معجم البلدان کے لئے مواد جمع کرنے کی خاطر مرو میں رہا تھا۔ کیونکہ مرو کے کتب خانے مغلوں کے حملے سے پہلے بہت مشہور تھے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ اگر مغلوں کا حملہ نہ ہوتا تو

(۴۰۲)

میں تمام عمر یہیں رہتا، یہیں مرتا، اور یہاں سے باہر نہ نکلتا۔ منجملہ اور کتب خانوں کے اس نے جامع ہراۃ کے کتب خانوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان میں ایک عزیزیہ تھا جس میں کم و بیش بارہ ہزار جلدیں تھیں، اور دوسرا کمالیہ۔ ان کے علاوہ شرف الملک کے مدرسہ میں شرف الملک کا کتب خانہ، اور شہر میں سلاجقہ کے مشہور وزیر اعظم نظام الملک طوسی کا کتب خانہ بھی تھا۔ خاندان سامانیہ کے قائم کئے ہوئے کتب خانوں کا اور مدرسہ عُمیدیہ اور مدرسہ خاتونیہ اور مجد الملک کے کتب خانوں کا شمار پرانے کتب خانوں میں تھا۔ سب میں مخصوص کتب خانہ ضمیریہ تھا، جو ایک خانقاہ میں تھا۔ اس میں کتابیں صرف دو سو تھیں، مگر یاقوت لکھتا ہے کہ ہر جلد دو سو دینار سے بڑھ کر قیمت میں تھی۔ یہاں جتنی کتابیں تھیں وہ سب نادر اور بے بہا تھیں +

۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں جب مغل جرگوں کی آمد کا غل ہوا تو یاقوت نے میسوپوٹیمیا کے شہر موصل میں پناہ لی۔ مغلوں نے مراد پہنچ کر وہاں کے تمام کتب خانوں کی شان و شوکت کو نذر آتش کر دیا، یعنی اس عظیم الشان شہر کو لوٹنے اور مسمار کرنے کے سلسلہ میں یہ کتب خانے بھی جلا کر خاک کر دیئے گئے۔ یہ وہ ہلاکت اور غارت گری تھی جس میں بیان ہوا ہے کہ نوے لاکھ لاشیں آدمیوں کی شہر کے کھنڈروں میں بے گور و کفن پڑی تھیں۔ ابن الاثیر لکھتا ہے کہ مغلوں نے سلطان سنجر کے مقبرے اور قریب کی اکثر مسجدوں اور عمارتوں کو آگ لگا دی۔ حافظ ابرو کا بیان ہے کہ مغلوں نے دریائے مُرغاب کے تمام بندوں کو توڑ دیا۔ یہ وہ بند اور پشتے تھے جن کی تعداد میں شروع کے سلاطین سلجوقی کے زمانہ میں بہت اضافہ ہوا تھا

اور جن کی نگہداشت رکھی جاتی تھی، تاکہ مرو کے علاقہ میں آبپاشی بخوبی ہو سکے۔ مگر اب وہی علاقہ بجائے ایک سرسبز نخلستان کے پانی اور دلدل کی جھیل بن گیا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی تک یعنی جب ابن بطوطہ مرو سے گزرا ہے، یہ شہر اس سرے سے اس سرے تک کھنڈر ہی کھنڈر نظر آتا تھا۔

ابن بطوطہ کے ہمعصر مستوفی نے جو حالات مرو کے لکھے ہیں ان کی شان و شوکت دوسری (آٹھویں) صدی سے متعلق ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ابو مسلم خراسانی کی زیر حکومت یہ شہر اپنے انتہائی عروج پر پہنچا ہوا تھا اور (اسی صدی کے اواخر اور اس سے آگے کی صدی کے شروع میں) خلیفہ مامون بغداد روانہ ہونے سے قبل یہیں سکونت رکھتا تھا۔ اس کے بعد خاندان صفاریہ نے خراسان کا دارالحکومت نیشاپور کو منتقل کر دیا۔ لیکن سلجوقیوں نے مرو کی شان و شوکت کو پھر زندہ کیا، اور سلطان ملک شاہ نے شہر کی فصیل، جس کا دور بارہ ہزار تین سو قدم تھا، تعمیر کرائی، شاداب قطعہ مرو میں اناج کی فصلیں ایسی بار آور ہوتی تھیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ مستوفی لکھتا ہے کہ جتنا بیج ڈالا جاتا تھا، پہلے سال اس سے سو گنا پیدا ہوتا تھا، اور جو بیج کھیتوں میں پڑا رہ جاتا تھا وہی دوسرے سال جم کر تیس گنا غلہ دیتا تھا۔ تیسرے سال جتنا بیج بویا جاتا تھا اس سے دس گنی پیداوار ہوتی تھی۔ لیکن شہر کا موسم مرطوب ہونے کی وجہ سے تندرستی کے لئے مضر تھا، اور رشتے یا نارو سے کی بیماری سخت آزار دہ تھی۔ ابن بطوطہ کے زمانہ میں یہاں کے ریگ رواں نے بھی بہت سے زرخیز علاقہ کو تباہ کر ڈالا تھا، لیکن پھر بھی تربوز یہاں نہایت عمدہ ہوتا تھا، جس کو توڑنے کے بعد خشک کر کے درساور کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں انگور اور ناشپاتی بھی ہوتی ہے۔

(۴۰۴ ،۳)

مستوفی لکھتا ہے کہ مَرو اُس کے زمانہ میں بھی قریب قریب بالکل ویران پڑا تھا۔ گو قیاس یہ ہوتا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں اس کی پرانی شان شوکت تھوڑی بہت پھر عود کر آئی ہوگی، کیونکہ تیمور جب کبھی لڑائیوں سے فرصت پاتا یہاں آکر قیام کرتا تھا۔ جہاں وہ بالعموم قیام کرتا تھا اُس کا نام علی یزدی نے ماخان لکھا ہے۔ لیکن یہ غالباً کتابت کی غلطی ہے، دراصل نام ماجان ہے جس کے متعلق اوپر بیان ہوچکا ہے کہ وہ شہر مَرو کا مغربی ربض تھا۔ مگر یاقوت نے ایک مقام پر ماخان کا ذکر کیا ہے اور اس کو مَرو کے قریب ایک گاؤں بتایا ہے + تیمور کے پوتے شاہ رُخ کے عہد میں شہر مَرو کی رونق ایک حد تک پھر بحال ہوگئی۔ اس نے ۸۱۲ھ (۱۴۰۹ء) میں شہر کے بڑے بند کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ چنانچہ ۸۲۱ھ (۱۴۱۸ء) میں جب حافظ ابرو نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ شہر پھر شان دار اور معمور ہوگیا تھا۔[1]

مَرو سے تقریباً ایک سو بیس میل کے فاصلے پر، دریائے جیحون کے کنارے، اُس جگہ جہاں سے خراسان کی بڑی سڑک دریا کو عبور کرکے بخارا اور ماوراء النہر جاتی تھی، آمُل کا شہر واقع تھا۔ اس سے مشرق میں تقریباً سو میل دریا کے چڑھاؤ کے رُخ اسی کنارے پر زَمّ کا شہر تھا۔ یہاں بھی دریا اترنے کا گھاٹ تھا۔ آمُل کو زمانہ وسطیٰ کے آخری حصہ میں آمُویہ کہتے تھے اور اس کے بعد اسے چھارجوئے کہنے لگے (اور آج کل بھی اسے

---

[1] ابن اثیر۔ ج ۱۲ ص ۲۰۶ + یاقوت ج ۱ ص ۳۷۳ + ج ۴ ص ۴۷۸، ۵۰۹، ۵۱۰ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۹۴ + مستوفی ص ۱۸۹ + علی یزدی ج ۱ ص ۱۴۷، ۱۵۰، ۵۶۶ + حافظ ابرو ص ۲۲(؟) ۵) +

چھاڑجوے ہی کہتے ہیں)۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا سرسبز اور خوشگوار شہر تھا، اور اس وجہ سے بھی اسے اہمیت حاصل تھی کہ دریائے جیحون سے جو ملک دور دور واقع تھے وہاں کے قافلوں کی آمد و رفت کا سلسلہ اُس میں ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ آمُل سے جنوب مغرب میں مَرْو جانے والی سڑک کی ہر منزل پر کنوئیں موجود تھے، لیکن اس کے سوا علاقۂ آمُل کے ہر طرف ریگستان تھا، اور یہاں یہ ریگستان دریا کے کنارے تک پہنچا ہوا تھا۔ مقدسی نے آمُل کے عمدہ بازاروں کی تعریف کی ہے۔ شہر دریا سے ایک فرسخ کے فاصلے پر خوب سرسبز شاداب زمین میں واقع تھا، جہاں تاکستان بکثرت تھے۔ شہر میں جامع مسجد بھی تھی، جو ایک چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھی۔ آمُل کے سامنے (دریا پار) دریا کے دائیں کنارے پر بخارا کے علاقہ میں فِرَبر کا شہر تھا۔ (۴۴)

یاقوت نے بیان کیا ہے کہ اس جیحون والے شہر آمُل کو (جو خراسان کی حدود میں تھا) ایک دوسرے شہر آمُل سے، جو طبرستان کا دارالحکومت تھا (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۷۰) تمیز کرنے کے لیے کتابوں میں آمُل نہَرْ لکھا جاتا تھا۔ (نہَر دریائے جیحون پر امل سے مشرق میں ایک دوسرا مقام تھا جہاں سے اس دریا کو عبور کیا جاتا تھا) آمُل نہَر کے علاوہ اسے آمُل جیحون یا آمُل الشّط یعنی دریا والا آمُل) یا آمُل المفازہ (یعنی ریگستان والا آمُل) بھی کہتے تھے۔ بہر کیف یاقوت کے زمانہ میں آمُل کا شہر آمُو یا آمُویَہ کہلانے لگا تھا، اور اسی نام سے اُس کا ذکر مغلوں کے حملے اور تیمور کی فوجی مہموں کی تاریخ میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے قلعۂ آمُویَہ یا قصر آمُویَہ

بھی کہتے تھے۔ گیارھویں (سترھویں) صدی میں ابوالغازی نے
جہاں چنگیز خاں کی فوجی مہموں کی تاریخ بیان کی ہے وہاں اس
کا نام آمویہ ہی لکھا ہے۔ لیکن جہاں اس مصنف نے
خود اپنے زمانہ کے واقعات بیان کئے ہیں وہاں دریائے
جیحون کے اس گھاٹ کا ذکر کرنے میں اس کا نام چہارجوئے لکھا ہے
جس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آمل اور چہارجوئے
ایک ہی مقام ہے۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ زمّ کا شہر دریائے
جیحون کے کنارے خراسان کی حدود میں واقع تھا۔ آج کل اس شہر
کا نام کرخی ہے اور زمانۂ وسطےٰ میں اس کے سامنے دریا پار
شہر اخسیسک بخارا کی سمت میں واقع تھا۔ ابن حوقل لکھتا
ہے کہ وسعت میں زمّ آمل کے برابر تھا، لیکن خراسان
کی سمت سے اُس تک پہنچنے کا صرف ایک راستہ تھا، یعنی وہ
سڑک جو آمل سے دریائے جیحون کے چڑھاؤ کے رُخ چل کر
چار منزلوں میں زمّ پہنچتی تھی + زمّ سے ہزو تک براہ
راست جانے میں ایسا ریگستان حائل تھا جس میں پانی نہ ملتا
تھا۔ زمّ سے مشرق کی طرف بلخ اور ترمذ کے شہر
تھے۔ بلخ جیحون کے اسی طرف تھا، اور ترمذ دریا پار
تھا۔ زمّ کا ذکر مقدسی نے مختصراً کیا ہے، اور لکھا ہے
کہ اس کی جامع مسجد بازار میں واقع تھی، جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ چوتھی (دسویں) صدی میں وہ کسی قدر بڑا شہر ہو چکا تھا[1]
اب ہم پھر دریائے مرغاب کو واپس آتے ہیں، اور

---

[1] اصطخری ص ۲۸۱، ۳۱۴ + ابن حوقل ص ۳۴۹، ۳۶۲ + مقدسی ص ۲۹۱، ۲۹۲ + یاقوت ج ۱۔ ص ۶۹ + ج ۲۔ ص ۹۴۶ + علی یزدی ص ۱۴۰، ۳۲۴، ۵۶۸ + ابوالغازی ص ۱۲۴، ۳۲۹ +

دیکھتے ہیں کہ اسی دریا کے کنارے مرو کلاں سے ایک سو ساٹھ میل دریا کے چڑھاؤ کے رُخ پر مرو خورد یا مرو بالا کا شہر آباد ہے اور دریا پر اس شہر موقع وہاں ہے جہاں یہ دریا غور کے پہاڑوں سے نکل کر صحرا میں سے ہوتا ہوا خم کھا کر شمال کا راستہ مرو کلاں کی طرف اختیار کرتا ہے۔ مرو خورد یا مرو بالا جیسا کہ مقدسی کے علاوہ اور مصنفوں نے اس کا نام لکھا ہے اس مقام پر ہے جسے اہل ایران مرغاب کہتے ہیں۔ یہ شہر اب بالکل ویران ہے اور تیمور کے حملے کے بعد سے اسی حال میں ہے۔ بہر کیف (۴۰۵) چوتھی (دسویں) صدی میں اس کا نام مروالروذ تھا اور وہ ایک نہایت ہی معمور علاقہ کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اس شہر میں اور اس کے علاوہ اس علاقہ کے بڑے چار شہروں میں جامع مسجدیں تھیں۔ مروالروذ دریائے مرغاب کے کنارے سے ایک تیر کے پلے (رمیۃ سہم) پر باغوں اور تاکستانوں کے بیچ میں واقع تھا۔ اس کا فاصلہ مغربی سمت کے پہاڑوں سے تین فرسخ اور مشرقی سمت کے پہاڑوں سے دو فرسخ تھا۔ بازار میں جامع مسجد تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہ عمارت چوبی ستونوں پر قائم تھی؛ قدامہ نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ بالا مرود سے (جیسا کہ اس نے اس کا نام لکھا ہے) ایک منزل کے فاصلہ پر قصر عمرو نام ایک قلعہ پہاڑیوں میں اس طرح واقع تھا کہ اس سے ایک چھوٹی سی گھاٹی کا دہن بالکل بند ہو جاتا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں عوام سے مروالرّود یا مرود کہتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کے ہاتھوں جو شدید تباہی مرو کلاں کو اٹھانی پڑی تھی وہی مروالرّود کا حشر ہوا۔ بہر کیف آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے اسے بارونق شہر لکھا ہے جس کی فصیل کا دور پانچ ہزار قدم تھا، اور یہ فصیل سلطان

ملک شاہ سلجوقی نے تعمیر کرائی تھی۔ اس کے گرد و نواح کا علاقہ بہت زرخیز تھا، خربوزہ یہاں بہت ہوتا تھا اور ضروریات کی چیزیں سستی ملتی تھیں + [۱]

مَرْوَ الرُّوْد سے ایک دن کی راہ پر دریا کے اسی کنارے جس پر مَرْوالرُّوْد تھا، دریا کے بہاؤ کے رُخ مَرْو کی سمت میں ایک قلعہ تھا، جسے قصرِ اَحنَف کہتے تھے۔ اس کا نام ایک عرب سپہ سالار احنف پر رکھا گیا تھا۔ اسی سپہ سالار نے سنہ ۳۱ھ (۶۵۲ء) میں حضرت عثمان رضی اللہ کے عہد میں اس ملک کو فتح کیا تھا + ابنِ حوقل لکھتا ہے کہ قصرِ احنف ایک بڑا مقام تھا، اس کے گرد بہت سے تاکستان اور عمدہ باغ تھے، اور یہاں کی زمین اور موسم دونوں بہت اچھے تھے۔ مقدسی نے یہاں کی جامع مسجد کا ذکر کیا ہے، جو بازار میں واقع تھی۔ آج کل قصرِ احنف کے موقع پر مَرْوچک نام ایک گاؤں ہے، جسے اہل ایران مَرْو کوچک کہتے ہیں۔ زمانہ وسطیٰ میں مَرْوالرُّوْد سے چار فرسخ شمال میں دِنْداہ کا شہر دریائے مُرغاب کے دونوں کناروں پر واقع تھا، اور شہر کے ان دونوں حصوں کو ملانے کے لئے ایک سنگ بستہ پل تھا۔ اس شہر میں بھی ایک خوبصورت جامع تھی، اور یاقوت لکھتا ہے کہ شروع میں اس شہر کو سِنْوان کہتے تھے۔

پنج دِیہ کے گاؤں مَرُوچک کے شمال میں دریائے مُرغاب کے کنارے واقع تھے، اور سنہ ۴۳۷ھ (۱۰۴۵ء) ناصر خسرو مکہ معظمہ جاتے ہوئے اس مقام پر سے گزرا تھا۔ سنہ ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں

---

[۱] قدامہ ص ۲۱۰ + اصطخری ص ۲۶۹ + ابن حوقل ص ۳۲۰ + مقدسی ص ۳۱۴ + یاقوت ج ۴ ص ۵۰۶ + مستوفی ص ۱۹۰ + بالا مُرغاب کے کھنڈروں کے حالات کے لئے دیکھو سی، ای۔ ییٹ (Yate) کی کتاب Northern Afghanistan ص ۲۰۸ +

(۴۰۶)

یاقوت بھی وہاں آیا تھا، وہ لکھتا ہے کہ پنج دِیہ ایک عمدہ شہر ہے
اس مقام کا ذکر آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیموریہ
کی فوجی مہموں کی ضمن میں آیا ہے۔ علی یزدی لکھتا ہے کہ اس
وقت اس کا نام پنجدِہی تھا (لیکن معلوم ہوتا ہے کہ نام میں
اختلاف ہے بعض قلمی نسخوں میں اسے بَنْدِہی بھی لکھا گیا ہے)
زمانہ وسطیٰ کے اوائل میں مَرْوِ خورد سے لے کر مَرْو کلاں
تک دریائے مُرغاب کے کناروں سے ملا ہوا علاقہ
تمام مزروعہ تھا، اور اس میں شہر اور گاؤں بہت آباد
تھے۔ اَلْقَرینَین، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، مَرو
کلاں سے چار فرسخ جنوب میں، اور مَرْوالرُّود سے
دو فرسخ شمال میں واقع تھا۔ اَلْقَرینَین اور مَرْوالرُّود
کے وسط میں لوکَر یا لوکَرا کا شہر تھا، جسے مقدسی
نے ایک معمور شہر لکھا ہے، جو وسعت میں قصرِ اَحنَف
کے برابر تھا۔ مَرْوالرُّود کے جنوب میں، دریائے مُرغاب
کے چڑھاؤ کے رُخ کنارے کنارے غُرجستان کے
پہاڑوں تک بہت سے آباد اور خوش حال علاقے ہیں جن کا
ذکر غُور کے بیان میں جو ربع ہرات کا علاقہ ہے، آئندہ
باب میں آئے گا۔[1]

[1] یعقوبی ص ۲۹۱ + اصطخری ص ۲۷۰ + ابن حوقل ص ۳۲۱ + مقدسی ص ۲۹۹، ۳۱۴ + ناصر خسرو ص ۲ + یاقوت ج ۱۔ ص ۳۴۳، + ج ۴۔ ص ۱۰۸ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۵۲ + قرونِ وسطیٰ کے کھنڈروں کے حالات کے لئے دیکھو سی، اِی، ییٹ۔ کی کتاب Afghanistan ص ۱۱۰، ۱۲۰، ۱۹۴ +

(۴۰۷)

باب بست و نہم

خراساں (جاری)

ربع ہرات۔ دریائے ہرات یا ہری رود۔ شہر ہرات
مالین اور ہری رود کے بالائی حصے کے شہر۔ پوشنج۔
علاقہ اسفزار۔ علاقہ باد غیس اور اس کے شہر
کنج رستاق۔ علاقہ غرجستان اور علاقہ غور۔
بامیان۔

خراسان کا ربع ہرات تمام تر اُس ملک میں ہے جسے آج کل افغانستان کہتے ہیں، اور اس کا زیادہ تر حصہ دریائے ہرات یا ہری رود سے سیراب ہوتا ہے۔ یہ دریا غور کے پہاڑوں سے نکل کر شروع میں کچھ دور مغرب کی طرف بہتا ہے۔ ہرات کی گھاٹی میں اس سے بہت سی نہریں نکالی گئی تھیں، تاکہ یہاں کی زمینوں میں آبپاشی ہوسکے۔ ان نہروں میں سے بعض شہر ہرات کے شمال میں تھیں اور بعض جنوب میں۔ مقدسی نے ان میں سے سات نہروں کے نام لئے ہیں، جن سے دارالحکومت ربع ہرات یعنی شہر ہرات کے گرد و نواح کے زرخیز علاقے سیراب

ہوتے تھے +

شروع میں دریائے ہرات مشرق سے مغرب کی طرف بہتا ہوا شہر مالن کے قریب سے گزرتا ہے۔ مالن شہر ہرات کے جنوبی دروازے سے دریا پار چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں دریا پر ایک پل تھا، جس کی نسبت مقدسی نے لکھا ہے کہ خوبصورتی میں خراسان کا کوئی پل اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اس پل کو کسی مجوسی نے، جس کا نام کتبہ پر موجود تھا، تعمیر کرایا تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ "بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مجوسی بعد کو مسلمان ہو گیا تھا، اور بعض کا قول ہے کہ وہ دریا میں ڈوب مرا تھا، کیونکہ سلطان وقت نے اپنا نام اس پل پر کندہ کرانا چاہا تھا" مستوفی نے ان بڑی نہروں میں سے، جو شہر ہرات کے قریب ہی ہامواد سے نکالی گئی تھیں، نو نہروں کے نام لکھے ہیں۔ شہر ہرات سے آگے بڑھ کر ہی سواد فوشنج کے شہر سے گزرتا تھا جو اس دریا کے جنوبی کنارے کے قریب واقع تھا، اور پھر شمال کی طرف خم کھا کر سرخس کو بہتا چلا گیا تھا۔ لیکن اس شہر کو پہنچنے سے پہلے دریائے مشہد اس میں آ ملتا تھا جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے۔ سرخس سے آگے شمال کی جانب اس کا پانی ریگستان میں جذب ہو جاتا تھا۔ حافظ ابرو کی تحریر کے مطابق دریائے ہرات کا نام (۴۰۸) ججران تھا۔ اس نام میں کس حروف کے ساتھ کون سے نقطے ہیں اور صحیح تلفظ کیا ہے، دونوں باتیں صحت کے ساتھ معلوم نہیں ہوئیں۔ حافظ ابرو نے یہ بھی لکھا ہے کہ دریائے ہرات جس چشمے سے نکلا تھا وہ دریائے ہلمند کے منبع سے دور نہ تھا +[1]

(۱) اصطخری ص ۲۶۶ + ابن حوقل ص ۳۱۸ + مقدسی ص ۳۲۹ + مستوفی ص ۲۱۶ + حافظ ابرو ص ۳۲

ابن حوقل اور مقدسی کے بیان کے مطابق ہرات زہرات جو زیادہ درست ہے) ایک بڑا شہر تھا، اس میں ایک قلعہ تھا اور شہر کے گرد ایک فصیل تھی، جس میں چار دروازے تھے۔ ان دروازوں کے نام حسب ذیل تھے:- (۱) باب سرائے یعنی محل کا دروازہ) یہ شمال میں بلخ کی جانے والی سڑک پر تھا۔ (۲) مغرب میں نیسابور کی طرف باب خزیاد (۳) مغرب میں سجستان جانے والی سڑک پر باب فیروزآباد تھا، جسے مقدسی باب فیروز لکھتا ہے (۴) مشرق کی جانب باب خشک غور کے پہاڑوں کی طرف واقع تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ سوائے باب سرائے کے جس کا پھاٹک لوہے کا تھا، تمام دروازوں کے پھاٹک لکڑی کے تھے۔ ہرات کے قلعہ میں بھی (جو قھندز کہلاتا تھا) انہی شہر کے دروازوں کے نام پر چار دروازے تھے۔ شہر وسعت میں نصف فرسخ مربع تھا۔ دارالامارۃ جس مقام پر تھا اُسے خراسان آباد کہتے تھے۔ یہ مقام شہر سے باہر قومشتنج جانے والی سڑک پر تھا، جو مغرب کی سمت میں گئی تھی۔ شہر کے چار دروازوں پر شہر کے اندر کے رُخ بازار تھے اور باہر وسیع بستیاں تھیں۔ ہرات کی عظیم الشان جامع مسجد بڑے بازار میں تھی اور تمام خراسان اور سجستان میں کوئی مسجد خوبصورتی میں اس کے برابر نہ تھی مسجد کی پشت پر مغرب کی طرف محبس تھا۔

شہر ہرات کے شمال میں دو فرسخ کے فاصلے پر پہاڑ تھے جن کے بیچ کی زمین بلا کاشت تھی، کیونکہ اس میں آبپاشی نہ ہوتی تھی۔ ان پہاڑوں سے چکیوں کے لئے پتھر اور فرش میں لگانے کی سلیں نکالی جاتی تھیں۔ ان میں سے ایک پہاڑ کی چوٹی پر سرشک نام ایک آتشکدہ تھا، جہاں چوتھی (دسویں

صدی میں مجوسی بہت آیا کرتے تھے۔ عیسائیوں کا ایک گرجا بھی یہاں تھا، جو اس آتشکدہ اور شہر کے درمیان نصف راہ پر واقع تھا۔ ہرات کے جنوب سے نہر مالین والے پل تک جو ہری کے رود پر تھا، تمام زمین ایک باغ معلوم ہوتی تھی کیونکہ ہر جگہ کھیتیاں تھیں، اور بہت سی نہروں سے یہاں آب پاشی ہوتی رہتی تھی۔ یہ اصل قطعہ کئی نہروں میں تقسیم تھا اور بڑے بڑے آباد گاؤں، ایک کے بعد ایک، دن بھر کی راہ سے بھی زیادہ دور تک سجستان کی سڑک کے کنارے کنارے چلے گئے تھے۔

(۴۰۹) مغلوں کی یورش تک شہر ہرات کی رونق اور ترقی میں کوئی فرق نہ آیا۔ جس وقت ۶۱۴ھ (۱۲۱۷ء) میں یاقوت آیا ہے، اور یہ واقعہ مغلوں کی غارت گری سے چار برس قبل کا ہے، تو اس مصنف نے یہ خیال کیا کہ اب تک جس قدر شہر اس کی نظر سے گزرے تھے، ان میں ہرات سب سے زیادہ مرفہ الحال اور بڑا شہر تھا، اور ایک نہایت ہی حاصل خیز ملک میں واقع تھا۔ اس کا ہم عصر، قزوینی، جس سے یاقوت کے بیان کی توثیق ہوتی ہے، لکھتا ہے کہ یہاں بہت سی چکیاں نظر آئیں جو بجائے پانی کے ہوا سے چلتی تھیں۔ اور بات اسے بہت ہی عجیب معلوم ہوئی۔ لیکن بہرکیف تاتاریوں کی یورش کے بعد ضرور ہے کہ ہرات نے پھر جلدی ترقی کر لی ہوگی، کیونکہ اس کے بعد کی صدی، یعنی آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے ابن بطوطہ کے اس بیان کی تصدیق کی ہے کہ تمام خراسان میں نیشاپور کے بعد ہرات سب سے زیادہ آباد و معمور شہر تھا۔ اس زمانہ میں شہر کی فصیل کا دور نو ہزار قدم تھا، اور شہر کے گرد اس سے متصل اٹھارہ

گاؤں تھے جنہیں ہری رود کی ایک نہر (نہر سہا) خاص طور پر سیراب کرتی تھی۔ یہاں کے انگور جو فخری کہلاتے تھے، اور انجیر دونوں بہت اچھے ہوتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ہرات کے رہنے والے سنی تھے۔ مستوفی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی (بارھویں) صدی میں غوری خاندان کی حکومت کے زمانہ میں ہرات اپنے انتہائی عروج کو پہنچا۔ اس وقت اس کے بازاروں میں بارہ ہزار دکانیں، چھ ہزار حمام، اور چھ سو انسٹھ مدرسے تھے اور اس کی آبادی کا اندازہ چار لاکھ چوالیس ہزار کیا جاتا تھا۔

جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو ہرات کے شمال میں ایک مستحکم قلعہ تھا جسے قلعۂ شمیران کہتے تھے۔ یہ شہر سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک پہاڑی کی چوٹی پر اس جگہ بنایا گیا تھا جہاں پہلے آتشکدہ سرشک تھا۔ اس کا ذکر ابن حوقل نے کیا ہے۔ یہ قلعہ اَمَلْکُجَہ کے نام سے بھی مشہور تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور نے ہرات پر قبضہ کر کے شہر کی فصیل کو مسمار کر دیا، اور شہر کے اکثر اہل حرفہ کو شہر سبز بھیج دیا، جو ماوراء النہر میں اس نے حال میں بنایا تھا، تاکہ اس نئے شہر کی آبادی بڑھ جائے۔ ترکی جغرافیہ جہان نما کے مصنف نے لکھا ہے کہ اس وقت یعنی سنہ ۱۰۱۰ھ (سنہ ۱۶۰۱ء) میں شہر ہرات کے پانچ دروازے تھے۔ جس دروازے کو دروازۂ ملک کہتے تھے وہ شمال میں تھا، باب العراق مغرب میں، باب فیروزآباد جنوب میں، باب خشک مشرق میں، اور باب قبچاق، جو حال میں تیار ہوا تھا، شمال مشرق میں۔ ہرات کے گرد کے دس بلوکات یا علاقوں کے نام بھی بیان ہوئے ہیں لیکن کوئی بیان ایسا نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ علاقے ایک دوسرے سے کس

سمت اور فاصلے سے واقع تھے[1]۔

(۴۱۰) ہرات کے جنوب میں دو فرسخ یا آدھے دن کی راہ پر، اور غالباً اس عظیم الشان پل سے آگے بڑھ کر جو ہری رود پر بنا ہوا تھا، مالِن یا مالَن کا شہر تھا۔ اس پل کا نام بھی اسی شہر کے نام پر تھا، اور جو علاقہ شہر کے گرد ایک دن کی مسافت تک واقع تھا اُسے بھی علاقۂ مالِن ہی کہتے تھے۔ مگر شہر کو السَّفلقات اور مالِن ہرات اس وجہ سے کہنے لگے تھے کہ صوبۂ قوہستان کے علاقہ باخرز میں جو شہر اسی مالِن نام تھا اُس سے تمیز قائم کی جا سکے (دیکھو باب ۲۵۔ صفحہ حاشیہ ۳۵۷)۔ مالِن ہرات ایک مختصر سا شہر تھا، اس کے گرد ثمر آور باغ تھے، اور اُس کے تاکستانوں کے انگور مشہور تھے۔ یاقوت نے، جو اس

---

[1] اصطخری ص ۲۶۴-۲۶۶۔ ابن حوقل ص ۳۱۶، ۳۱۸۔ مقدسی ص ۳۰۶، ۳۰۸۔ یاقوت ج ۴۔ ص ۹۵۰۔ قزوینی ج ۲۔ ص ۳۲۲۔ ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۶۳۔ مستوفی ص ۱۸۷۔ جہان نما ص ۳۱۰-۳۱۲۔ علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۲۲، ۳۲۳۔ حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب جہان نما میں ہرات کے جو حالات لکھے ہیں وہ ایک حد تک اُس رسالہ پر مبنی ہیں جو ۸۹۷ھ (۱۴۹۲ء) میں معین الدین اسفزاری نے ہرات کے حالات میں لکھا تھا۔ اس رسالہ کو میر خواند نے اپنی کتاب روضۃ الصفا کے خاتمہ پر نقل کیا ہے (حصہ ۷۔ ص ۳۵-۵۱)۔ باربیر ڈی مینارڈ (Meynard) نے اس کا ترجمہ جرنل ایشیاٹک سنہ ۱۸۶۰ء ج ۲ ص ۴۶۱۔ سنہ ۱۸۶۱ء ج ۱ ص ۴۳۸، ۳۰۴ ۔ سنہ ۱۸۶۲ء ج ۲ ص ۲۶۹ میں کیا ہے۔ ہرات کی موجودہ حالت کے لئے دیکھو سی، ای ییٹ (Yate) کی کتاب Afghanistan ص ۲۵-۲۸۔

شہر میں رہا تھا، اس نام مالین لکھا ہے لیکن اتنا اور لکھا ہے کہ اس کے زمانہ لوگ اسے مالان کہتے تھے۔ پچیس گاؤں اس کے علاقہ سے متعلق تھے؛ ان میں سے اس نے حسب ذیل چار قریوں کے نام خصوصیت سے لکھے ہیں:۔ ھُماب، باشینان، نُشلَان، اور غَبسقان +

ہرات سے ایک مرحلہ شمال مشرق میں کَرُوخ یا کارُوخ کا شہر تھا، جس کی نسبت ابن حوقل لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں ربع ہرات میں اس کے دار الحکومت کے بعد یہی سب سے بڑا شہر تھا۔ یہاں سے زرد آلو اور کشمش بہت افراط سے قرب و جوار کے علاقوں اور شہروں کو بھیجا جاتا تھا۔ جامع مسجد شہر کے اس حصہ میں تھی جسے سَبیلان کہتے تھے، اور شہر کے مکانات بھی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ کَرُوخ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں واقع تھا۔ اُس گھاٹی کا طول بیس فرسخ تھا، اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک وہ بالکل مزروعہ تھی۔ بہت سے گاؤں اور زراعت کی وسیع زمینیں اس کی مختلف ندیوں کے کنارے واقع تھیں۔ اس گھاٹی کا جو سب سے بڑا دریا تھا وہ بہتا ہوا ہری رود میں آ کر مل جاتا تھا، اور غالبًا یہ دریا وہی تھا جس کا نام یاقوت نے نہر کَرَاغ لکھا ہے۔

ہرات سے مشرق کی طرف ہری رود کی عریض وادی میں متعدد شہروں کا ذکر، جو یکے بعد دیگرے واقع تھے، چوتھی (دسویں) صدی کے جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے؛ اور وہ شہر یہ ہیں بُشان، یہ ہرات سے ایک دن کی مسافت پر تھا، اس کے بعد خَیسار، استربیان، مَرَبَد اور اُوفَہ کے شہر تھے ان میں ایک سے دوسرا مشرق کی سمت

میں ایک دوسرے سے ایک دن کی راہ پر تھا؛ اور اخیر میں اوفلہ
سے دو دن کی مسافت پر خشت تھا، جسے علاقۂ غورہ میں شمار
کیا جاتا تھا۔ ان شہروں میں آوفلہ وسعت کے لحاظ سے تقریباً
کُش وخ کے برابر تھا، اور اہمیت میں اُس سے دوسرے (۴۱۱)
درجے پر تھا۔ باقی چاروں شہروں کا حال بھی ان ہی الفاظ میں
بیان ہوا ہے کہ وہ خوب شاداب اور معمور تھے۔ یہ حسب وسعت
میں مالین سے چھوٹے تھے۔ ان میں ہر ایک شہر میں باغ
اور اچھی پیداوار کے کھیت تھے۔ اُستسیٰ بیان میں البتہ انگور
پیدا نہ ہوتا تھا، کیونکہ پہاڑی ملک قریب تھا۔ لیکن مَرَبْذ
کا چاول خاص طور پر مشہور تھا، اور بکثرت دساور ہوتا تھا۔[1]

ہرات سے مغرب میں ایک دن کی مسافت پر بوشنج
یا فوشنج کا بڑا شہر ہری رود کے بائیں کنارے کچھ دور
جنوب کی سمت میں واقع تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ شہر وہاں
تھا جہاں اب شہر غوریان واقع ہے۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں)
صدی میں لکھا ہے کہ بوشنج وسعت میں ہرات سے آدھا
تھا، اور ہرات کی طرح سطح زمین پر پہاڑوں سے دو فرسخ کے
فاصلے پر تھا۔ شہر اچھا بنا ہوا تھا، اور درختوں سے گھرا ہوا تھا
درختوں میں عرعر (چیڑ) کا درخت خصوصاً یہاں خوب ہوتا
تھا، اور اس کی لکڑی کثرت سے باہر بھیجی جاتی تھی۔ شہر خوب
متحصن تھا، اور اس کے گرد ایک فصیل اور خندق تھی۔ فصیل
میں تین دروازے تھے: بابِ علی نیسابور کی طرف، بابِ ہرات

---

۱. اصطخری ص ۲۶۶، ۲۸۵ + ابن حوقل ص ۳۱۰، ۳۲۴ + مقدسی ص ۵۰، ۲۹۸، ۳۰۶، ۳۴۹ + یاقوت ج ۱. ص ۴۷۰ + ج ۱ - ص ۹۵۰ + ج ۲ - ص ۶۰۵ + ج ۴ - ص ۳۴۷، ۳۹۶، ۴۹۹ +

مشرق، اور باب قوہستان جنوب مغرب کی طرف تھا۔ یاقوت نے ادھر سے گزرتے ہوئے اس شہر کو دیکھا تھا کہ اپنی وادی کے گھنے درختوں میں نظر سے پوشیدہ آباد ہے۔ اس نے شہر کا نام بوشنج یا فوشنج لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ اہل ایران اسے بوشنگ کہتے تھے + مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھا ہے کہ یہاں کا تربوز اور انگور مشہور تھا، اور انگور یہاں ایک سو پچاس قسم کا ہوتا تھا۔ شہر کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہاں ہوا چکیاں (آسیاباد) بہت تھیں۔ عام لوگوں میں مشہور تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ والا فرعون مصر ان کا موجد تھا، جو لڑتے لڑتے امشرق کی طرف اتنی دور نکل آیا تھا کہ اس شہر تک پہنچ گیا۔ علی یزدی نے خاص طور پر لکھا ہے فوشنج کی دیواریں بلند اور خندق بہت گہری تھی۔ باوجود اس کے ۷۸۳ھ (۱۳۸۱ء) میں تیمور نے اسے حملہ کر کے فتح کر لیا، اور خوب لوٹا۔ اس کے بعد معلوم نہیں کیا کہ کیا سبب ہوا کہ اس شہر کا نام پھر تاریخ میں نہیں آیا۔ البتہ ایک مدت کے بعد غوریان کا شہر جو اب تک ایک معمور مقام ہے فوشنج کے ویرانے پر جو تیمور کی غارتگری کا نتیجہ تھا، آباد نظر آتا ہے۔ یہاں یہ لکھ دینا بھی ضروری ہے کہ تین شہر فرجرد، خوجرد، کوسوی جن کا ذکر قوہستان کے حالات میں ہو چکا ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۲۵۸) اکثر اوقات بوشنج سے متعلق سمجھے گئے ہیں[۱] +

---

[۱] اصطخری ص ۲۶۷، ۲۶۸ + ابن حوقل ص ۳۱۹ + مقدسی ص ۲۹۸ + یاقوت ج ۱ - ص ۷۵۵ + ج ۴ ص ۹۲۲ + مستوفی ص ۱۸۷ + علی یزدی ج ۱ - ص ۳۱۲ + صنیع الدولہ (مرآۃ البلدان) ج ۱ - ص ۲۹۸) نے لکھا ہے کہ

(۱۲،۴) علاقۂ اَسفزار ہرات کے جنوب میں نمرتیج جانے والی سڑک پر واقع ہے، اور چوتھی (دسویں) صدی میں اس علاقہ کے دارالحکومت اَسفزار کے علاوہ اس میں چار بڑے شہر واقع تھے، یعنی:۔ اَدرسکر، کواران، خُوشک اور کُواشان۔ شہر اَسفُزار، جو اب اس علاقہ کا صدر مقام ہے، آج کل سَبزوار کہلاتا ہے (بلکہ اُسے سَبزوارِ ہرات کہتے ہیں تاکہ اُس سبزوار سے تمیز ہوسکے جو نیشاپور کے مغرب میں تھا۔ (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۹۱)۔ بہرکیف شروع زمانہ میں کُواشان اس علاقہ کا سب سے بڑا شہر تھا، اور یہ علاقہ وسعت کے اعتبار سے شمال سے جنوب کی طرف طول میں تین دن کی اور عرض میں ایک دن کی مسافت تھا۔ اصطخری لکھتا ہے کہ یہاں ایک مشہور گھاٹی تھی جسے کاشکان کہتے تھے۔ اس گھاٹی میں بہت سے معمور قریے تھے + اور دریا جو اس گھاٹی میں سے بہتا تھا اُس کے سرچشمے اَسفُزار (سَبزوار) کے قریب تھے۔اس دریا کو آج کل ہرود سیستان کہتے ہیں، اور زرہ کا جھیل کے سرے پر جھیل میں گر جاتا ہے۔ جھیل کا یہ سرا جُوین کے مغرب میں ہے۔ اَسفُزار کے ان تمام شہروں کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ سیر حاصل زمینوں اور باغوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ سیاحت ناموں میں اَسفُزار کا دوسرا نام خاستان (یا جاشان، کیوں کہ نام کے پڑھنے میں اختلاف ہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نیشاپور سے ہرات کو سفر کرتے ہوئے وہ بُوشنج کے کھنڈروں کے پاس سے گزرا تھا، اور ان کا معائنہ کیا تھا، لیکن یہ کھنڈر خورپان کے پاس نہ تھے۔

لکھا گیا ہے، اور یہ خلاف قیاس نہیں کہ اسی نام کی ایک دوسری شکل کواشان ہو، اور اس لئے یہ شہر در اصل وہی ہے جسے اَسفُزَار (سَبزوار) کہتے ہیں۔ شہر آدرَسکر جسے اَدرَسکر بھی لکھا جاتا ہے اب تک اسفُزار کے مشرق میں موجود ہے اور اُسے اَدرَسکَن لکھا جاتا ہے۔ یاقوت نے شہر اَسفُزار کو سِجستان سے متعلق بتایا ہے، اور مستوفی لکھتا ہے کہ وسعت میں وہ ایک اوسط درجے کا شہر تھا؛ اس سے بہت گاؤں اور باغ متعلق تھے، باغوں میں انگور اور انار بہت عمدہ ہوتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں کے اکثر باشندے شافعی المذہب سُنی تھے۔ افسوس ہے کہ باقی شہروں کے باہمی فاصلے اور سمتیں سیاحت ناموں میں بیان نہیں ہوئیں[1]۔

ہرات سے جو بڑی سڑک مروالرُّود کو گئی ہے وہ علاقۂ بادغیس (یا باذغیس) میں سے گزری ہے۔ اس علاقہ میں وہ تمام بیچ کا ملک شامل تھا، جس کے مغرب میں دریائے ہرات (فوشنج کے شمال والا حصہ)، اور مشرق میں وہ زمین تھی جس میں دریائے مُرغاب کے سرچشمے غرجستان کے پہاڑوں سے نکل کر بہے ہیں؛ اور خود بادغیس کے علاقے کو دریائے مُرغاب کے بائیں کنارے والے دریا سیراب کرتے تھے۔ بادغیس کا مغربی حصہ جو ہرات کے شمال میں تقریباً تیرہ فرسخ کے فاصلے سے شروع ہوتا ہے، کُنج رُستاق کہلاتا تھا، اور اس میں تین بڑے شہر، یعنی کیف (۴۱۳)

[1] اصطخری ص ۲۴۹، ۲۶۴، ۲۶۷ + ابن حوقل ص ۳۰۵، ۳۱۸، ۳۱۹ + مقدسی ص ۲۹۰، ۳۰۸، ۳۵۰ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۴۸ + مستوفی ص ۱۸۷ +

بغلان اور بغشور واقع تھے۔ ان تینوں شہروں کے موقع کا تعیین سیاحت ناموں کے ذریعے سے تخمیناً کیا جاسکتا ہے۔ علاقۂ بادغیس کے باقی حصے کے نو شہروں کے نام مقدسی نے لکھے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان میں سے کسی کا موقع معین نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ سیاحت ناموں میں ان شہروں کا ذکر نہیں ہے ساتویں (تیرھویں) صدی میں مغلوں کی تاخت و تاراج کے بعد سے آج تک یہ علاقہ اکثر آباد ویرانہ چلا آتا ہے، اور متعدد شکستہ آثار جو اس تمام علاقہ میں جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں وہ اس شاداب علاقہ کی سابقہ رونق و تمول کی شہادت دے رہے ہیں۔ لیکن یہاں کے مقامات کے نام، جو آج کل مروج ہیں، وہ وہ نہیں جو زمانۂ وسطیٰ کے مصنفوں نے ان کے لکھے ہیں +

شہر بغشور کنبج رستان کے بڑے شہروں میں تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا جو ٹوٹا پھوٹا حصہ باقی ہے اسے آج کل قلعہ مور کہتے ہیں + چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ بغشور خراسان کے سب سے زیادہ خوبصورت اور مرفہ الحال شہروں میں شمار ہوتا تھا، اور وسعت میں بوشنج کے برابر تھا۔ حاکم علاقہ بشنہ یا بغلان کے شہر میں رہتا تھا، جو بوشنج سے بھی بڑا تھا۔ کیفت کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ بغشور سے وسعت میں آدھا تھا۔ ان تمام شہروں کے مکانات کچی اینٹوں کے مگر اچھے بنے ہوئے تھے، اور شہر کے گرد سبز باغ اور کھیتیاں تھیں، کیونکہ اس علاقہ میں ندیوں اور کنوؤں سے آب پاشی خوب ہوتی تھی۔ یاقوت، جو ۶۱۶ھ (سنہ ۱۲۱۹ء) میں اس ملک میں آیا تھا، اس نے بغشور

اور اُس کے قریب کے شہروں کی سابقہ مرفہ الحالی اور دولت مندی کی، جس کا ذکر اوپر آیا ہے، تصدیق کی ہے۔ لیکن لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں گو یہ زمانہ مغلوں کی یورش سے پہلے کا تھا کہ یہ علاقہ بہت برباد ہو چکا تھا۔ بَلبنَہ کا نام اس نے بَیّوُن یا بُوُن لکھا ہے، اور وہ خود یہاں رہا تھا۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے شہر میں بھی رہا تھا جسے باسین یا بامنج کہتے تھے، اور بَلبنَہ سے وہ تھوڑی دور پر تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ گرد و نواح کی جو زمین اُس کی نظر سے گزری وہ نہایت زرخیز تھی، اور پستے کے درخت یہاں بہت ہوئے تھے اور خوب پھلتے تھے[لہ]

علاقہ باد غیس کے جنوبی حصہ کی رونق و ثروت کے حالات بھی ایسے ہی ضمنی طور پر بیان ہوئے ہیں جیسے کُنج رُستاق کے لکھے گئے ہیں۔ لیکن علاقہ کے اِس حصہ (۱۴۱)

لہ ابن رُستہ ص ۱۷۳ + اصطخری ص ۲۶۹ + ابن حوقل ص ۳۲۰ + مقدسی ص ۲۹۸، ۳۰۸ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۶۱، ۴۸۱، ۴۸۷، ۴۹۳ + ج ۲۔ ص ۴۶۷ + ج ۴ ص ۳۳۳ + علاقہ باد غیس کی موجودہ حالت اور اس کے شکستہ آثار کے لئے دیکھو سی، ای، ییٹ (Yate) کی کتاب (Afghanistan) ص ۶۷، ۶۸ + گُلُوان و سَکرِدان + اور قَرَا باغ کے مقامات پر شکستہ قلعے اور دوسرے آثار ہیں (ص ۱۰۱) + اس کے علاوہ قلعہ مَوْرہ (ص ۹۶، ۱۰۳) اور قَرَا تَپّہ کے مقامات پر بھی کھنڈر ہیں، جن میں سے بعض یقیناً اُن شہروں کے کھنڈر ہیں جن کا ذکر عرب جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے +

(۲۱۴) کے شہروں کا وجود نقشے پر بالکل محو ہو چکا ہے۔ زمانہ وسطیٰ میں شہروں کے جو نام تھے اُن کے موقعوں کا اب معین کرنا، یا ٹوٹے پھوٹے شہروں کے جو نام آج کل لیے جاتے ہیں ان سے پرانے شہروں کی تطبیق کرنا مشکل کام ہے۔ تمام بیانات کے مطابق بادغیس کے جنوبی حصہ کا صدر مقام دِہستان تھا اور ممکن ہے کہ یہ وہی مقام ہو جو آج کل ہرات کے شمال مشرق میں ہے، جہاں خواجہ دستان کا مزار ہے۔ مقدسی نے دِہستان کے علاوہ سات اور بڑے شہروں کے نام لکھے ہیں، یعنی کوغاناباذ، کُوفا، بُشت، جاذاوا، کابرُون، کَلوُون اور جبل الفضہ (چاندی والی پہاڑی) ان سب کے موقعوں کا اندازہ سا جا سکتا ہے۔ دِہستان، جو وسعت کے اعتبار سے بادغیس کے شہروں میں دوسرا درجہ رکھتا تھا، چوتھی (دسویں) صدی میں بُوشنج سے آدھا تھا اور ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ اس کے مکانات کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے، اور گرمیوں کے دن گزارنے کے لئے ان کے نیچے تہ خانے تھے۔ اس میں باغ تھوڑے تھے لیکن قابل زراعت زمین بہت تھی۔ صوبہ کا حاکم کوغاناباذ میں رہتا تھا، جو دِہستان سے چھوٹا شہر تھا، جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے۔ جبل الفضہ کے شہر کے قریب پہاڑوں میں چاندی کی ایک کان تھی۔ یہ شہر ہرات سے سَرَخس کو جو سیدھی سڑک گئی تھی اس پر واقع تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ کوغاناباذ کے شمال میں تھا۔ جلانے کی لکڑی شہر کے علاقے میں بہت ہوتی تھی۔ شہر کُوفا جبل الفضہ سے بڑا تھا، سطح زمین پر واقع تھا، اور

اس میں بہت عمدہ باغ تھے۔ یاقوت جن چار شہروں کا ذکر مقدسی نے کیا ہے، اُن کے حالات سوائے اس کے کچھ نہیں معلوم ہو سکے کہ وہ سب اُس سڑک پر تھے جو ہرات سے شمال کی طرف شہر خس کو جاتی تھی۔

یاقوت جس نے دِھستان کا ذکر باذغیس کے دار الحکومت کی حیثیت سے کیا ہے لکھتا ہے کہ بادغیس کے معنے "بادخیز" کے ہیں، یعنی ایسا مقام جو ہوائیں چلاتا رہتا ہو۔ اور یہ نام اس علاقہ کو یہاں کے طوفان خیز موسم کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ مستوفی نے علاقۂ بادغیس کا جو کچھ حال لکھا ہے اس کا سمجھنا مشکل ہے، کیوں کہ قلمی نسخوں میں ناموں کی صورت بہت بگاڑ دی گئی ہے۔ مستوفی کے بیان کے مطابق دِھستان علاقۂ باذغیس کا دار الحکومت تھا، چاندی کی کان کا نام فارسی میں کوہ نقرہ لکھا ہے۔ تیسرا بڑا مقام کُوہ غنّا باد (بجائے کُوغاناباد کے) بیان کیا ہے، جہاں حاکم رہا کرتا تھا۔ چوتھا شہر غالباً وہ تھا جسے بُزدگشتین کہتے تھے؛ لیکن یہ نام غیر متیقن ہے۔ مستوفی نے ایک شہر کادیزا (یا کمارنیز؟) کا بھی ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ حکیم برقعی کا وطن تھا۔ یہ وہی شخص ہے جسے مقنع یا نخشب کا چاند بنانے والا یا دوسرے الفاظ میں ریورپ کے لوگ) خراسان کا مرد بانقاب کہتے ہیں، اور جس کی بغاوت کے فرو کرنے میں دوسری (آٹھویں) صدی ہی میں خلیفہ مہدی کو بہت پریشانی اُٹھانی پڑی تھی۔ (۴۱۵)

بادغیس کے اور شہروں کے نام بھی بیان ہوئے ہیں۔ (لیکن بہت بگڑی ہوئی شکل میں) اور یہ سب مقدسی اور شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں کی کتابوں سے محض نقل کر دیے گئے ہیں۔ ان کے مفصل حالات بالکل نہیں لکھے

گئے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی کے بیان کے مطابق بادغیس کی شہرت، خاص کر میووں میں پستے کے جنگلوں کی وجہ سے تھی، اور جس موسم میں ان جنگلوں میں پستے پکنے جاتے تھے تو لوگ بہت کثرت سے یہاں جمع ہو جاتے تھے ہر شخص جتنا بوجھ اٹھا سکتا تھا وہ اس میوہ کو جمع کرلیا کرتا تھا، اور قریب کے علاقوں میں یہ میوہ فروخت کیا جاتا تھا۔ پستوں کی یہاں اتنی کثرت تھی کہ مستوفی لکھتا ہے کہ "بہت سے لوگ فصل کے وقت اتنے پستے جمع کر لیتے تھے کہ ان کو فروخت کر کے تمام سال گزران کر سکیں، اور یہ حقیقت میں حیرت انگیز بات تھی"۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں علاقۂ بادغیس آخر کار اُس وقت بالکل تباہ ہو گیا۔ جب تیمور کی فوجیں تاخت و تاراج کرتی ہوئی ہرات سے مرو الرود کو جاتی ہوئی اس علاقہ میں سے گزریں[۱]+

[۱] اصطخری ص ۲۶۸، ۲۶۹ + ابن حوقل ص ۳۱۹، ۳۲۰ + مقدسی ص ۲۹۸، ۳۰۸ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۶۱ + ج ۲ ص ۶۲۳ + مستوفی ۱۸۷، ۱۸۸ جہان نما ص ۳۱۴، ۳۱۵ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۳۰۸ + سی، ای، ییٹ (Yate) Afghanistan ص ۶ + شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے ہرات سے مرو الرود جانے کا جو راستہ اپنے سیاحت ناموں میں کیا ہے وہ کُنج رستاق میں ایک شہر سے دوسرے شہر کو ہوتا ہوا گزرا تھا، اور اُس راستہ کی سب سے زیادہ جنوبی منزل (یعنی بَبَنّہ) ہرات سے دو دن کی مسافت پر تھی۔ مستوفی (ص ۱۹۸) نے اس سے مختلف ایک اور راستہ کا ذکر کیا ہے جو سات منزلوں میں ختم ہوا تھا۔ یعنی ہرات سے پانچ فرسخ ہنگاماباد، اور وہاں سے پانچ فرسخ بادغیس (جس سے بلاشبہ دہستان کا دارالحکومت مراد لینی چاہیئے)۔ بادغیس سے بَوان (یا بَنّہ) پانچ

بادغیس کے مشرق میں دریائے مُرغاب کے سرچشموں کے قریب، وہ پہاڑی علاقہ ہے جس کو شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے غَرجِ الشّار لکھا ہے ان پہاڑوں کے حکمراں کا لقب شار تھا اور غرج کی نسبت مقدسی نے لکھا ہے کہ وہاں کی بولی میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اس طرح غرج الشار کے معنے شار کے پہاڑ ہوئے زمانۂ وسطیٰ کے آخری دور میں یہ علاقہ عام طور پر غَرجِستان کہلانے لگا، اور اسی نام اس کا ذکر مغلوں کی فتوحات کی تاریخ میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ یاقوت نے لکھا ہے کہ غَرجِستان کا املا اکثر غَرشِستان یا غَرمِستان کیا جاتا تھا، اور اسی وجہ سے وہ اکثر غورستان سے، جو غرجستان کے مشرق میں واقع ہے، خلط ملط کر دیا جاتا تھا۔ غُورِستان کا ذکر خاص طور پر ابھی کیا جائے گا۔ شار یعنی غرجستان کے رئیس کو ابتدائی زمانہ کے عرب مَلِکُ الغَرجَہ کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) میں غَرجستان ایک خوشحال علاقہ تھا، اور اس کے مختلف شہروں میں دس جامع مسجدیں تھیں۔ (۴۱۶)

علاقۂ غُرجستان کے دو بڑے شہر اَبشِین اور شُرمِین تھے، جن کا صحیح موقع معلوم نہیں ہوا۔ اَبشِین (یا آفشِین یا بشِین) دریائے مُرغاب کے بالائی رہگزر

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) فرسخ اور بیکند سے مرغزار دمّاہ پانچ فرسخ، مرغزار دمّاہ سے یعنی شور (بغشور) آٹھ فرسخ، یعنی شور سے اُسرود یا اُسود پانچ فرسخ اور اُسرود سے مروالرود چار فرسخ تھا۔ ان شکستہ کاروان سراؤں کے جو اس راستہ کا اب بھی پتہ دیتی معلوم ہوتی ہیں، دیکھو سی، ای ییٹ (Yate) کی کتاب Afghanistan ص ۱۴۴، ۱۹۵، ۲۲۲۔

کے مشرقی کنارے سے صرف ایک تیر کے پلّے [رمایۃ سہم] پر تھا اور مروالرُّود سے اُس کا فاصلہ چار مراحل تھا۔ اس کے گرد عمدہ باغ تھے، اور یہاں سے چاول باز باط بلخ کو دساور ہوتا تھا۔ اس میں ایک مستحکم قلعہ اور ایک جامع مسجد تھی شُرمِین (یا شُرمِین) پہاڑوں میں اَلبشِین سے چار مراحل جنوب کی طرف واقع تھا۔ اتنا ہی فاصلہ اُس کا کُرُوخ سے تھا۔ شُرمِین سے خشک انگور (منقّے) تمام قرب و جوار کے شہروں میں دساور ہوتا تھا۔ اِس ملک کا حکمران، یعنی شار، جس کا ذکر اوپر آیا ہے، ان دونوں شہروں میں سے کسی میں نہ رہتا تھا۔ اس کا قیام گاہ پہاڑوں میں ایک بڑا گاؤں تھا، جسے بالی کان (یا بلکیان) کہتے تھے۔ یاقوت نے غرجستان کے دو اور شہروں کے نام بھی لکھے ہیں جنہیں سنجہ اور بیوار کہتے تھے، لیکن ان کے موقع کے متعلق کہ وہ کس جگہ تھے کچھ نہیں بیان کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ " اس ملک کے ایک باشندے نے مجھے بتایا " کہ یہ دونوں شہر پہاڑوں میں ہیں +[۱]

علاقۂ غور۔ جستان کے مشرق اور جنوب کا بڑا پہاڑی ملک غور یا غورستان کہلاتا تھا، اور یہ ہرات سے بامیان اور کابل اور غزنہ کی سرحد اور جنوب میں دریائے

---

[۱] ۔ اصطخری ص ۲۷۱، ۲۷۲ + ابن حوقل ص ۳۲۳ + مقدسی ص ۳۰۹، ۳۴۸ + یاقوت ج ۱ ص ۲۰۸، ۲ + ج ۳ ص ۲۷۲، ۱۶۳، ۱۸۷، ۷۸۵، ۸۶۷، ۸۲۳ + خراسان کے غرجستان کو اُس گرجستان سے کوئی تعلق نہیں ہے جو کوہ کاکیسس کے جنوب میں واقع ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۸۱)، اور جسے آج کل یورپ کے لوگ بالعموم جیوجیا کہتے ہیں۔ غرجستان کو جیورجیا کہنا، جیسا کہ بعض مصنفوں نے مغلوں کی فتوحات کے ذکر میں دریائے مرغاب

هراات تک پھیلا ہوا تھا۔ زمانۂ وسطیٰ کے جغرافیہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اس علاقہ میں بہت سے دریاؤں کے منبع تھے۔ چنانچہ ہری رُود ہلمند، خواش، اور فرّہ کا (جو جھیل زرہ میں گرتے تھے) اسی کے پہاڑوں سے نکلتے تھے، اور اس کی سرحد سے جو غرجستان کی طرف تھی دریائے مُرغاب نکلا تھا۔ افسوس ہے کہ اس عظیم الشان پہاڑی علاقے کے جغرافی حالات کا صفحہ بالکل کورا ہے۔ اس ملک کی تاریخ میں جن شہروں اور قلعوں کا ذکر آیا ہے ان میں کسی کا موقع بھی معلوم نہیں ہوا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں غور غیر مسلموں کا ملک تھا، گو وہاں بہت سے مسلمان بھی رہتے تھے۔ اس کی گھاٹیاں معمور اور زرخیز تھیں۔ یہاں کی کانیں سونا اور چاندی دونوں کی مشہور تھیں۔ یہ ان پہاڑوں میں تھیں جو بامیان اور پنج ہیر کی طرف تھے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۴۵۰)۔ ان میں سب سے بڑی آمدنی والی کان کا نام خَوخِیِر تھا۔ خاندان غزنویہ کے زوال پر غُورہای رئیس، جو پہلے اس خاندان کی ماتحتی میں سپہ سالاری کیا کرتے تھے خود مختار ہو گئے۔ اور آخر کار انھوں نے فیروزکوہ کو، جو پہاڑوں میں ایک زبردست قلعہ تھا۔ اپنا دارالحکومت بنالیا۔ قلعہ فیروزکوہ کا موقع معلوم نہیں ہوا۔ (۴۱۷)

غُورہای بادشاہوں نے چھٹی (بارھویں) صدی کے نصف سے ۶۱۲ھ (۱۲۱۵ء) تک خود مختارانہ حکومت کی۔ اس سال خوارزم شاہ نے ان کو شکست دی، اور اس واقعہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے بالائی علاقوں کو لکھ دیا ہے، سخت غلطی ہے، کیونکہ افغانستان میں جیورجیا کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔

چند سال بعد مغلوں کی یورش کے وقت یہ خاندان بالکل فنا ہو گیا۔
بہر کیف اس زمانہ سے قبل ۵۸۸ھ (۱۱۹۲ء) میں غوری بادشاہوں
نے شمالی ہند کے ایک بڑے حصے کو فتح کر لیا تھا، اور دہلی سے
ہرات تک تمام ملک ان کے قبضے میں تھا۔ جب مغلوں نے
اس خاندان کو تباہ کر دیا تو غلام بادشاہوں نے (جو خاندان غوری
کے ملوک سپہ سالار تھے) یکے بعد دیگرے ایک طویل سلسلے
میں ۶۹۲ھ (۱۲۹۲ء) تک اپنی حکومت دہلی میں جاری رکھی[۱]
غور یا غورستان دولت و حشمت میں اوج کمال
کو اس وقت پہنچا جب کہ ۵۴۳ھ اور ۶۱۲ھ (۱۱۴۸ء سے ۱۲۱۵ء)
کے درمیان خاندان سام کے غوری بادشاہوں نے اپنی
حکومت کی۔ یاقوت نے غوریوں کے عظیم الشان دارالحکومت
یعنی فیروزکوہ (یا بیروشکوہ) کا ذکر کیا ہے، لیکن
تفصیل سے حالات نہیں لکھے۔ مستوفی نے مختصراً اس قلعہ کا
ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ غورستان کا ایک اور بڑا
شہر تمادھنگران تھا، لیکن یہ نام کیونکر پڑھنا چاہیے اس
کے متعلق کوئی امر قطعی نہیں۔ ۶۱۹ھ (۱۲۲۲ء) میں چنگیز خاں
نے اس تمام ملک کو تہ و بالا کر ڈالا۔ فیروزکوہ کو فتح کیا،
اور اسے کھنڈر بنا کر آگے بڑھا۔ فیروزکوہ کے علاوہ دو اور
قلعوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی فتح میں مغلوں کی فوجوں کو
دقت اٹھانی پڑی تھی۔ ان دونوں کے نام کلیون اور فیواد

(۱) جن ملوک بادشاہوں کا ذکر مصنف نے کیا ہے وہ دہلی میں خاندان
غوری کے جانشین تھے۔ ان کے سلسلہ کو ہندوستان کی تاریخ میں خاندان غلامان کہا جاتا
ہے۔ اس خاندان کا خاتمہ ۶۵۶ھ (۱۲۹۰ء) میں ہو گیا۔ ان کے بعد خاندان
خلجی وغیرہ کو بھی غوریوں کے ملوکوں میں شامل کرنا نادرست معلوم ہوتا ہے۔ مترجم)

تھے؛ اور ایک دوسرے سے دس فرسخ کے فاصلے پر واقع تھے؛ لیکن دونوں میں سے کسی کا صحیح موقع دریافت نہیں ہوا۔ دونوں کی نسبت بیان ہوا ہے کہ انھیں چنگیز خاں نے قطعی مسمار کر دیا تھا۔ قزوینی نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں لکھا ہے کہ خوست بھی علاقۂ غور کا ایک بڑا شہر تھا۔ یہ خوست غالباً خشت ہے جس کے متعلق اوپر بیان ہوا ہے کہ (صفحہ حاشیہ ۲۱۰) کہ وہ ہری رود کے سرچشموں کے قریب واقع تھا۔ تیمور کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے علاقۂ غور کے صرف ایک مقام کا ذکر ہوا ہے، اور یہ قلعہ خستار تھا، لیکن اس کا موقع بھی تحقیق نہیں۔[1]

(۴۱۸) شہر بامیان اسی بامیان نام کے ایک بڑے علاقہ کا جو ملک غور کا مشرقی حصہ تھا، دارالحکومت تھا۔ اس کے نہایت قدیم آثار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شہر اسلام سے قبل بودھمت والوں کا بڑا مرکز تھا۔ اصطخری نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ بامیان وسعت میں بلخ سے آدھا تھا۔ شہر جو پہاڑی پر واقع تھا متحصن نہ تھا، لیکن اس کا علاقہ چونکہ ایک بڑے دریا سے سیراب ہوتا تھا اس لئے بہت زرخیز تھا۔ مقدسی نے بامیان کا نام اَلنُحُوم لکھا ہے، لیکن یہ یقینی نہیں کہ اس شکل میں اس کو پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ بامیان کی تعریف میں یہ مصنف لکھتا ہے کہ "خراسان کی تجارت کا یہ بندرگاہ اور سندھ کا خزانہ

[1] اصطخری ص ۲۷۲؛ ابن حوقل ص ۳۰۴، ۳۲۴؛ یاقوت ج ۳ ص ۴۸۲؛ ج ۴ ص ۹۲۰؛ قزوینی ج ۲ ص ۲۴۴؛ مستوفی ص ۱۸۴، ۱۸۸؛ علی یزدی ج ۱ ص ۱۵۰۔ غور کے متعلق دیکھو سر ہنری یول (Yule) کا مضمون انسائیکلوپیڈیا برطانیکا میں (طبع نہم) ج ۹ ص ۵۲۹۔

ہے [فروض خراسان و خزائن السند] + یہاں کا موسم بہت سرد تھا، اور برف بہت گرتی تھی۔ مگر یہ بات اس شہر یا اچھی تھی کہ کھٹمل اور بچھو بالکل نہ تھے + شہر میں ایک جامع مسجد بھی تھی۔ شہر کے باہر وسیع بستیوں میں بازار اور دولت سے بھرے ہوتے تھے، اور شہر میں داخل ہونے کے چار دروازے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں بامیان کے علاقہ میں بہت سے بڑے شہر تھے، جن کے موقع اب بے نشان ہو چکے ہیں + تین بڑے شہروں کے نام بسغورفند، سکیوند، اور لخراب تھے +

یاقوت نے ساتویں (تیرھویں) صدی کے شروع میں گوتم بودھ کے بڑے بڑے سنگین بتوں کا ذکر، جو اس وقت تک بامیان میں موجود تھے، کسی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ زمین سے بہت بلندی پر دامن کوہ میں ایک بہت بڑا کمرہ سا تھا جو ستونوں پر قائم تھا، اور اس کی دیواروں پر ہر قسم کے پرندوں کی جو اللہ نے پیدا کئے ہیں تصویریں تھیں۔ اِن تصویروں کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی!! اس کمرے کے باہر نیچے سے اوپر تک دامن کوہ کی چٹان کو تراش کر دو بڑے قدی ہیکل بت بنائے تھے۔ یہ سُرخ بُت اور خنگ بُت (لال بدھ اور بھورا بدھ) کہلاتے ہیں اور تمام دنیا میں کوئی بت ان کے برابر نہیں ہے + قزوینی نے بامیان کے "خانۂ زرین" کا ذکر کیا ہے، اور گوتم بودھ کے دو بتوں کا حال بھی لکھا ہے اس کے علاوہ اس نے یہ بیان کیا ہے کہ پارے (زیبق) کی ایک کان اور گندھک کا ایک چشمہ اسی کے قریب وجوار میں واقع تھا + شہر بامیان اور اس کے علاقہ کی تباہی، بلکہ مشرق میں کانہائے پنجہیر تک، جن کا اوپر ذکر ہوا جس قدر یہ علاقہ تباہ کیا گیا تھا

اُس کا باعث چنگیز خاں کا قہر و عتاب تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا پوتا موتوکین، جو جغتائے کا بیٹا تھا، اور دادا کو بہت عزیز تھا، بامیان کے محاصرے میں مارا گیا۔ چنگیز خاں نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ بامیان کی شہر پناہ اور اس کے تمام مکانوں کو گراکر زمین کے برابر کر دیا جائے اور ممانعت کر دی کہ کوئی شخص نہ یہاں کبھی مکان بنائے اور نہ یہاں کبھی آباد ہوئے۔ (۴۱۹) بامیان کا نام بدل کر موبلیق رکھا گیا، جس کے معنے ترکی زبان میں ملعون شہر کے ہیں۔ اس وقت سے بامیان ایک بے چراغ ویرانہ پڑا ہے[1]

لہ۔ اصطخری ص ۲۷۷ + ۲۸۰ + ابن حوقل ص ۳۲۷، ۳۲۸ + مقدسی ص ۲۹۶، ۳۰۳، ۳۰۴ + یاقوت ج ۱ ص ۴۸۱ + قزوینی ج ۲ ص ۱۰۳ + مستوفی ص ۱۸۸ + ابوالفدا ص ۱۱۴، ۱۴۹ + بامیان کے مقام پر بودھ مت کی سنگ تراشی کی تصویروں کے لئے دیکھو ٹلباٹ (Talbot) اور میٹ لینڈ Maitland کا مضمون جے، آر، اے، ایس، سنہ ۱۸۸۶ء ص ۳۲۳ +

(۴۲۰)

باب سیم

خراسان (ختم)

خراسان کا رُبع بلخ اور نوبہار۔ علاقہ جُوزجان۔ طالقان اور جُوزوان
میمنہ یا یہودیہ۔ فاریاب۔ شبُرقان، آنبار اور اندلک خود۔ علاقہ
طخارستان خلم، سمنجان اور اندرابہ۔ وروالین اور طائقان خراسان
کی پیداواریں۔ خراسان اور قوہستان میں سے گزرنے والی بڑی سڑکیں۔

خُراسان کے چوتھے ربع کا نام "ام البلاد" بلخ کے نام پر ربع بلخ تھا۔ اور دار الحکومت بلخ کے ضلع کو چھوڑ کر یہ ربع مغرب میں جُوزجان اور شرق میں طُخارستان کے دو بڑے علاقوں میں منقسم تھا۔

تیسری (نویں) صدی میں یعقوبی نے لکھا ہے کہ بلخ تمام صوبۂ خراسان کا سب سے بڑا شہر تھا۔ پرانے زمانہ سے اس کی تین فصیلیں چلی آتی تھیں، ایک کے اندر ایک واقع ہوئی تھیں، اور ان میں تیرہ دروازے تھے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ قدیم زمانہ میں اس شہر کو جس نام سے پکارتے تھے وہ فارسی کا ایک جملہ تھا، جو بلخ البہیہ کا مترادف تھا۔ شہر کے باہر نوبہار کی مشہور و معروف آبادی تھی، اور مکانات تین مربع میل رقبہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ شہر میں چالیس جامع مسجدیں تھیں۔ اصطخری کا بیان ہے کہ شہر ایک ہموار زمین پر واقع تھا، اس کا فاصلہ قریب سے قریب کے پہاڑوں سے جو جبل کو کہلاتے تھے اچار فرسخ تھا۔ شہر کے مکانات کچی اینٹوں کے

تھے، اور شہر پناہ بھی ایسی ہی اینٹوں کی تھی، جس کے باہر ایک گہری خندق تھی۔ بازار اور بڑی جامع مسجد شہر کے وسط میں تھی۔ جس ندی سے بلخ کو پانی پہنچتا تھا اُسے دہ آس کہتے تھے۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ اس (فارسی) لفظ کے معنی دس چکیاں ہیں۔ یہ چکیاں شہر کے باب نو بہار کے پاس، جہاں سے دریا گذرتا تھا، پانی کے زور سے چلتی تھیں۔ دریا یہاں سے آگے بڑھ کر سیاہ جرد کی زمینوں اور کھیتوں کو سیراب کرتا تھا۔ سیاہ جرد ترمذ جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ بلخ کے گرد باغات تھے، جن میں نارنگیاں، نیلوفر، اور نے شکر پیدا ہوتا تھا۔ یہ چیزیں، اور یہاں کے تاکستانوں کے انگور فروخت ہونے کے باہر بھیجے جاتے تھے۔ یہاں کے بازاروں میں سوداگروں کی آمد ورفت بکثرت رہتی تھی۔ (۴۲۱)

شہر کے سات دروازے تھے، یعنی: باب نو بہار، باب رحبہ (چوک والا دروازہ)، باب الحدید (آہنی دروازہ)، باب ہندوان (ہندوؤں کا دروازہ)، باب الیہود، باب شصت بند، اور باب یحییٰ۔ مقدسی نے بلخ کی شان وشوکت، خوشحالی اور دولت مندی، اور وہاں کی متعدد نہروں اور کم خرچ میں گزارہ ہونے کا، کیونکہ کھانے پینے کی چیزیں یہاں بافراط ملتی تھیں، تذکرہ کیا ہے۔ شہر کی بے شمار چوڑی چوڑی سڑکوں، عالی شان مسجد، اور شہر پناہ اور وہاں کے بہت سے خوش تعمیر قصر وعمارات کی بھی تعریف کی ہے۔ بلخ کی یہ آسودہ حالی اور رونق چھٹی (بارھویں) صدی کے وسط تک قائم رہی۔ اس کے بعد ۵۵۰ھ (۱۱۵۵ء) میں ترکی قبائل غز کی یورش نے اسے پہلی مرتبہ تباہ کیا۔ جب یہ غارت گر چلے گئے تو شہر کے لوگ جو نکل گئے تھے واپس آئے، اور دوسری جگہ، مگر برباد شہر سے بالکل متصل انھوں نے ایک نیا شہر بسا لیا۔ زیادہ مدت نہیں گزرنے پائی تھی کہ بلخ نے ایک حد تک اپنی پرانی شان پھر حاصل کرلی۔ شہر کی اس بارونق حالت کا ذکر ساتویں (تیرھویں) صدی کے اوائل میں یاقوت نے کیا ہے۔ یہ زمانہ مغلوں کی یورش سے، جس میں یہ شہر دوبارہ غارت ہوا کچھ ہی پہلے کا ہے۔

مسعودی کا بیان ہے کہ بلخ کی بڑی آبادی [مربض] میں، جسے نوبہار کہتے ہیں، سلسانیوں کے عہد میں گبر کا ایک آتشکدہ تھا، جو ان کے بزرگترین

آتشکدوں میں شمار ہوتا تھا۔ یاقوت نے اس سے بعض نوبہار کے حالات عمر بن الازرق کرمانی کی کتاب سے بہ تفصیل نقل کئے ہیں، اور ایسا ہی تذکرہ اس آبادی کا قزوینی کی کتاب میں بھی ملتا ہے۔ بلخ کے اس آتشکدہ کا موبد موبدان برمک تھا، یہی برمک مورث اعلیٰ برامکہ کا تھا، اور اسی کے خاندان کے لوگ ساسانیوں کے عہد میں بلخ میں نسلاً بعد نسل اس آتشکدہ کے موبد موبدان ہوتے رہے۔ نوبہار کے جو حالات مصنفوں نے بیان کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آتشکدہ کی تعمیر میں مکۂ معظمہ کے بیت الحرام کی نقل اُتاری گئی تھی، اور اس کو بیت الحرام کا ہم سر بنانا چاہا تھا۔ اُس کی دیواریں قیمتی جواہرات سے مرصع تھیں، ہر جگہ دیبا اور کمخواب کے پردے پڑے رہتے تھے۔ دیواروں پر مقررہ زمانہ میں عطریات ملے جاتے تھے، خصوصاً موسم بہار میں، کیونکہ نوبہار کے معنی ہی "نئی بہار" یا "آغاز بہار" کے ہیں اور یہی موسم تھا جب کہ دور دور کے لوگ یہاں زیارت کو آتے تھے۔ آتشکدہ کی خاص عمارت پر ایک بہت بڑا اور بلند قبہ یا گنبد تھا جسے الاُستُن کہتے تھے، اور جو سو ذرع سے بھی زیادہ بلند تھا۔ یہ عمارات بیچ میں تھی اور اس کے گرد تین سو ساٹھ حجرے تھے، جن میں وہ خدام اور موبد جو وہاں خدمتگزار تھے سکونت رکھتے تھے۔ ہر ایک کے ہر دن کے لئے ایک موبد خدمت پر حاضر رہتا تھا۔ قبہ کی چوٹی پر ایک علم تھا، جس میں حریر کا ایک پھریرا لگا تھا۔ بعض وقت اس پھریرے کا ہوا کے زور سے اُڑ کر اتنی دور گرنا بیان ہوا ہے کہ جس کا یقین کرنا مشکل ہے۔ یہ بڑی عمارت مورتوں اور بتوں سے بھری ہوئی تھی۔ ان میں ایک بڑا بت وہ تھا، جس کے سامنے کابل، ہندوستان اور چین کے زائرین خاص کر سجدہ کرتے تھے، اور پھر برمک کے ہاتھ کا بوسہ دیتے تھے جو یہاں کا موبد موبدان تھا۔ آتشکدہ نوبہار کے گرد کی زمین جن کا رقبہ سات فرسنگ مربع تھا، اس زیارت گاہ کی ملک تھیں، اور اُن سے آمدنی کثیر ہوتی تھی۔ اس عظیم الشان پرستش گاہ یعنی نوبہار کی عمارت کو قیس بن احنف نے منہدم کرادیا۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قیس خراسان کو فتح کر کے اہل خراسان کو

(۲۲۲)

کو دائرۂ اسلام میں شامل کر رہے تھے [1]

مغلوں نے ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں بلخ لوٹا اور غارت کیا۔ ابن بطوطہ کی تحریر کے مطابق چنگیز خاں نے پوشیدہ خزانہ کی تلاش میں یہاں کی بڑی جامع مسجد کا ایک تہائی حصہ کھدوا ڈالا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اوائل میں ابن بطوطہ اس علاقہ میں پہنچا ہے تو اس وقت بلخ بالکل ویران اور غیرآباد پڑا تھا، لیکن شہرپناہ سے باہر بہت سے مقبرے اور مزار تھے، جہاں عقیدتمند لوگ زیارت کے لئے اب تک حاضر ہوا کرتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور کی فوجی مہموں کے حالات میں بلخ کا ذکر اکثر آتا ہے، اور اس زمانہ میں اس شہر نے اپنی پرانی شان کسی قدر پھر ضرور حاصل کر لی ہوگی۔ تیمور نے شہر کے باہر والے قلعہ کی جو قلعہ ہندوان کہلاتا تھا، مرمت کرائی اور پھر یہ تیمور کے مقرر کردہ حاکم کا قیام گاہ ہوگیا۔ اس کے بعد تیمور نے پرانے شہر کے ایک بڑے حصہ کو بھی از سرنو تعمیر کرایا۔

آج کل بلخ موجودہ افغانستان کا ایک بڑا شہر ہے، اور خصوصاً اس کی

---

[1] یعقوبی ص ۲۸۷، ۲۸۸ - اصطخری ص ۲۷۵، ۲۷۸، ۲۸۰ - ابن حوقل ص ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۹ - مقدسی ص ۳۰۱، ۳۰۲ - مسعودی (مروج) ج ۴ - ص ۴۸ - یاقوت ج ۱ - ص ۷۱۳ - ج ۴ - ص ۸۱۷، ۸۱۸ - قزوینی ج ۲ - ص ۲۲۱ - نوبہار کے متعلق جو عجیب و غریب عبارت آئی ہے اس کل کا ترجمہ بربیرڈی مینارڈ (Meynard) کی کتاب Dictiounaire Geographique de la perse میں صفحہ ۵۶۹ پر ملے گا۔ سرہنری رالنسن (Rawlinson) نے یہاں کے بتوں کو (جن میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے تھے)، اور یہاں کے جھنڈوں اور پھریروں کو دیکھ کر (جو چڑھائے جاتے تھے)، یہ خیال کیا تھا کہ نوبہار در اصل بودھ مت والوں کا زیارت گاہ تھا۔ چنانچہ نوبہار کے نام کی اصلیت اس نے نووہارہ لکھی ہے۔ وہارہ بودھ مت والوں کی خانقاہ کو کہتے ہیں۔ دیکھو جے، آر، اے، ایس، ۱۸۷۲ء ص ۵۱۰ -

بڑی تجارت گاہ، یعنی مزار شریف بہت مشہور رہے۔ عام روائت یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، جو شاہ مرداں کہلاتے ہیں، یہاں دفن ہیں۔ خواندمیر کی تحریر کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ فرضی قبر ۸۸۵ھ (۱۴۸۰ء) میں اس وقت دریافت ہوئی جب تیمور کی اولاد میں سے ایک شخص مرزا بیقرا بلخ کا حاکم تھا۔ اس سال سلطان سنجر سلجوقی کے عہد کی لکھی ہوئی تاریخ کی ایک کتاب مرزا بیقرا کو دکھائی گئی۔ جس میں مذکور تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بلخ سے تین فرسخ کے فاصلہ پر خواجہ خیران کے گاؤں میں مدفون ہیں۔ یہ دیکھ حاکم صوبہ فوراً وہاں گیا، اور تلاش کے بعد قبر کا ایک تعویذ ملا، جس پر عربی میں لکھا تھا کہ، یہ "اسد اللہ، ولی اللہ، اخو رسول اللہ کی قبر ہے"۔ چنانچہ اس قبر پر ایک بڑی عمارت بنادی گئی، اور اس وقت سے یہ مقام وسط ایشیا کے لوگوں میں خاص طور پر مقدس سمجھا جاتا ہے، اور آج کل بھی ایک مشہور زیارت گاہ ہے[1]۔

(۴۲۳)

جوزجان (یا الجوزجان یا جوزجانان) ربع بلخ کا مغربی علاقہ تھا، جس میں سے مروالروذ سے بلخ جانے والی سڑک گذری تھی۔ زمانہ وسطے میں یہ نہایت ہی معمور علاقہ تھا جس میں بہت سے شہر تھے۔ ان میں سے اب صرف تین شہر ایسے رہ گئے ہیں جو اپنے پرانے زمانہ کے ناموں سے مشہور ہیں۔ لیکن باقی ماندہ شہروں میں بھی، جن کا ذکر عرب جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے، اکثر ایسے ہیں جن کا موقع سیاحت ناموں کی مدد سے معین کیا جا سکتا ہے۔ گو شہروں کے نام بدل گئے ہیں، لیکن ان کے کھنڈر اب تک ان کے موقعوں کا نشان بتاتے ہیں۔ جوزجان کا تمام علاقہ نہایت زرخیز تھا۔ یہاں سے تجارت کا مال بافراط باہر بھیجا جاتا تھا۔ خصوصاً کھالیں، جن کو صاف کر کے چمڑا تیار کرتے تھے۔ پھر یہ چمڑا خراسان کے تمام علاقوں میں بکری

[1] ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۵۸، ۵۹۔ علی یزدی۔ ص ۱۷۶۔ خواندمیر ج ۳۔ حصہ ۳۔ ص ۲۳۸ سی، اے، ییٹ Afghanistan ص ۲۵۶، ۲۸۰۔

کے لئے بھیجا جاتا تھا[1]۔

مروالرّوذ سے تین منزل کے فاصلے پر بلخ کی طرف، طالقان کا شہر تھا، جس کا نام اب نقشے پر نہیں ملتا۔ لیکن چاچکتو کے قریب کے کھنڈر اور اینٹوں کے انبار غالباً اس کے موقع کا نشان بتاتے ہیں۔ تیسری (نویں) ہی صدی میں طالقان کا شہر بڑی اہمیت حاصل کر چکا تھا۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ طالقان کے نمدے، جو یہاں تیار ہوتے تھے، مشہور تھے۔ شہر پہاڑوں میں واقع تھا، اور اس میں ایک عالی شان جامع مسجد تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری نے لکھا ہے، الطّالِقان وسعت کے اعتبار سے مروالرّوذ کے برابر تھا، اور اُس کی آب وہوا نسبت مروالرّوذ کے زیادہ صحت بخش تھی۔ مکانات بھی اینٹوں کے تھے، اور قریب ہی جُنذ وَیہ کا گاؤں تھا، جہاں یاقوت کی تحریر کے مطابق دوسری (آٹھویں) صدی میں ابومسلم خُراسانی ہواخواہان عباسیہ کا سردار بن کر بنی امیہ کی فوجوں سے ایک سخت جنگ لڑا تھا اور ان پر فتح حاصل کی تھی۔ یاقوت کے زمانہ سے کسی قدر بعد ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں چنگیز خاں نے سات مہینے کے محاصرہ کے بعد طالقان کو حملہ کرکے فتح کیا، اور وہاں کے باشندوں کو قتل، اور طالقان کے قلعہ کو ڈھاکر زمین کے برابر کر دیا۔ (۴۲۴)

پہاڑوں میں جُرزُوان کا شہر تھا۔ اس کے موقع کی نسبت بیان ہوا ہے کہ مکۂ معظمہ کی مثل یہ بھی پہاڑیوں کے نیچے گھاٹیوں میں آباد تھا۔ اور یہاں علاقہ جوزجان کا حاکم گرمی کے موسم میں رہا کرتا تھا۔ عرب اس شہر کا نام الجُوزُروان لیتے تھے، مگر اہل ایران اسے کُرزُوان یا گُرزوان کہتے تھے، اور کبھی کبھی یہ نام جُرزبان یا گرزبان بھی لکھا جاتا تھا۔ یہ شہر طالقان اور مَرُوالرّوذ کے درمیان اُس علاقہ میں واقع تھا جو غُور کی سرحد کی طرف تھا، اور یاقوت نے لکھا ہے کہ وہ شوب

[1] اصطخری ص ۲۷۰۔ ابن حوقل ص ۳۲۲۔ مقدسی ص ۲۹۰۔ یاقوت ج ۲۔ ص ۱۴۹۔

معمور و آباد شہر تھا، اور اُس میں دولتمند بہت رہتے تھے۔ اب اس نام کا کوئی شہر نقشے پر موجود نہیں ہے۔ لیکن قلعۂ والی کے مقام پر جو کھنڈر ہیں وہ غالباً اسی شہر کا نشان بتاتے ہیں[1]۔

شہر میمنہ، جو طالقان سے دو منزل آگے بلخ جانے والی سڑک پر تھا، اب بھی ایک بارونق شہر ہے۔ زمانہ وسطیٰ کی ابتدا میں یہ شہر الیہودان یا الیہودیۃ کہلاتا تھا، اور اکثر علاقۂ جوزجان کا صدر مقام سمجھا جاتا تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ اس کی جامع مسجد میں دو مینار تھے، یاقوت نے اس کا نام جہودان الکبریٰ بھی لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس میں پہلے یہودی آباد کئے گئے تھے جنھیں نبوکدنذر نے بیت المقدس سے یہاں منتقل کیا تھا۔ بعد کو شہر کا یہ نام تبدیل کر کے میمنہ (یعنی مبارک شہر) کر دیا گیا۔ کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک یہودیہ کا نام ایک ملامت کا جملہ تھا،

---

[1] یعقوبی ص ۲۸۷ + اصطخری ص ۲۷۰ + ابن حوقل ص ۳۲۱، ۳۲۲ + یاقوت ج ۲ - ص ۵۹، ۱۲۹ - ج ۳ - ص ۴۹۱ - ج ۴ - ص ۲۵۸ + ابوالغازی ص ۱۱۴ - سی، ای ییٹ Afgha istan ص ۱۵۷، ۱۴۴، ۱۹۵، ۲۱۱ - چاچکتو (طالقان) کے کھنڈر بالا مرغاب (مرو الرود) سے بخط مستقیم پنتالیس میل ہیں یا یوں سمجھنا چاہیئے کہ بالا مرغاب سے طالقان کے پہاڑی ملک میں تین دن کا سفر تھا چاچکتو کا نام (جسے جیچکتو بھی لکھا جاتا ہے) علی یزدی نے اپنی کتاب میں (ج ۱ - ص ۸۰۶ - ج ۲ ص ۵۹۳) تیمور کی فوجی مہموں کے حالات میں لکھا ہے۔ لیکن طالقان کا ذکر نہیں کیا قلعۂ والی کے کھنڈر (جو غالباً جرزوان کے کھنڈر ہیں) بالا مرغاب سے ستائیس میل پر واقع ہیں جرزوان کے کھنڈروں کا ایک دوسرا موقع وہ بڑے کھنڈر بھی ہو سکتے ہیں جو تخت خاتون کے قریب نظر آتے ہیں ان دونوں میں سے کوئی مقام پرانا جرزوان کا شہر ہو سکتا ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خوارزم شاہیوں کے زمانہ میں جرزوان دار الضرب تھا۔

چنانچہ اس وقت بھی یہ شہر مَیمَنَہ کے نام سے موجود ہے۔ مَیمَنہ کا ذکر معلوم ہوتا ہے کہ مستوفی نے بھی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں گرم علاقہ کا یہ ایک شہر اوسط درجے کا تھا۔ غلّہ، پھل اور کھجوریں یہاں پیدا ہوتی تھیں، اور پانی ایک قریب کے دریا سے بہم ہوتا تھا۔ بہرکیف جُوزجان کے شہر مَیمَنَہ اور زابُلِستان کے شہر مَیمَند یا مَیوَند میں جو گِرِشک اور قَندَہار کے وسط میں نصف راہ پر واقع تھا، کچھ خلط ملط واقع ہوا ہے۔ یہی خلط ملط ایک مرتبہ پھر یاقوت کی کتاب میں نظر آتا ہے۔ یہ مصنف مَیمَنَد یا مَیمَند غزنَہ کے حال میں لکھتا ہے کہ "وہ بامیان اور غُورسا کے بیچ میں واقع ہے"۔ اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی مراد مَیمَنَہ یا یَہُودِیَہ سے ہے۔ یَہُودِیَہ یا مَیمَنَہ سے ایک منزل پر کَندَرَم کا شہر تھا۔ جسے کَندَرَم بھی لکھا جاتا ہے۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ یہاں جُوزجان کا حاکم رہتا تھا۔ اصطخری کا بیان ہے کہ یہ پہاڑوں کا شہر تھا، تاکستان اور اخروٹ کے درخت اس میں بہت تھے، اور جاری چشمے اُس کی زمین کو خوب سیراب کرتے رہتے تھے[1]۔ (۴۲۵)

علاقہ جُوزجان کے بڑے شہروں میں شہر فاریاب زمانۂ سلف میں بہت بڑے درجے کا شہر تھا۔ مگر اب اُس کا نام نقشوں سے بالکل محو ہو چکا ہے۔ البتہ سیاحت ناموں میں جو موقع بیان ہوا ہے اُس کے مطابق فاریاب کے کھنڈروں کو اُس مقام سے مطابق سمجھا جا سکتا ہے جسے آج کل خیرآباد کہتے ہیں، جہاں ایک پرانا قلعہ ہے اور اس کے گرد اینٹوں کے ٹیلے ہیں۔ ابن حوقل نے اس کا نام الفاریاب لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ طالِقان سے

---

[1] یعقوبی ص ۲۸۷۔ اصطخری ص ۲۷۰، ۲۷۱۔ ابن حوقل ص ۳۲۱، ۳۲۲۔ یاقوت ج ۲۔ ص ۱۲۸۔ ج ۴ ص ۷۱۹، ۱۰۴۵۔ مستوفی ص ۱۸۵۔ سی، ای ییٹ Afghanistan (Yate) ص ۳۳۹۔

چھوٹا شہر تھا، لیکن اُس کی زمین زیادہ زرخیز اور اُس کے باغ زیادہ اچھے
تھے۔ یہ ایک صحت بخش مقام تھا، اور یہاں مال تجارت کا ذخیرہ
اچھا تھا۔ اس میں ایک جامع مسجد تھی، مگر اس میں مینار نہ تھے۔ یاقوت
نے اس کا نام فِیْریاب لکھا ہے، اور طَالِقَان اور شَبُرْقَان کی نسبت
سے اُس کی جائے وقوع بیان کی ہے۔ لیکن اور کچھ تفصیل نہیں کی۔ یاقوت
کے زمانہ کے تھوڑے عرصہ بعد یعنی ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں فاریاب کو
مغلوں نے بالکل تباہ کر دیا۔ مستوفی نے فاریاب کا ذکر محض ضمناً کیا ہے۔
ابن حوقل کی تحریر کے مطابق اَلیَہُودِیَه اور فاریاب کے درمیان
مَوْسَان کا شہر واقع تھا، جو وسعت کے لحاظ سے چوتھی (دسویں) صدی
میں تقریباً اَلیَہُودِیَه کے برابر تھا۔ مرسان اور نریان کا گاؤں غالباً
ایک ہی مقام ہیں، کیونکہ یاقوت نے نَرِیان کا موقع وہی بیان کیا ہے جو
مَوْسَان کا ہے۔ اسی پہاڑی علاقہ میں سَان کا چھوٹا سا شہر بھی تھا۔
ابن حوقل نے لکھا ہے کہ اس شہر میں میووں کے باغ بہت تھے، ان میں
انگور اور اخروٹ بافراط ہوتے تھے، کیونکہ یہاں کے چشمے اپنا پانی جاری
رکھنے میں کبھی سُستی نہ کرتے تھے
شَبُرْقَان، جسے اَشْبُوْرْقَان یا اُشْبُرْقَان یا شُبُوْرْقَان (۴۲۶)
یا سَبُوْغَان بھی لکھا جاتا ہے، اب تک موجود ہے۔ تیسری (نویں) صدی میں

لہ اصطخری ص ۲۷۰ + ابن حوقل ص ۳۲۱، ۳۲۲ + ناصر خسرو ص ۳ + یاقوت ج ۳ ص ۸۴۰ ،
۸۸۸ + ج ۴ ص ۷۷۵ + مستوفی ۱۸۵ + سی۔ ای۔ ییٹ (Yate) کی کتاب
Afghanistan ص ۲۳۳ + ناصر خسرو نے جُوزجان کے فاریاب کا نام
دو بار لکھا ہے، وہ شُبُرْقَان سے طالقان جاتے ہوئے اس شہر سے گذرا تھا۔ مصنف
جہاں نما (ص ۳۲۴) نے اسے بارآب بھی لکھا ہے، لیکن اسے فاراب سے
مخلوط نہ کرنا چاہئے۔ اس فاراب کو بھی بارآب کہتے ہیں، اور یہ جیسا کہ چوبیسویں
باب میں بیان ہوگا دریائے سیحون کا شہر اُترار ہے۔

یہ شہر علاقہ جوزجان کا حاکم نشین شہر رہا تھا، اس کے بعد یہودیہ یا میمنہ، دارالحکومت ہوگیا۔ جو اُس وقت وسعت میں شبرقان کے برابر تھا۔ اس کے باغ اور کھیت غیر معمولی طور پر زرخیز تھے، اور یہاں سے میوہ بکثرت باہر بھیجا جاتا تھا۔ یاقوت نے اس کا نام شُبُرقان، یا شُفرقان لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں مغلوں کی یورش کے وقت یہ ایک بڑا معمور شہر تھا، اور اُس کے بازاروں میں مال تجارت بہت تھا۔ اس کے ایک صدی بعد یعنی آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے بھی اس کا ذکر ایسے ہی الفاظ میں کیا ہے، اور شبورقان اور فاریاب (دونوں) کا حال ملا کر لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہاں غلہ بکثرت ہوتا تھا اور ارزاں ملتا تھا۔

شُبُورقان کے جنوب میں ایک دن کی راہ پر، اور اتنے ہی فاصلہ پر یہودیہ سے مشرق میں اَنْبار کا شہر تھا، جس کا املا اَنْبِر بھی کیا جاتا تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ مَرْوالرُّود سے بڑا تھا یہاں علاقہ کا حاکم سردی کا موسم بسر کیا کرتا تھا۔ اب کوئی شہر اس نام کا موجود نہیں ہے، لیکن موقع کے اعتبار سے انبار غالباً اُسی مقام پر تھا جہاں اب سرپُل ہے۔ سرپل دریائے شُبُورقان کے بالائی حصے کے کنارے واقع ہے، اور اب بھی وہ ایک بڑا مقام ہے۔ انبار کے گرد تاکستان تھے، اور شہر کے مکانات کچے تھے۔ یہ اکثر اوقات جوزجان کا بڑا شہر سمجھا جاتا تھا، اور غالباً یہی وہ مقام ہے جہاں شُبُرغان جاتے ہوئے ناصر خسرو آیا تھا، اور جسے اُس نے جوزجان کا شہر (یا دارالحکومت) بیان کیا ہے۔ اس نے یہاں کی عالی شان جامع مسجد کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہاں کے باشندے شراب خوری کی عادت رکھتے تھے۔ شُبُورقان کے شمال مغرب میں ہموار زمین پر اَنْدخُوئ کا شہر ہے، جس کا نام شروع زمانہ نے جغرافیہ نویسوں نے مختلف طور پر اَنْدخُد، اَدَّخُود اور اَلْنَخُد لکھا ہے۔ ابن حوقل

کا بیان ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر بادیہ میں واقع تھا، اور سات قریئے اس کے گرد تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں زیادہ تر گرد آباد تھے جن کے پاس بھیڑیں اور اونٹ بہت تھے۔ یاقوت نے اس شہر کا نام لکھا ہے لیکن حالات نہیں لکھے۔ اَندخُوی کا نام تیمور کی فوجی مہموں کے بیان میں بھی آیا ہے[۱]۔

طُخارِستان کا بڑا علاقہ بلخ کے مغرب میں دریائے جیحون کے جنوبی کنارے سے ملا ہوا بدخشان کی سرحد تک چلا گیا تھا۔ جنوب میں اس علاقہ کی سرحد ان پہاڑی سلسلوں سے قائم ہوتی تھی جو بامیان (۴۲۷) اور پنج ھیِر کے شمال میں تھے۔ طُخارِستان کا علاقہ دو حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصہ طُخارِستان بالا کا تھا جو بلخ کے مشرق میں دریائے جیحون کے کنارے کنارے چلا گیا تھا، دوسرا حصہ طُخارِستان زیریں تھا جو طُخارِستان بالا سے آگے جنوب مشرق میں بدخشان کی سرحد تک چلا گیا تھا۔ زمانۂ وسطے کے جغرافیہ نویسوں نے طُخارِستان کے بہت سے شہروں کا ذکر کیا ہے، لیکن اُس کے حالات بہت کم لکھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بجز ایسے شہروں کے جن کا ذکر سیاحت ناموں میں ہوا ہے، یا جو اب تک موجود ہیں، باقی جس قدر ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جن کو شناخت کرنا اب غیر ممکن ہے۔

بلخ سے مشرق میں دو دن کی مسافت پر خُلم شہر ہے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس کے گرد بہت سے قریئے اور علاقے تھے۔ آب و ہوا اس کی اچھی تھی۔ خُلم سے دو دن کی راہ پر سِمِنجان اور رُوب کے دو شہر ایک دوسرے کے قریب

۱؎ یعقوبی ص ۲۸۷+ اصطخری ص ۲۷۰، ۲۷۱ - ابن حوقل ص ۳۲۱، ۳۲۲ - ناصر خسرو ص ۲ - یاقوت ج ۱ ص ۳۹۶، ۳۲۱ ج ۳ ص ۲۵۴، ۲۵۶، ۳۰۵، ۴۸۸ - مستوفی ص ۱۸۸، ۱۸۹ + علی یزدی ج ۱ ص ۵۰۸ - ج ۲ ص ۵۹۳ - سی ای ییٹ کی کتاب Afghanistan ص ۳۴۷ -

واقع تھے۔ آج کل ان دونوں شہروں کی جگہ غالباً ہیبک کا شہر ہے، جو خُلم کے جنوب میں دریائے خُلم کے بالائی دہگزر پر واقع ہے۔ مقدسی نے سِمنجان کو خُلم سے بڑا شہر لکھا ہے۔ اس میں ایک جامع مسجد تھی اور میوے یہاں بہت پیدا ہوتے تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ سمنجان وادیوں کی ایک بھول بھلیاں میں واقع تھا، جہاں اس وقت یا کبھی پہلے قبیلۂ تمیم کے عرب آباد تھے۔ مستوفی نے سِمنجان کو ایک بڑا شہر بتایا ہے، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں برباد ہو چکا تھا، لیکن یہاں اب بھی غلے روئی اور انگور کی کاشت بہت ہوتی تھی۔ علی یزدی نے جہاں خُلم سے ہندوستان کی سرحد کی طرف تیمور کے کوچ کرنے کا حال لکھا ہے وہاں سمنجان کا ذکر سِمنگان کے نام سے کیا ہے۔ سِمنجان سے آگے جنوب مشرق کی سمت میں بَغلان کے دو علاقے تھے، یعنی بَغلان بالا اور بَغلان زیرین۔ بَغلان زیرین میں مقدسی کی تحریر کے مطابق چوتھی (دسویں) صدی میں پورے علاقۂ بَغلان کا دارالحکومت واقع تھا، اس میں ایک جامع مسجد تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بَغلان جس کا نام علاقہ کی حیثیت سے علی یزدی نے بَقلان لکھا ہے، اَندَرابہ یا اَندَراب جانے والی سڑک کے متوازی واقع تھا۔ اَندَراب کے متعلق ابن حوقل نے لکھا ہے کہ اس میں عمدہ بازار تھے اور شہر گھاٹیوں میں واقع تھا، جو سرسبز جنگلوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ یہ گھاٹیاں، جو کوہی سلسلہ پنج ہیر کے شمالی رویہ ڈھالوں پر واقع تھیں، ان کے گوشوں اور شگافوں میں چاندی کی کانیں تھیں۔ یہ ابن حوقل کا بیان ہے۔ اسی مصنف نے دو دریاؤں کا ذکر کیا ہے، یعنی نہر اندراب اور نہر کاسان، جو اس علاقہ میں بہتے تھے۔ یاقوت نے اس شہر کا نام اَندَراب یا اَندَرابہ لکھا ہے۔ لیکن حالات بیان نہیں کئے[1]۔

[1] اصطخری ص ۲۷۹ - ابن حوقل ص ۳۲۴ - مقدسی ص ۲۹۶ - یاقوت ج ۱-

(۴۴۸)

دریائے خُلم دریائے جیحون میں نہیں گرتا بلکہ پانی اور دلدل کی زمین
میں غائب ہو جاتا ہے جو پرانے شہر خُلم کے کھنڈروں سے چند میل
شمال میں واقع ہے۔ خُلم سے دریائے جیحون کے قریب ترین مقام
پر چوتھی (دسویں) صدی میں ایک نہایت مستحکم و مستحصن رباط تھا جسے
رباط میلہ کہتے تھے۔ یہاں بلخ سے آنے والی سڑک تین مراحل میں
پہنچتی تھی، اور یہیں سے دریائے جیحون کو عبور کر کے ماوراءالنہر اور ختّل
کے ملکوں میں داخل ہوتی تھی۔ خُلم سے دو دن کی راہ پر مشرق
میں وَرْوَالیز یا وَرْوَالیج کا شہر تھا۔ ابن حوقل اور دیگر مصنفوں نے
لکھا ہے کہ وَرْوَالیز چوتھی (دسویں) صدی میں ایک بڑا شہر تھا۔
اِس نام کا اب کوئی شہر موجود نہیں۔ لیکن سیاحت ناموں میں اس کا
جو موقع بیان ہوا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ضرور
قُندُز کے موقع سے بہت قریب واقع ہوگا۔ یاقوت جس نے
کتابت کی غلطی سے یہ نام وَرْوَالین لکھ دیا ہے، شہر کے حالات
کی تفصیل نہیں کرتا۔ یاقوت یا شروع زمانہ کے کسی جغرافیہ نویس نے
قُندُز کا نام نہیں لیا۔ یہ نام بلاشبہ کُہندِز کی مخفف شکل ہے، جو فارسی
میں ایک نام بغرض قلعہ کے لئے تھا۔ اور غالباً اِسی بنا پر اُس کا
اطلاق شہر وَرْوَالیز کے پرانے قلعہ پر ہوتا تھا۔

وَرْوَالیز سے دو دن کی مسافت پر علاقۂ طخارستان کا شہر
طَائقان یا طالقانِ طخارستان آباد تھا، جو اب تک موجود ہے۔ اسے
علاقۂ جوزجان کے شہر طالقان سے جس کا ذکر صفحہ حاشیہ ۴۴۲ پر ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۹) ص ۲۷۲ + ج ۲۔ ص ۴۸۲ + ج ۳۔ ص ۴۴۱،۸۱۵ + مستوفی ص ۱۸۸ + علی یزدی ج ۲۔ ص ۱۹ + سی، اِی، ییٹ (Yate) Afghanistan ص ۳۱۷ + اِن تمام مقامات کے موقعوں کے لئے دیکھو نقشہ مقابل صفحہ حاشیہ ۱ +

۱؎ اصطخری ص ۲۷۹ + ابن حوقل ص ۳۲۶، ۳۲۲ + مقدسی ص ۲۹۷ + یاقوت ج ۳ ص ۹۱۸ + ج ۴۔ ص ۹۲۶ +

غلط سلط نہ کرنا چاہئے، چوتھی (دسویں) صدی میں یہ علاقہ طخارستان کے نہایت معمور شہروں میں تھا۔ مقدسی نے اس کا نام اَلطّایِقان لکھا ہے، گو الطّاَلِقان زیادہ صحیح ہے۔ وہ لکھتا ہے اس میں ایک بڑا بازار تھا، شہر پہاڑیوں سے ایک تیر کے پھینکے سے ہموار زمین پر واقع تھا، اور چوتھی (دسویں) صدی میں بلخ سے باعتبار وسعت ایک ثلث تھا۔ اس کی زمینیں جیحون کے معاون دریا ختّل آب سے (جسے بعض اوقات خیلاب بھی لکھا جاتا ہے) سیراب ہوتی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دریائے وَخشاب (یا ترآب، کیونکہ ان دونوں ناموں کا املا مشکوک ہے) ختّل آب کی ایک شاخ تھا، اور قندُز کے شمال میں ختّل آب سے جا ملتا تھا۔ قرب و جوار کی اراضی بہت زرخیز تھیں اور یہ ایک خوشگوار ملک تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ غلّہ اور بکثرت میوہ یہاں کاشت کیا جاتا تھا، اور آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں کی آبادی زیادہ تر پارچہ بافوں کی تھی۔ اس زمانہ میں یہاں ایک مستحکم قلعہ تھا، اور شہر کے گرد علاوہ مزروعہ علاقے تھے جن میں انگور، انجیر، شفتالو، اور پستہ بافراط پیدا ہوتے تھے۔ علی یزدی نے جہاں تیمور کی فوجی مہموں کے حال لکھا ہے وہاں طائِقان کا ذکر بارہا کیا ہے۔ پرانے زمانہ کے جغرافیہ نویسوں کی تحریر کے مطابق طالقان سے سات دن کی راہ پر مشرق کی طرف بدخشان (۴۲۹) واقع تھا، جس کا ذکر آئندہ باب میں کیا جائیگا۔[1]

---

[1] ابن رستہ ص ۹۳ + اصطخری ص ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۷۹ + ابن حوقل ص ۳۲۶ + مقدسی ص ۲۹۶، ۳۰۳ + ابوالفدا ص ۴۷۲ + یاقوت ج ۳۔ ص ۵۰۱ + ج ۵۔ ص ۴۴ + مستوفی ص ۱۸۸، ۱۸۹ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۸۲، ۱۷۹ + طائقان کا املا (ل) کے ساتھ یا اس کے بغیر طائِقان یا طایکان اور علاقہ جوزجان کے شہر کے نام کی طرح طالِقان کیا جاتا ہے +

ابن حوقل لکھتا ہے کہ سب سے زیادہ مشہور چیزیں جو خراسان سے بغرض تجارت باہر بھیجی جاتی تھیں، نیشاپور اور مرو کے ریشمی اور سوتی کپڑے تھے۔ یہاں بھیڑیں اور اونٹ دونوں سستے داموں خریدے جا سکتے تھے۔ ترکی غلام اور خرد و نوش کی تمام چیزیں بافراط دستیاب ہوتی تھیں۔ یہ مصنف لکھتا ہے کہ غلاموں میں ایک لڑکے یا لڑکی قیمت پانچ پانچ ہزار دینار تک پہنچتی تھی۔ مقدسی نے اس مضمون کو اور بھی تفصیل سے لکھا ہے۔

خراسان میں نیشاپور صنعت و حرفت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ قسم قسم کے سفید کپڑے یہاں تیار ہوتے تھے۔ عماموں کے لئے کپڑا کھڈی، آڑی اور ترچھی بناوٹ کا بہت بنتا تھا۔ نقابیں، استر کے باریک سوتی اور کچے ریشم کے کپڑے، خالص ریشم، یا ریشم اور سوت کے ملے ہوئے دیباج اور کمخواب سوتی پارچے، مختلف اقسام کے بکری کے اون کے بنے ہوئے کپڑے نیشاپور کی مشہور چیزیں تھیں۔ یہاں جبے، باریک تاگا، بتی (ریشمی دھوپ چھاؤں) بھی تیار ہوتی تھی۔ لوہے کے برتن گھڑے ہوئے، سوئیاں، اور چاقو بھی بنائے جاتے تھے۔ نیشاپور کے باغوں کے انگور، کشمش، ریوند چینی مشہور تھی، اور علاقہ ریوند سے فیروزہ جو نیشاپوری فیروزہ بہت نکلتا تھا۔ یہ فیروزہ بہت مشہور تھا۔

نسا اور ابیورد کے ریشم اور سوتی کپڑوں کی وجہ سے جو یہاں کی دیہات کی عورتیں بنتی تھیں مشہور تھے۔ یہاں لومڑی کی پوستین سے لباس تیار کئے جاتے تھے۔ نسا میں شکاری پرندوں میں خاص قسم کے شکرے ہوتے تھے۔ یہاں کی زمین میں تل بھی بہت پیدا ہوتا تھا۔ طوس سے کھانا پکانے کی دیگیں اور دیگچے، جو اس شہر کی مخصوص چیزیں تھیں، آتے تھے اور یہاں سے نکلے اور خوراک کی چیزیں بافراط دساور کی جاتی تھیں

نہایت عمدہ پٹیاں اور عبائیں یہاں تیار ہوتی تھیں ھرات میں ہر قسم کا دیباج اور زربفت بُنا جاتا تھا، اور کشمش اور پستے کے مربے اور مختلف قسم کے شربت تیار ہوتے تھے۔ فولاد بھی ھرات میں بڑی عمدگی سے تیار کیا جاتا تھا۔ غرج الشار کے پہاڑی ملک سے نمدے، قالین، گدے اور چار جامے آتے تھے۔ یہاں سونا بھی نکلتا تھا، اور گھوڑے اور خچر بڑی تعداد میں دساور کئے جاتے تھے۔

مَرو ہر قسم کی ریشمی پارچہ بافی کے لئے بڑا مقام تھا۔ یہاں سے ریشم اور سوت کا ملوال اور خالص سوتی کپڑا جس سے نقاب، اور ہر قسم کے کپڑے بنائے جاتے تھے، تیار ہوتا تھا۔ اس شہر کے گرد و نواح میں ملوں کا تیل نکالا جاتا تھا۔ اور خوشبودار جڑی بوٹیاں اور ترنجبین پیدا ہوتا تھا۔ مَرو میں تانبے کے برتن بنتے تھے، اور یہاں کے نان بز طرح طرح کے نان تیار کرتے تھے۔ بلخ کے قرب و جوار میں تل، چاول، بادام، اخروٹ اور کشمش پیدا ہوتی تھی۔ اس شہر کے صابون بنانے والے مشہور تھے۔ یہاں مٹھائی بنانے والے انگور اور انجیر سے طرح طرح کے شیرین قوام تیار کرتے تھے، جن کو شہد کہا جاتا تھا۔ تخم انار کے مغز کا رب یا مربہ جسے لب الرمان لکھا ہے، خوب بناتے تھے۔ یہاں سے شربت اور گھی بافراط دساور ہوتا تھا، اور قریب ہی سبیہ، توتیا اور سنکھیا کی کانیں تھیں۔ بلخ کا لوبان، زرد چوبہ، تیل اور مربے مشہور تھے۔ یہاں سے کھالیں اور عبائیں بھی دساور کی جاتی تھیں، اور دریائے جیحون کے پار ترمذ کے شہر سے صابون اور ہینگ باہر بھیجی جاتی تھی۔ ورواليج سے بدخشان میں جو چیزیں آتی تھیں ان کی ایک بڑی فہرست مقدسی نے لکھی ہے، ان جبول میں اخروٹ بادام پستے اور بہی بیان ہوئی ہے۔ چاول، تل، پنیر اور گھی، کی تجارت بہت تھی۔ ہینگ اور پوستین خصوصاً لومڑی کی پوستین کا بیوپار بہت تھا۔[۱]

(۳۳۰)

---

[۱] اصطخری ص ۱۵۳؛ ابن حوقل ص ۳۲۰؛ مقدسی ص ۳۲۳-۳۲۶

بڑی بڑی سڑکیں جو خراسان اور قوہستان میں سے گزرتی تھیں ان کی کیفیت یہ تھی :۔ خراسان کی بڑی سڑک صوبہ قومس کے شہر بسطام سے آگے بڑھ کر صوبہ خراسان میں داخل ہوتی تھی۔ (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۶۵) بسطام سے نیسابور کو جانے کے لئے دو راستے تھے : (۱) ایک شمالی راستہ تھا، یعنی کاروان کی سڑک ہے جو بسطام سے جاجرم اور جاجرم سے آزادوار آتی تھی، اور جوین کی سطح زمین سے گزرتی ہوئی مائل بمغرب نیسابور پہنچ جاتی تھی۔ یہی وہ سڑک ہے جس کا ذکر مستوفی نے خاص طور پہ کیا ہے۔ مگر اصطخری اور ابن حوقل نے صرف اُس کے اجزا بیان کئے ہیں۔ (۲) دوسرا جنوبی راستہ قریب کا نیسابور والی ڈاک کی سڑک سے تھا۔ یہ سڑک موضع بذش سے شروع ہوتی تھی۔ اس موضع کا حال کہ بسطام سے اس کا فاصلہ دو فرسخ تھا اوپر آچکا ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۶۸ ایضاً) ڈاک کی سڑک پہاڑوں کے دامن دامن بادیہ ایران کو اپنے دائیں ہاتھ کو لئے ہوئے گئی ہے، اور اسد آباد سے ہوتی ہوئی بہمن آباد یا مزینان پہنچتی تھی۔ مزینان سے ایک سڑک شمال میں آزادوار کو نکل گئی تھی علہ مگر ڈاک والی سڑک بدستور جاری رہ کر سبزوار ہوتی ہوئی آخر کار نیسابور پہنچتی تھی۔ یہی وہ سڑک ہے جس کا حال ابن خرداذبہ نے لکھا ہے، اور شروع زمانہ کے تمام سیاحت ناموں میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ شہر اسد آباد سے جنوب مشرق کی طرف جانے کے لئے صرف مقدسی کا بیان ہے کہ اس شہر سے ایک راستہ تیس فرسخ طول کا بادیہ ایران کے ادھر کے گوشہ سے گزرتا ہوا صوبہ قوہستان کے شہر طُرشیز

(علہ یہ سڑک نقشہ عشہ میں نہیں دکھائی گئی۔ مترجم)

کو گیا تھا۔ مگر طرشیز کو جو سڑک نیسابور سے آتی تھی اس کا حال مقدسی اور ابن خرداذبہ دونوں نے لکھا ہے نیسابور سے جو سڑک شمال میں شہر نسا کو جاتی تھی اس پر جتنی سڑکیں تھیں ان کا ذکر مقدسی نے کیا ہے[1]

نیسابور سے ایک منزل آگے قصر الریح یا دِزباد (ہوا محل) کے مقام سے خراسان کی سڑک دو شاخیں ہوجاتی تھیں۔ ایک داہنے ہاتھ والی شاخ تھی جو جنوب مشرق کی طرف ہرات کو چلی گئی تھی اس شاخ کا حال ہم آگے نئے فقرے میں لکھینگے۔ دوسری شاخ (۴۳۱) قصر الریح سے بائیں ہاتھ کو شمال مشرق کی سمت میں مشہد اور طوس کو گئی تھی، اور طوس سے مازدران ہوتی ہوئی اس گھاٹی پر پہنچتی تھی جہاں سے دریائے تجند اترتے ہی سرخس کا شہر آجاتا تھا۔ سرخس سے یہ سڑک بادیہ ایران کو طے کرتی ہوئی مرو کلان میں آتی تھی۔ اور یہاں سے آگے پھر بادیہ میں سے گزرتی ہوئی دریائے جیحون کے کنارے سے آمل (چہارجوے) کے شہر میں پہنچ جاتی تھی، اور یہاں سے صوبہ خراسان سے باہر ہو کر بخارا پہنچ کر ختم ہوجاتی تھی۔ خراسان کی سڑک کا یہ ٹکڑا، یعنی نیسابور سے آمل تک کا، جہاں سے جیحون اترتے تھے، تقریباً تمام سیاحت ناموں میں مذکور ہے۔ اختلافات اگر ہیں تو بہت خفیف ہیں اس سڑک کی منزلیں اپنے پرانے ناموں کے ساتھ اب تک موجود ہیں[2]

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۲۳، ۵۲ + قدامہ ص ۲۰۱ + ابن رستہ ص ۱۷۰ (جو سڑک کے مفصل حالات کے) + اصطخری ص ۲۱۶، ۲۸۴ + ابن حوقل ص ۲۷۵، ۳۳۳ + مقدسی ص ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۷۱، ۳۷۲، ۴۹۱ + مستوفی ص ۱۹۶ +

[2] ابن خرداذبہ ص ۲۴، ۲۵ + قدامہ ص ۲۰۱، ۲۰۲ + ابن رستہ ص ۱۷۱ + یعقوبی ص ۲۷۹ + مقدسی ص ۳۴۸، ۳۵۱ + مستوفی ص ۱۹۶ (سرخس تک کے لئے) +

اُوپر آچکا ہے کہ نیشا پُور سے ایک منزل آگے (یعنی قصر الریح پر) خراسان والی سڑک کی ایک شاخ داہنے ہاتھ کو ہرات گئی تھی۔ سرخس اور مرو کلاں پر بھی سڑک کی ایک ایک شاخ داہنے ہاتھ کو پھوٹ کر دونوں مرو الرود کو گئیں تھیں۔ اور ایک سڑک ہرات سے بھی شمال کی سمت چل کر مرو الرود آئی تھی۔ ایک سڑک مرو الرود سے مشرق کی سمت میں بلخ کو گئی تھی۔ اور بلخ سے آگے بڑھ کر دریائے جیحون کو اُتر کر ترمذ کے شہر میں پہنچ جاتی تھی۔ اب ہم پہلے اُس شاخ کا ذکر کرتے ہیں۔ جو ہرات کو گئی تھی۔ یہ سڑک قصر الریح سے شروع ہو کر چار مرحلوں میں بُوزجان پہنچتی تھی، اور اتنے ہی مرحلوں میں بُوزجان سے بُوشنج آجاتی تھی۔ بُوشنج سے ہرات ایک دن کا راستہ تھا۔ اِس سڑک کا حال ابن رستہ اور چوتھی (دسویں) صدی کے جغرافیہ نویسوں، اور مستوفی نے بھی لکھا ہے۔ بُوزجان سے ایک سڑک جنوب مغرب کی طرف اور بُوشنج سے ایک سڑک مغرب کی طرف چل کر دونوں قاین آتی تھیں (جو قُوہستان کا شہر ہے)۔ قُوہستان کے مختلف شہروں کے باہمی فاصلے اصطخری اور اصطخری کے علاوہ اور جغرافیہ نویسوں نے بھی بیان کردئے ہیں۔ قاین ہی میں وہ سڑکیں آکر ملتی تھیں جو بادیہ ایران کے سرحدی شہروں یعنی طبس اور خور سے چلی تھیں۔[2]

ہرات سے جنوب کی طرف سڑک علاقہ اَسفزار میں سے ہوتی ہوئی اِسجستان کے شہر، زرنج میں آتی تھی۔ سجستان میں اس کا داخلہ شہر اَسفزار اور فرہ کے درمیان ایک مقام سے ہوا تھا۔

---

[1] ابن رستہ ص ۱۷۲ اس نے سڑک کا حال لکھا ہے، مگر فاصلے نہیں دئے۔
اصطخری ص ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۶ + ابن حوقل ص ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۵ +
مقدسی ص ۳۵۱، ۳۵۲ + مستوفی ص ۱۹۷ +

(دیکھو صفحہ حاشیہ ۲۴۱) اس سڑک کا حال ابن رُستہ اور چوتھی (دسویں)
کے تین جغرافیہ نویسوں نے لکھا ہے۔ ایک سڑک ہرات سے
مشرق کی طرف دریائے ہری رود کی گھاٹی میں دریا کے چڑھاؤ
کے رُخ غُور کی سرحد تک گئی تھی۔ اور ان ہی چوتھی (دسویں)
صدی کے تینوں مصنفوں نے اس سڑک کے شہروں کے نام
بھی لکھے ہیں، جو ایک دوسرے سے ایک ایک دن کی راہ پر
واقع تھے۔ ہرات سے کُرُوخ کے رستے غَرجستان کے شہر شورمین
اور آبشین تک پہنچنے میں جو مقامات آتے تھے ان کے باہمی
فاصلے بھی ان ہی کے حساب سے چوتھی (دسویں) صدی کے
جغرافیہ نویسوں نے بیان کئے ہیں۔ آبشین سے دریائے مرغاب
کے بہاؤ کے رُخ سڑک مروالرود کو پہنچتی تھی۔ جو سڑکیں غیلان اور
باذغیس کو طے کر کے اس کے دارالحکومت بغشور سے ہوتی ہوئی
مروالرود یا قصر احنف (مروچک) تک آتی تھیں وہ سب اصطخری
ابن حوقل، اور مقدسی نے، اور آٹھویں (چودھویں) صدی میں
مستوفی نے بیان کی ہیں۔[1]

دو سڑکیں ایک سرخس اور دوسری مرو کلاں سے
چل کر مروالرود پر ملتی تھیں۔ ان میں سرخس والی سڑک ہری رود
اور مرغاب، دو بڑے دریاؤں کے مابین بادیہ کو طے کرتی ہوئی
مروالرود کو آتی تھی، اور دوسری مرو کلاں والی سڑک دریائے
مرغاب کے کنارے کنارے زرخیز ضلعوں اور شہروں میں سے
گزرتی ہوئی مروالرود پہنچتی تھی۔ سرخس والی سڑک کے کنارے
جو بادیہ میں سے گزرتی تھی۔ بہت سے رباط یعنی مہمان خانے تھے

---

[1] ابن رُستہ ص ۱۷۳، ۱۷۴ + اصطخری ص ۲۶۴، ۲۶۹، ۲۷۰ + ابن حوقل ۳۰۲، ۳۰۵، ۳۲۴ + مقدسی ص ۳۰۸، ۳۴۹، ۳۵۰ + مستوفی ص ۱۹۵ ۔

جن کا ذکر مقدسی نے کیا ہے۔ مستوفی نے اس بیان کو صرف نقل کر دیا ہے۔ اور یہی ترکی جغرافیہ جہاں نما کے مصنف نے کیا ہے۔ مَرو کلاں سے جو سڑک دریائے مُرغاب کو چڑھاؤ کے رُخ مرو الرُّود تک آئی تھی اُس کا ذکر ابن خُردادبہ اور قدامہ نے کیا ہے، مقدسی نے بھی اس کا حال لکھا ہے، گر راستہ دوسرا بتایا ہے[۱]۔

مَرو الرُّود سے جوزجان کے علاقہ میں سے گزرتی ہوئی جو سڑک بلخ گئی تھی اُس کا حال ابن خُردادبہ اور شروع زمانہ کے سیاحت ناموں میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ یہ سڑک مَرو الرود سے چل کر طالقان آئی تھی، اور طالقان سے یا تو فاریاب اور شُبرقان کے شہروں سے گزرتی ہوئی یا طالقان سے جہودیہ (میمنہ) اور انبار کے شہروں سے ہوتی ہوئی بلخ آئی تھی یہاں منزلوں کے باہمی فاصلے اصطخری، مقدسی نے یومیہ سفر یعنی مرحلوں کی تعداد میں بیان کئے ہیں۔ مستوفی نے مَرو الرود سے بلخ کا راستہ کسی قدر مختلف طریقے سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ سڑک طالقان اور فاریاب کے شہروں کو اپنے مغرب کی طرف چھوڑتی ہوئی شُبرقان اور شُبرقان سے پُل جمُوخیان پر سے گزرتی ہوئی بلخ پہنچتی تھی۔ طالقان اور فاریاب دونوں دائیں ہاتھ ایک چھ فرسخ کے فاصلے، اور دوسرا دو فرسخ کے فاصلے سے چھوٹ جاتا تھا۔ سڑک کا یہی ڈول جہاں نما میں نقل ہوا ہے۔ بلخ سے سڑک سیاہ جرد کے شہر سے گزرتی ہوئی دریائے جیحون کے کنارے دو مرحلوں میں اُس مقام پر آتی تھی جہاں سے

---

[۱] ابن خرداذبہ ص ۲۲، ۱۷۴، + قدامہ ص ۲۰۹ + مقدسی ص ۳۴۷، ۳۴۹ + مستوفی ص ۱۹۶ + جہاں نما ص ۳۲۹

ترمذ کا شہر دریا پار سامنے پڑتا تھا[1]

بلخ سے مشرق کی طرف سڑک خُلم اور طالقان ہوتی ہوئی بدخشان کی سرحد کو گئی تھی، اور خُلم سے ایک شاخ جنوب مشرق کی طرف اندراب اور پنجھیر کی کانوں کو گئی تھی، جو کابل کے شمال میں تھیں۔ اصطخری اور مقدسی نے اُن راستوں کا کچھ خاکا بھی دیا ہے جو بلخ سے شروع ہو کر پہاڑوں میں سے نکلتے ہوئے بامیان پہنچتے تھے، اور بامیان سے جنوب کی طرف بڑھ کر غور ہوتے ہوئے قُصدار آتے تھے۔ غزنہ سے ایک راستہ مشرق کی سمت میں ہندوستان کی سرحد تک گیا تھا۔ لیکن ان راستوں کے کنارے جو منزلیں آتی تھیں۔ ان کا علم صحت کے ساتھ نہیں کیونکہ جو مقامات بیان کئے گئے ہیں ان کا ذکر کہیں اور نہیں ملتا[2]

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۳۲ + قدامہ ص ۲۱۰ + اصطخری ص ۲۸۶ + ابن حوقل ص ۳۴۴ + مقدسی ص ۳۴۲، ۳۴۷ + مستوفی ص ۱۹۷ + جہاں نما ص ۳۲۹ +

[2] اصطخری ص ۲۸۶ + ابن حوقل ص ۳۲۴، ۳۲۵ + مقدسی ص ۳۴۶، ۳۴۹، ۴۸۶ +

باب سی ویکم

دریائے جیحون The Oxus

صوبہ ماوراء النہر دریائے جیحون و سیحون کے نام۔ دریائے جیحون کے بالائی معاون۔ بدخشان و وخان۔ ختل اور وخش۔ قبادیان اور صغانیان اور ان کے شہر۔ پتھر کا پل۔ ترمذ۔ باب الحدید۔ کالف۔ اخسیکث اور فربر۔ بحیرۂ ارل یا جھیل خوارزم۔ موسم سرما میں دریائے جیحون کا منجمد ہونا۔

دریائے اکسس (Oxus عربی: جیحون) فارسی بولنے والی قوموں اور ترکوں کے درمیان، یعنی ایران و توران کے درمیان ایک حد فاصل مانا جاتا تھا۔ اس دریا کے پار شمال میں جس قدر ممالک تھے ان کو عرب ماوراء النہر کہتے تھے، یعنی "دریا کے اس پار" (دریا سے مراد اکسس / جیحون ہے، گو نام حذف کر دیا ہے)۔ اس نام کے علاوہ عرب اس ملک کو ہیطل بھی کہتے تھے۔ ہیطل ایک قوم تھی جو پانچویں صدی عیسوی میں سلطنت آل ساسان کی شدت سے دشمن رہی۔ یہ قوم ہیطل وہی ہے جسے بازنطینی مصنف افتالوی (Ephthelites) لکھتے ہیں، اور جنکو انگریزی میں بالعموم وہائٹ ہن (White Hun) یعنی سفید ہن کہتے ہیں بہرکیف عہد وسطیٰ کے عربوں نے اس ہیطل کے لفظ کو وسیع معنوں میں

نقشہ ۹

نقشہ صوبہ جات دریائے جیحون و دریائے سیحون

استعمال کیا ہے۔ کبھی اس سے مراد اہل توران لی ہے۔ اور کبھی ان ملکوں سے جو آکسس (جیحون) کے پار واقع ہیں۔ مقدسی نے انھیں معنوں میں اس لفظ کو برتا ہے۔

آکسس (جیحون) پار کے یہ ملک سہولت کی غرض سے پانچ صوبوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ اُن میں سب سے مہتم بالشان صوبہ (۱) سُغد کا تھا، جس کا پرانا یونانی نام "سُگ دیانا" (Sogdiana) ہے۔ سُغد کے دو دارالحکومت تھے، ایک بخارا اور دوسرا سمرقند۔ سُغد سے مغرب میں (۲) خوارزم تھا، جسے موجودہ زمانہ میں بالعموم خیوہ کہتے ہیں خوارزم میں جیحون کا ڈلٹا شامل تھا۔ سُغد سے جنوب مشرق میں (۳) صغانیان کا صوبہ تھا۔ اس صوبہ میں خُتّل اور دریائے آکسس (جیحون) کے ابتدائی رہگزر سے ملے ہوئے بہت سے اضلاع شامل تھے۔ اس صوبہ صغانیان میں بدخشان کا علاقہ بھی شمار کیا جاتا تھا، درانحالیکہ وہ (دریائے آکسس کے پار نہ تھا بلکہ) دریا سے اسی طرف دریا کے جنوبی کنارے سے لگا ہوا اُس گول خم کے اندر واقع تھا جو اس دریا نے طخارستان کے سامنے اختیار کیا تھا۔ ان تین صوبوں کے علاوہ دریائے جکسارٹیس (سیحون) کے بھی دو صوبے ماوراءالنہر میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔ اُن میں ایک فرغانہ تھا۔ جو دریائے جکسارٹیس (سیحون) کے ابتدائی رہگزر سے لگا ہوا واقع تھا۔ اور دوسرا صوبۂ شاش تھا (جو اب تاشکند کہلاتا ہے)۔ صوبۂ شاش میں ماوراءالنہر کے شمالی مغربی اضلاع بھی شامل تھے۔ جو دریائے جیکسارٹیس (سیحون) سے متعلق دریا کے بہاؤ کے رُخ وہاں تک گئے تھے جہاں (۴۲۴) یہ دریا بحیرۂ ارل کے مرادابوں میں بہتا ہوا پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔

آکسس اور جیکسارٹس (جو دونوں یونانیوں کے رکھے ہوئے نام ہیں) انہیں سے عہد وسطےٰ کے عرب آکسس کو جیحون اور جیکسارٹیس کو سیحون کہتے تھے۔ یہ دونوں دریا بھی دجلہ اور

فرات کی مانند، جیسے کہ روائت چلی آتی تھی، بہشت (علان) کے دریا سمجھے جاتے تھے۔ جیحون وسیحون کے ناموں کی اصلیت صاف طور پر ظاہر نہیں ہوتی۔ لیکن قیاس یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام عربوں نے یہودیوں سے سُن کر اختیار کئے تھے۔ اور یہ بگڑی ہوئی شکلیں [۱] ان دریاؤں میں سے دو دریاؤں کی ہیں جن کا ذکر عہد نامۂ عتیق کی کتاب پیدائش باب دوم آئت ۱۱ و ۱۲ میں آیا ہے۔ یعنی دریائے گی ہون Gihon اور دریائے پی سون Pison [۲]

---

[۱] ہم کو مصنف کا یہ خیال کہ دونوں نام عبرانی ناموں کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں درست معلوم نہیں ہوتا۔ جیحون عربی میں وہی شکل رکھتا ہے۔ جو عبرانی میں رکھتا ہے۔ سیحون البتہ عبرانی نام فی سون کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ اس میں ایک حرف کو نکال اُس کی جگہ دوسرا حرف رکھ دیا ہے، اور ایک حرف کی جگہ بدل دی ہے۔ لیکن اِس کو جیحون سے ہم وزن بنانا عربوں کا کام نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ جیحون و فیسون میں ہموزنی گو بہت چست نہ ہو پہلے سے چلی آتی ہے۔ مصنف نے آگے کے نوٹ میں عربوں کے جانب سے مستعار الفاظ میں ہموزنی قائم کرنے کی جو مثالیں دی ہیں وہ بجائے خود ایک دلچسپ بحث ہوں لیکن جیحون وسیحون کی مثال اُن کی ذیل میں ہمارے نزدیک نہیں آتی۔ ناموں کے تلفظ کے لئے دیکھو عہدنامہ عتیق جس کا ترجمہ عبرانی سے اردو میں ہوا ہے (مطبوعہ لدھیانہ ۱۹۰۰ء صفحہ ۲) مترجم۔

[۲] اصطخری ص ۲۸۹، ۲۸۷، ۲۹۵ + ابن حوقل ص ۳۳۵، ۳۴۶، ۳۴۸ + مقدسی ص ۱۴۱، ۲۶۸، اوپر آچکا ہے (صفحہ حاشیہ ۱۲۱) کہ جیحون وسیحون ناموں کو عربوں نے خفیف تبدیلی کر کے جَیحان وسَیحان بناکر دریائے پیرامومس (Pyramus) اور دریائے سارومس (The Sarus) کے لئے استعمال کیا تھا۔ یہ دونوں دریا علاقہ کلیکیا (Cilicia) کی سرحد کے تھے، اور اِن کے پار یونانیوں کے علاقہ تھے۔ جیحون وسیحون کی لفظی حقیقت کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام چونکہ غیر زبان سے مستعار لئے گئے تھے اور اُن کے معنے معلوم نہ تھے اس لئے بلا تکلف ان میں سے ایک

عہد وسطے کے آخر میں مغلوں کی یورش کے زمانہ کے قریب جیحون وسیحون کے نام اکثر متروک ہو چکے تھے۔ اُس زمانہ میں دریائے جیحون کو اموِیہ یا آمو دریا، اور سیحون کو جیسا کہ ہم آئندہ باب میں تحریر کرینگے سیر دریا کہنے لگے تھے۔ آمُویہ یا آمُو کا نام کیونکہ پیدا ہوا اس کا حال بھی صاف طور پر نہیں کھلتا۔ حافظ ابرو کا بیان ہے کہ آمُویہ یا آمو در اصل ایک شہر یا علاقہ کا نام تھا، جو جیحون کے خراسان والے کنارے پر واقع تھا۔ اور جس کا نام پہلے آمُل لکھا جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ واقعہ اس کے برعکس ہو یعنی نام کی صحیح وجہ یہ ہو کہ آمُل کے شہر کو آمُویَہ یا آمُو اس بنا پر کہنے لگے ہوں کہ یہ نام در اصل مقامی فارسی میں اُس بڑے دریا کا تھا اور جب یہ نام زیادہ مروج ہوا تو پھر اُس نے زیادہ باوجہت عربی نام جیحون کو قطعی طور پر بے دخل کر دیا۔ اِس کے علاوہ یہ بھی خیال میں رہنا چاہیئے کہ عرب دریاؤں کے نام ایسے بڑے شہروں کے ناموں پر رکھتے تھے۔ جو اِن دریاؤں کے کنارے پر آباد ہوتے تھے۔ اسی بنا پر دریائے جیحون یا آمو دریا کو اکثر دریائے بلخ بھی کہتے تھے، حالانکہ یہ شہر دریا کے جنوبی کنارے سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔ آوکسس The Oxus نام جو یونانیوں نے اِس دریا کا رکھا تھا "وَخش آب

بقیہ حاشیہ صفحہ (۶۶۲) نام کو جیحون سے ہموزن کرنے کے لئے سیحون بنا لیا گیا تھا۔ مستعار الفاظ میں چست ہموزنی قائم کرنے کی مثالیں عربی میں اور بہت سی ہیں مثلاً Cain (انگریزی کین، عبرانی تلفظ قائن) اور Abel انگریزی ایبل، عبرانی ابل، کو قابیل اور ہابیل بنا لیا۔ یا Saul (انگریزی: سول۔ عبرانی: سائول)، اور Goliath (انگریزی: گولی اتھ۔ عبرانی جالی ییت) کو طالوت و جالوت کر لیا، یا Gog (انگریزی: گوگ + عبرانی جوج) اور Magog (انگریزی: مے گوگ + عبرانی ماجوج) کو یاجوج ماجوج بنا لیا۔ دیکھو سر ایچ یول (Yule) کا بیان مندرجہ کتاب The Oxus مصنفہ کپتان جے، وُڈ (Wood) ۱۸۷۲ء صفحہ XXII

(کے پہلے جز وَخش) میں اب تک جھلک رہا ہے۔ یہ دریا جیحون کے ابتدائی معاونوں میں سے ایک معاون ہے۔ لیکن یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ عربوں نے کبھی وَخش کا نام دریائے جیحون کے بڑے دھارے کے لئے بولا ہو۔ (۴۳۵)

دریائے جیحون کے سرچشمے جیسا کہ ابن رُستہ اور شروع زمانہ کے اور مصنفوں نے بالکل صحیح لکھا ہے، تبت خورد (التبّت) کی ایک جھیل اور کوہستان پامِر (فامر) کے اوپر سے شروع ہوتے تھے۔ اصطخری نے، جس کی عبارت کو بعد کے اکثر مصنفوں نے نقل کیا ہے، دریا جیحون کی ابتدائی گزرگاہ کے متعدد معاونوں میں سے چار معاون دریاؤں کے نام لکھے ہیں۔ ان میں سے اب ہر ایک دریا کو شناخت کرنا آسان نہیں۔ لیکن ذیل کے دریاؤں کا بالکل صاف پتہ چلتا ہے۔ بالائی دریائے اوکسس (جیحون) کے شروع کا بڑا دھارا نھر جریاب تھا، جسے آج کل پنج دریا کہتے ہیں۔ یہ مشرق کی طرف سے اُس ملک سے گزرتا ہوا جسے وَخّان کہتے ہیں بدَخشان پہنچتا تھا، اور اسی جریاب کو دریائے وَخّاب بھی کہتے تھے۔ دریائے جیحون کا بڑا دھارا سمت مشرق کے بلند کناروں سے نیچے اُتر کر علاقہ بدَخشان کے گرد ایک بڑا چکر کاٹتا ہے۔ اِس طرح کہ پہلے شمال کی طرف اور پھر مغرب کی سمت میں بہہ کر جنوب کا راستہ اختیار کرتا ہے، اور نواح خُلم کے نزدیک پہنچنے سے پہلے اُس کے بہاؤ کی یہی سمت رہتی ہے، اور پورے دور میں، جسے دائرے کا تین چوتھائی سمجھنا چاہیے اُس میں بہت سے بڑے بڑے معاون دریا اس کے دائیں کنارے سے شامل ہوتے ہیں ان معاونوں میں پہلا دریا اَندیجارَاغ ہے، اور جہاں یہ دریا جیحون سے ملتا ہے اس کے قریب اسی دریا کے نام کا ایک شہر اَندیجارَاغ آباد ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دریا وہی ہے جسے آج کل برتنگ کہتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا معاون دریا فارغر ہے

(جسے فرغار، فرغان، یا فرغی بھی لکھا جاتا ہے)۔ یہ سرزمین خُتّل سے بہتا ہوا دریائے جیحون میں ملا ہے، اور یقیناً وہی دریا ہے، جسے جس کا وَنج کہتے ہیں۔ اس کے بعد جیحون کے جنوبی راستہ میں ایک دریا آج کل نام اَخشَوا (یا اَخش) تھا، اُس میں آکر ملا تھا۔ یہ دریا حجم میں تقریباً جیحون کے برابر تھا۔ اسی دریا پر ھَلبُک آباد تھا، جو سرزمین خُتَّل کا صدر شہر تھا۔ اس دریا کے سرچشموں میں ایک دریا تھا جسے نھر بلبان یا بَربان کہتے تھے۔ آج کل ان دونوں دریاؤں کا ملا ہوا دھارا ترکی میں آق صُو (یعنی سفید دریا) کہلاتا ہے۔ بس یہی چار دریا ہیں جو شروع میں جیحون کے معاوِن ہوتے ہیں، اور جن کا نام اصطخری نے لیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان چاروں دریاؤں کا جن جن مقام پر جیحون سے اتصال ہوا تھا وہ سب اَرھَن سے پہلے آجاتے تھے۔ اَرھَن وہ مقام تھا جہاں سے جیحون کے بڑے دھارے کو عبور کیا جاتا تھا۔

معبر اَرھَن سے پہلے دریا کے چڑھاؤ کے رُخ، مگر بائیں کنارے سے، دریائے بَدَخشان، جسے آج کل گُکچہ کہتے ہیں، جیحون میں ملتا تھا۔ اس زمانہ میں اسے نھر خرغام کہتے تھے۔ اَرھَن سے آگے دریا کے بہاؤ کی طرف ایک مقام پر دائیں ہاتھ والا بڑا معاون یعنی وَخشاب دریائے جیحون میں شامل ہوتا تھا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اس دریائے وَخشاب کے نام پر یونانیوں نے اوکسس کا نام وضع کیا تھا۔ دریائے وَخش آب مشرق کی سرزمین خُتَّل اور وَخش کو مغرب کے علاقہ جات قُبَاَذِیان اور صغانیان سے جدا کرتا ہے وَخش آب کو آج کل سُرخاب (یعنی لال دریا) کہتے ہیں۔ دریائے جیحون جس مقام پر علاقہ بَدَخشان کے تین طرف چکر کاٹ کر آخر کار مغرب کی طرف بہنے لگتا ہے تو وہاں اس کے بائیں یا جنوبی کنارے طُخارِستان کے دو دریا، یعنی طائِقان اور قُندُز اس میں آکر ملتے تھے،

(۴۳۶)

اور جیساکہ گذشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے (صفحہ حاشیہ ۴۲۸) ابن رُستہ نے اِن دو دریاؤں کے نام نہر خَتّلاب اور نہر وَتراب لکھے ہیں۔ قُبا زِیان اور صَغَانیان کے دو دریا شمالی یا دائیں کنارے پر دریائے جیحون میں ملتے تھے۔ اِن دونوں کے منبع بُتَّم کے پہاڑوں میں تھے یہ پہاڑ شمال کی طرف دریائے جیحون کے طاس کو سُغد کے دریائے زَر اَفشان سے جدا کرتے ہیں۔ دریائے صَغَانیان، جو تِرمِذ کے پاس ہو کر بہتا ہے اس کا نام ابن رُستہ نے نہر زامِل لکھا ہے۔ یہ دریا جیحون کے آخری معاون تھے، کیونکہ بلخ کے مغرب میں کوئی دریا جیحون میں آکر شامل نہیں ہوتا، اور یہ دریا مغرب اور شمال مغرب کا راستہ پکڑے صحرا سے ہوتا ہوا سیدھا اپنے ڈیلٹا کی طرف جاتا ہے، جو بحیرہ ارل کے جنوب میں ہے[1]۔

بَدَخشان کا ملک طخارستان کے مشرق میں تھا، اور جیساکہ ہم دیکھ چکے ہیں، دریائے جیحون کے ابتدائی حصہ کے بڑے رُخ نے اُسے تین طرف گھیر رکھا تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ بدَخشان کا علاقہ نہایت معمور اور زرخیز تھا، اور اس میں تازگی اور شادابی بخشنے والے چشمے اور بے شمار تاکستان موجود تھے۔ اس علاقہ کا دارالحکومت بھی بدَخشان کہلاتا تھا۔ لیکن جیساکہ ابھی ذکر ہوا، بدَخشان کے دریا (موجودہ گکچہ) کو عرب نہر خِرغام کہتے تھے۔ شہر بدَخشان کی جا وقوع

[1] ابن رُستہ ص ۹۲، ۹۳ + ابن خُرداد بہ ص ۳۳ + ابوالفدا ص ۳۲۴ + اصطخری ص ۲۷۷، ۲۹۶ + ابن حوقل ص ۳۴۸ + مقدسی ص ۳۰۳۔ ابن سراپیون ص ۱۲۵ (a)، ۱۴۴ (b) + یاقوت ج ۲۔ ص ۱۷۱ + ج ۳۔ ص ۴۶۹ + قسز دینی (ج ۱۔ ص ۱۶۷) نے بجائے کے جریاب کے جرباب، اور (ج ۲۔ ص ۳۵۳) بجائے جریاب کے جرُیان لکھا ہے۔ دونوں کتابت کی غلطیاں ہیں +

کا نشان کسی سیاحت نامہ میں جو ہم تک پہنچا ہے بیان نہیں ہوا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ ملک کا اکثر حصہ انسان کے گزرنے کے لئے دشوار ہے قیاس غالب یہ ہے کہ شہر بدخشان اُس وادی میں آباد ہو کہ جہاں اِس ملک کا موجودہ دارالحکومت فیض آباد واقع ہے۔

بدخشان قیمتی پتھروں کی وجہ سے بہت پرانے وقتوں سے مشہور چلا آتا ہے۔ یہاں کا لال اور لاجورد، جو لازورد[1] کی کانوں سے نکلتا تھا، خاص طور پر شہرت رکھتا تھا۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ جہاں جواہرات کی کان تھی وہاں ایک قلعہ تھا، جسے ہارون رشید کی ملکہ زبیدہ نے تعمیر کرایا تھا۔ اِس کا نام بھی اُسی کے نام پر تھا۔ لعل و یاقوت و لاجورد کے علاوہ بدخشان کا بلّور اور حجر البازہر بھی مشہور تھا۔ یہاں ایک قسم کا ریشے دار لچک رکھنے والا پتھر ہوتا تھا جسے عرب حجر الفتیلہ کہتے تھے۔ اور اس کو فتیلے یا چراغ کی بتی کے کام میں لاتے تھے۔ کیونکہ اس کو آگ جلا نہیں سکتی تھی (۴۳۷) مقدسی لکھتا ہے کہ حجر الفتیلہ کے ریشے الگ کر کے اُسی سے دسترخوان بُنتے تھے، جب یہ دسترخوان چکنائی سے میلے ہوجاتے تھے تو ان کو اُجلا کرنے کے لئے صرف اتنا کرنا ہوتا تھا کہ کچھ دیر کے لئے انھیں تنور میں ڈال دیں، اس کے بعد وہ بالکل صاف اور ستھرے ہو جاتے تھے۔ اِسی طرح فتیلے اور چراغوں کی بتیاں، جو اس پتھر کے ریشوں کی بنائی جاتی تھیں، جب وہ تیل کے میل سے اَٹ جاتی تھیں تو جہاں ایک گھنٹے کے لئے ان کو آگ میں ڈال دیا اور پھر نکل کر بالکل نئی ہوجاتی تھیں آگ ان کو جلا کر راکھ نہ کر سکتی تھی۔

---

[1] لازورد یا لاژورد کان اور پتھر کا نام ہے۔ اور اسی سے انگریزی لفظ ایژیور (Azure) نکلا ہے۔

اس کے علاوہ مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں ایک قسم کا روشن پتھر ہوتا تھا، کہ اگر اُسے تاریک کمرے میں رکھ دیا جاتا تھا تو اُس کے قریب کی تمام چیزیں روشن ہوجاتی تھیں۔ یہ غالباً کسی قسم کا فاسفورس کا پتھر ہوگا۔

جو حالات اوپر بیان ہوئے ہیں اُن میں بہت سی باتوں کا اعادہ قزوینی نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اور بدخشان کے جواہر اور قیمتی پتھروں کا ذکر کیا ہے۔ وہاں ایک قسم کے سرخ پتھر کا حال لکھا ہے کہ وہ یاقوت کے شکل ہوتا تھا۔ قزوینی لکھتا ہے کہ اُس کے زمانہ میں عوام سمجھتے تھے کہ حجر الفتیلہ پرندوں کے پر ہیں جو متحجر ہوگئے ہیں۔ بلخش یا یاقوت کی بڑی کانیں شہر بمکان کے قریب تھیں۔ اسی شہر کے قریب و جوار میں چاندی کی کانیں بھی تھیں۔ ابوالفدا نے جرم کا بحیثیت ایک شہر کے ذکر کیا ہے، اور علی یزدی نے جرم کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بدخشان کے دریا کا نام تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں جب تیمور نے بدخشان پر حملہ کیا ہے تو اس علاقہ کا دارالحکومت کشم تھا، اور یہیں شاہ بدخشان رہا کرتا تھا۔ اس علاقہ کا ایک اور بڑا شہر کلاوقان تھا۔ لیکن ان مقامات کے حالات بیان نہیں ہوئے، اور ان کے موقعے غیر متعین ہیں۔

بدخشان کے مشرق میں، جیحون بالا کے کنارے وَخان واقع تھا، جہاں سے مشک آتا تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ وہ تبت (خورو) جانے والی سڑک پر تھا۔ یہ غیبہ مسلموں کے علاقہ تھے، اور اُن سے متصل وہ علاقے واقع تھے جنھیں اَلسَکینَہ اور کَرّان (یا کَرّام) کہتے تھے۔ ان سے آگے کشمیر کیطرف بلور کا ملک تھا، جہاں "بارش اور برف کی وجہ سے تین تین مہینے سورج نظر نہ آتا تھا"۔ چوتھی (دسویں) صدی میں

وخشان کی چاندی کی کانیں مشہور تھیں، اور اس کی ندیوں کی ریت میں سے سونا نکلتا تھا۔ بردہ فروشوں کے قافلے، غلاموں کو ساتھ لئے، وسط ایشیا کے چلے ہوئے اسی ملک سے گزر کر خراسان پہنچتے تھے، تاکہ غلاموں کو مغرب کے بازاروں میں فروخت کریں۔[۱]

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، جیحون کا سب سے بڑا معاون دریا وخشاب تھا، جو شمال سے آکر جیحون کے دائیں کنارے سے اس میں ملتا تھا، اور جو بڑا پہاڑی علاقہ دریائے وخشاب اور جیحون کے درمیان واقع تھا ختّل کہلاتا تھا۔ اس نام کا اطلاق مبہم طور سے ان ملکوں پر بھی ہوتا تھا جو غیر مسلموں کے تھے اور خراسان کے شرق اور شمال میں واقع تھے[۲]۔ ختّل میں وخش کا علاقہ بھی شامل تھا۔ یہ علاقہ ختّل کے شمالی حصوں میں واقع تھا، جہاں سے (دریائے) وخشاب نکلا تھا۔ اصطخری لکھتا ہے کہ یہ بہت زرخیز علاقہ تھا، اور یہاں کے عمدہ گھوڑے اور بار برداری کے جانور مشہور تھے۔ اس کی متعدد نہروں کے کنارے بہت سے بڑے بڑے (۴۳۸)

---

[۱] اصطخری ص ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۹۷ + ابن حوقل ص ۳۲۶، ۳۴۹ + مقدسی ص ۳۰۳ قزوینی ج ۲ ص ۳۰۳، ۲۲۵، ۲۲۸ + ابوالفداء ص ۴۷۲ + علی یزدی ج ۱ ص ۱۷۹ +

[۲] اس علاقہ کے نام میں بہت کچھ اختلاف ہے، کہیں سے خُتّل، اور کہیں خُتّلان اور خُتّلان لکھا گیا ہے۔ بہرکیف قزوینی (ج ۲ ص ۳۵۲) نے لکھا ہے کہ خُتّلان ترکوں کے ایک شہر کا نام تھا، جو دو پہاڑوں کے بیچ میں ایک تنگ گھاٹی میں واقع تھا۔ لیکن اس کے سوا اور کچھ اتا پتا نہیں لکھا۔ علی یزدی نے (ج ۱ ص ۲۶۴ وغیرہ) تیمور کی لڑائیوں کے تذکرے میں اس کا نام اکثر خُتّلان لکھا ہے خُتّل (یا جسقدر اس کی شکلیں ہوں)، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ لفظ ہیطل ہے، اور عربوں میں یہ نام اُس قوم کا تھا جو ساسانیوں اور بازنطینیوں کے زمانہ میں افثالوی (Ephthilites) (یا ہیفیطھن) کہلائی جاتی تھی۔

شہر تھے، جن کی غلے کی زمینوں اور ثمرستانوں میں اچھی فصلیں اُگتی تھیں۔

چوتھی (دسویں) صدی میں خُتّل کا دارالحکومت ہُلبُک تھا، جہاں سلطان رہا کرتا تھا، (یہ مقام غالباً موجودہ خلاب کے موضع کے قریب تھا)، لیکن مُنْک اور ھَلاوَرْد کے دو شہر ہُلبُک سے بڑے تھے۔ دوسرے بڑے شہر اَنْدِیجاراغ (اَنْدااجاراغ) اور فَرغان (یا فارغر) تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے ہی نام کے دریا کے کنارے آباد تھا۔ ان کے علاوہ تَملیات اور لاوَکَنْد کے شہر تھے۔ ان میں لاوکند وَخشاب کے کنارے سنگین پل سے آگے (موجودہ کرُگان تپّہ کے قریب) آباد تھا۔ مقدسی نے خُتّل کے دارالحکومت ہُلبُک کے متعلق لکھا ہے کہ اِس شہر کے وسط میں ایک جامع مسجد تھی، اور شہر دریائے اَخْشُوا کے کنارے واقع تھا، اور اسی دریا سے شہر کو پانی دستیاب ہوتا تھا۔ شہر اَنْدِیجاراغ جیحون کے کنارے کے قریب اُس جگہ تھا جہاں اسی نام کا ایک معاون دریا جیحون میں ملتا تھا۔ غالباً یہ شہر اسی موقع پر تھا جہاں آج کل قلعہ وَمَز ہے۔ صوبۂ خُتّل کا سب سے بڑا شہر مُنْک شہر ہُلبُک کے شمال اور تَملیات کے مشرق میں واقع تھا اور مقدسی کی تحریر کے مطابق وَخشاب کے کنارے ھَلاوَرْد کا شہر دارالحکومت یعنی ہُلبُک سے زیادہ خوشنما تھا۔ تَملیات کا شہر مُنْک اور وَخشاب کے سنگین پُل کے درمیان واقع تھا، اور غالباً یہ وہی مقام تھا جسے آج کل بَلجُوان کہتے ہیں بَلجُوان کا ذکر علی ایزدی نے بھی تیمور کی فوجی مہموں کے تذکرے میں کیا ہے۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۲۷۷، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۹۶، ۲۹۷ + ابن حوقل ص ۳۲۶،

وَخشاب پر قنطرۃ الحجارہ (پتھر کا پُل) اب تک موجود ہے۔ ابن رستہ، اصطخری، اور بعد کے زمانہ کے تمام مصنفوں نے لکھا ہے کہ یہ پُل وَخشاب پر اُس جگہ (۴۲۹)
تھا جہاں سے تملیات سے علاقۂ قُبادیان میں واشجرد جانے والی سڑک اِس دریا پر سے گزرتی تھی۔ اس پُل کے شمال میں وہ مُلک تھا جس کا نام ابن رُستہ نے بِلاَدُ الکُمیذ لکھا ہے۔ اِس سے آگے وَخشاب کے سرچشموں کے قریب رَشت کا علاقہ تھا۔ اصطخری کی تحریر کے مطابق یہ سنگین پُل دریائے وَخش پر ایسے مقام پر تھا جہاں دریا کا وہ گزرو بہت تنگ اور عمیق تھا۔ چونکہ دریا میں پانی زیادہ تھا اِس لئے بیان ہوا ہے کہ اِس کے تنگ راستوں میں پانی کا حجم اتنا بڑا ہوا تھا کہ کسی اور دریا میں کہیں یہ بات دیکھنے میں نہ آتی تھی۔ قزوینی اور دیگر مصنفوں نے بھی یہی لکھا ہے۔ علی یزدی نے بھی اِس پُل کا ذکر کیا ہے اور اُس کا فارسی اور ترکی نام یعنی پلِ سنگین اور تاش کوپُرک لکھا ہے۔ زمانہ حال کے سیاحوں نے بھی اِس مقام کی کیفیت لکھی ہے۔[۱]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ۱، ۳۲۷، ۳۴۸، ۳۴۹ + مقدسی ص ۲۹۰، ۲۹۱ + یاقوت ج ۲۔ ص ۴۰۲ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۸۳ +

[۱] ابن رُستہ ص ۹۲ + اصطخری ص ۲۷۹ + ابن حوقل ص ۳۴۸ + قزوینی ج ۲۔ ص ۳۵۳ علی یزدی ج ۱۔ ص ۸۳، ۵۲۴ + سرایچ، یول (Yule) کی عبارت وڈ (Wood) نے اپنی کتاب The Oxus ص LXXXIII میں نقل کی ہے۔ میف (Meyef) کا مضمون Geographical Society ۱۸۸۳ء ص ۶، ۲۲۸ + آج کل کہا جاتا ہے کہ پل سنگین صرف دس قدم لمبا ہے۔ دریا کے اِدھر اور اُدھر دو پہاڑ جھکے کھڑے ہیں۔ انہیں پہاڑوں کے دونوں سروں پرپاٹن

دریائے وَخش کے مغرب اور دریائے جیحون کے جنوب میں وہ علاقہ ہے جسے عرب صَغانیان کہتے تھے، اور جسے فارسی میں چغانیان لکھا جاتا ہے۔ اس علاقہ کے مشرقی حصہ کو بالخصوص قُباذِیان کہتے تھے۔ یہ نام اسی نام کے ایک شہر قُباذِیان سے چلا تھا۔ شہر قُباذیان اُس دریا کے کنارے آباد ہے جو دریائے وَخشاب کے مغرب میں پہلا دریا جیحون میں گرتا ہے۔ قُباذیان یا قُواذِیان کی نسبت ابن حوقل لکھتا ہے کہ وہ تِرمِذ سے چھوٹا شہر تھا، اور فَرز کے نام سے بھی مشہور تھا۔ یہاں کا اُناس (جھاڑ) جس سے سرخ رنگ بناتے ہیں، مشہور تھا، اور ہندوستان کو بھی جاتا تھا۔ دریائے قُباذِیان جس پر یہ شہر واقع تھا، بڑا لمبا دریا تھا، اور مقدسی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں بہت سے بڑے بڑے شہر تھے۔ ان میں سے ایک اَوْزَج یا اُوزَج جیحون کے شمالی کنارے پر تِرمِذ سے دریا کے چڑھاؤ کے رخ کچھ فاصلے سے اور دریا کے بائیں کنارے والے شہر رُباط ہِیلہ سے شمال میں غالباً اسی جگہ واقع تھا جہاں آج کل اَیْوَج واقع ہے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس علاقہ کا میوہ مشہور تھا۔

دریائے قُباذِیان کے بالائی حصہ پر، پُل سنگین کے مغرب میں دَانبجرد تھا، جس کے متعلق اصطخری لکھتا ہے کہ وسعت کے اعتبار سے وہ تقریباً تِرمِذ کے برابر تھا۔ دَانبجرد سے تھوڑی دور جنوب میں اوشومان یا اَلشُومان کا بڑا قلعہ تھا۔ (۲۲۰)

بقیہ حاشیہ صفحہ (گزشتہ) پل کو قائم کیا گیا ہے۔ دریا جو نیچے بہتا ہے، اس کا نام دسخوشا بہاہے، جس کے راستے کو اونچے اور سیدھے پہاڑوں نے ایسا تنگ کر دیا ہے کہ مشکل سے دس حدم چوڑا راستہ پانی کے بہنے کے لئے ملتا ہے اور پانی اس تنگ راستہ میں بڑے زور و شور سے بہتا ہے۔

شُومان کے گرد کے علاقہ میں وساور کی غرض سے زعفران کی کاشت بہت ہوتی تھی۔ مقدسی نے شُومان کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بہت ہی معمور و آباد مقام تھا، اور شہر اچھا بنا ہوا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں کے باشندے ہمیشہ اپنے سلطان سے باغی رہتے تھے، اور اُس کے زمانہ میں شُومان ترکوں کے مقابلہ کے لئے ایک سرحدی قلعہ تھا۔ علی یزدی نے تیمور کی فوجی مہموں کے تذکرے میں اس قلعہ کو حِصار شادمان یا محض حِصار یا حِصارک لکھا ہے آج کل بھی یہ حِصار ہی کہلاتا ہے[1]۔

صَغَانِیان غالباً وہی شہر ہے جسے آج کل سِرآسیا کہتے ہیں، جو دریائے صَغانِیان کے بالائی حصہ پر واقع ہے۔ دریائے صَغَانِیان کو نہر زَامِل بھی کہتے ہیں۔ اصطخری لکھتا ہے کہ صَغَانِیان چوتھی (دسویں) صدی میں تِرمِذ سے بڑا شہر تھا، گو تِرمِذ آبادی اور آسودگی کے لحاظ سے بڑھا ہوا تھا۔ صَغَانِیان کی حفاظت کے لئے ایک بڑا قُہُندِز یا قلعہ تھا، اور شہر دریا کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ مقدسی نے اِس شہر کو فلسطین کے شہر رَمْلَہ سے مشابہ بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ یہاں کے بازار میں ایک بڑی جامع مسجد تھی۔ قرب و جوار میں جنگلی پرندے بکثرت تھے، اور چھ ہزار گاؤں اِس علاقہ میں واقع تھے۔ روئی یہاں کی نہایت عمدہ ہوتی تھی، اور سلتی ملتی تھی۔ باسَنْدا کا چھوٹا سا شہر، جس میں ایک بڑا چوک اور

[1] اصطخری ص ۲۹۸ + ابن حوقل ص ۳۵۰ + مقدسی ص ۲۸۴، ۲۸۹، ۲۹۰ + یاقوت ج ۲-۸۸ + ج ۳ ص ۳۳۷ + ج ۴ ص ۱۹۲ + علی یزدی ج ۱ ص ۴۹، ۵۲، ۴۵۰، ۴۵۲، ۴۶۴ +

بہت سے باغ تھے، شہر صَغَانِیان سے دو مرحلوں کے فاصلے پر دریا کے چڑھاؤ کے رُخ کچھ دُور پہاڑوں میں واقع تھا۔ اِس سے نیچے اُتر کر صَغَانِیان اور تِرمِذ کے بیچوں بیچ دارزنجی کا شہر تھا۔ جہاں ابن حوقل لکھتا ہے کہ ایک بڑا رُباط تھا۔ یہاں عمدہ اونی کپڑے تیار ہوتے تھے۔ اور بازار میں ایک بڑی جامع مسجد تھی۔ پھر اِس کے جنوب میں دریائے زامِل سے قریب صَرمَنجی یا صَرمَنجان کا شہر تھا۔ اِس میں بھی ایک بڑا رُباط تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ مقام اِس وجہ سے مشہور تھا کہ یہاں کا حاکم ابوالحسن بن حَسن بابہ کی طرف سے ایک دینار روز کی روٹی محتاجوں کو تقسیم ہوا کرتی تھی۔

بہرکیف علاقۂ صَغَانِیان کا سب سے بڑا شہر تِرمِذ (الترمِذ) اُس مقام سے شمال میں جہاں بَلخ کی سڑک سیحون کو عبور کرتی تھی اور دریائے زامل کا اتصال جیحون سے ہوتا تھا، واقع تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اِس کی حفاظت کے لئے ایک بڑا قلعہ تھا، جہاں حاکم صوبہ رہا کرتا تھا۔ شہر کے گرد بڑی آبادی تھی۔ شہر کے اور پھر اِس باہر والی آبادی کے گرد ایک ایک فصیل تھی۔ کچی اینٹوں کی ایک جامع مسجد شہر کے بازار میں تھی، لیکن بازار کی اور عمارتیں پختہ اینٹوں کی تھیں شہر کی بڑی سڑکوں پر انھیں اینٹوں کا کھرنجا لگا ہوا تھا۔ تِرمِذ کا شہر ایسے مال تجارت کا بڑا انبار خانہ تھا جو شمال کی طرف سے خُراسان کو لایا جاتا تھا۔ شہر کے تین دروازے تھے، اور مقدسی لکھتا ہے کہ شہر خوب متحصن تھا۔ سنہ ۶۱۷ (۱۲۲۰ء) مغلوں کے جرگوں نے جنوب کی طرف خُراسان جاتے ہوئے شہر کو لوٹا۔ اِس کے بعد ابن بطوطہ جو آٹھویں (چودھویں) میں یہاں آیا تھا، لکھتا ہے کہ ایک نیا شہر پرانے شہر کے

(۴۴۱)

کھنڈروں سے دو میل شمال میں وسعت میں پرانے شہر کے برابر بسایا گیا، اور بہت جلد اس کے گرد باغ لگ گئے جن میں انگور اور بہی عمدہ پیدا ہوتی تھی۔

دریائے جیحون کے دائیں کنارے پر ترمذ سے کچھ آگے دریا کے بہاؤ کی طرف نَوِیدَاہ کا شہر تھا، اور یہیں سے جو مسافر بَلخ سے سیدھے سمرقند کو جاتے تھے دریا زامل عبور کرتے تھے۔ نَوِیدہ میں ایک جامع مسجد بالکل آبادی کے بیچ میں تھی، اور یہ شہر جیحون کے کنارے علاقۂ صَغانیان کا آخری شہر سمجھا جاتا تھا۔ ترمذ سے ایک مرحلہ شمال مغرب میں اس سڑک پر جو صوبۂ سُغد کے شہر کش اور نَخشَب کو جاتی تھی ھَاشِمجِرد کا شہر تھا اور چوتھی (دسویں) صدی میں یہ ایک بڑا مقام تھا۔ ھَاشِمجِرد سے دو مرحلے شمال میں سڑک اس مشہور درے میں سے گزرتی تھی جسے آہنی دروازہ (باب الحدید) کہتے تھے۔

اس مشہور پہاڑی درہ کا حال چین کے ایک سیاح نے لکھا ہے، جس کا نام ھیون تسانگ تھا۔ جو بدھ مت کا بڑا مبلغ تھا اور ۶۲۹ء میں اس نے ہندوستان کا سفر کیا تھا[1]۔ عرب جغرافیہ نویسوں کا بیان ہے کہ یہاں ایک بڑا شہر آباد تھا،

---

[1] ھیون تسانگ کے بیان کے لئے دیکھو مرایج، یول (Yule) کی عبارت جو وڈ (Wood) نے اپنی کتاب (The Oxus) ص LXIX پر نقل کی ہے۔ یہ چینی سیاح لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں "اس درے کو کواڑوں سے جن میں لوہے کے قبضے لگے ہوے تھے بند کیا جاتا تھا، اور کواڑوں میں بہت سی لوہے کی گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں۔" باب الحدید کے جو حالات بعد کے زمانہ میں لکھے گئے ہیں ان میں کواڑوں کا ذکر نہیں ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اصطخری کے زمانہ سے پہلے یہ کواڑ اتار لئے گئے تھے۔

جس کا نام یعقوبی نے مدینۃ باب الحدید لکھا ہے۔ اِس کا فارسی ترجمہ دَرِ آھنین بھی اُس نے لکھا ہے ۔ اصطخری ، ابن حوقل اور مقدسی تینوں نے باب الحدید کا نام لکھا ہے لیکن کسی قسم کی تفصیل نہیں کی ۔ فارسی میں در بند آھنین کے نام سے یہ مقام تیمور کے زمانہ میں مشہور ہوا اور علی یزدی نے اِس کا نام قہلغہ تو لکھا ہے لیکن اِس کا حال کچھ بیان نہیں کیا ۔ اِس مشہور درے میں سے ہسپانیہ کا سفیر کلیویجو (Clavijo) تیمور کے دربار میں ماہ اگست ۱۴۰۵ء میں حاضر ہوا تھا ۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ دروازہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے پہاڑ کو کاٹ ایسے بنایا ہے کہ درے کے دونوں پہلوؤں پر اونچے اونچے پہاڑ سیدھے کھڑے ہیں! درے میں سے جو راستہ نکلا ہے وہ ہموار ہے (لیکن دو طرف پہاڑوں کی وجہ سے) درہ بہت عمیق معلوم ہوتا ہے۔ درے کے وسط میں ایک گاؤں آتا ہے ، اور اس کی پشت پر ایک پہاڑ بہت ہی بلند ہے ۔ اس درے کو آہنی دروازہ کہتے ہیں ، اور اس تمام سلسلہ کوہ میں اِس کے سوا اور کوئی درہ نہیں ، اِس لئے ہندوستان کی سمت سے سمرقند کے علاقہ کی حفاظت کے لئے یہی ایک درہ ہے ۔ اِس درہ سے تیمور کو بہت آمدنی ہوتی تھی ، کیونکہ تمام سوداگر جو ہندوستان سے آتے ہیں ان کو اِسی درہ سے گزرنا پڑتا ہے"[1]

(۴۴۲)

[1] یعقوبی ص ۲۹۰ + اصطخری ص ۲۹۸ ، ۳۳۷ + ابن حوقل ص ۳۴۹ ، ۳۵۰ ، ۴۰۰ ، ۴۰۱ + مقدسی ص ۲۸۳ ، ۲۸۴ ، ۲۹۱ ، ۲۹۲ ، ۳۴۲ + ابن بطوطہ ج ۳ ، ص ۵۶ + علی یزدی ج ۱ - ص ۴۹ ، ۵۹ + ج ۲ - ص ۳۹۵ + کلیویجو کی Embassy ص ۱۲۲ + Geographical Magzine ص ۲۳۶ + دیکھو رسالہ مذکورہ بالا ۱۸۷۶ء ص ۳۲۸ ، جس میں میف (Mayef) ۱۸۷۵ء نے آہنی دروازہ کا حال لکھا ہے +

جیحون علاقہ صغانیان سے گزر کر ریگستان پر بہتا ہے۔
یہاں کوئی بڑا معاون دریا اُس میں شامل نہیں ہوتا حتےٰ کہ
وہ اپنے ڈلٹا میں پہنچ جاتا ہے، جو بحیرۂ ارل کے جنوبی ساحل
پر ہے۔ یہاں صوبۂ خوارزم واقع تھا جس کا ذکر آئندہ باب
میں کیا جائیگا۔ اس ریگستانی قطعے میں دریا کے دائیں اور بائیں
کنارے پر اکثر دو دو شہر آمنے سامنے ایسے مقامات پر واقع
ہوئے تھے، جہاں خراسان سے بلاد ترک کو جانے والی سڑکیں
جیحون کو عبور کرتی تھیں۔ یہاں خراسان کی طرف جو شہر تھے
ان میں سے اکثر کا حال گزشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے۔
دریا کے دائیں کنارے پر کالیف یا کیلیف کا شہر تھا (جو اب تک
موجود ہے)۔ زمانہ وسطےٰ میں اس شہر کی باہر کی آبادی خراسان
والے کنارے پر تھی، اور یہ آبادی اُس رباط کے گرد واقع ہوئی
تھی جو جسے رباط ذی الکفل کہتے تھے۔ اس حالت میں اس
زمانہ میں شہر کالیف جیحون کے دونوں کناروں پر آباد سمجھا
جاتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر مقدسی نے اسے بغداد اور
واسطہ سے مشابہ لکھا ہے۔ دریا کے شمالی کنارے کی طرف
وہ سرہنگ خانہ تھا، جس کا نام سکندر اعظم کے نام پر
رباط ذو القرنین تھا یاقوت لکھتا ہے کہ کالیف میں ایک عمدہ
قلعہ تھا، اور شہر کا فاصلہ بلخ سے اٹھارہ فرسنخ شمار ہوتا
تھا۔ وہ اُس سڑک پر واقع تھا جو بلخ سے صوبہ سغد کے
شہر نخشب کو گئی ہے۔ مستوفی نے کالیف کے قریب
ایک پہاڑی کا ذکر کیا ہے، جس کا دور آٹھ فرسنخ تھا۔ یہ
ساری پہاڑی سیاہ مٹی کی تھی، اور اُس کی چوٹی پر چشمے
اور عمدہ مرغزار تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی
میں کالیف ایک بڑا اور مستحکم و متحصن مقام تھا۔

(۴۴۳)

کالیف سے دریا کے بہاؤ کے رُخ (مغرب کی طرف)
شہر ترمذ کے بالمقابل، جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے (صفحہ حاشیہ ۴۴)
آخسیسک کا شہر واقع تھا، جہاں سے ایک بڑی سڑک نخشب
کو جاتی تھی۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ آخسیسک ایک چھوٹا سا
شہر تھا، اور یہاں کے لوگ نماز جمعہ کے لئے دریا اتر کر ترمذ
جایا کرتے تھے، کیونکہ خود اُن کے شہر میں جامع مسجد نہ تھی۔
شہر کے گرد کی زمینیں، جو چاروں طرف سے ریگستان سے گھری
ہوئی تھیں، نہایت ہی زرخیز تھیں، اور بھیڑوں اور اونٹوں کے
لئے چراگاہ عمدہ تھے۔ دریا کے بہاؤ رُخ اور زیادہ آگے بڑھ کر
جیحون کے دائیں کنارے کے قریب فِربر کا شہر آمُل یا
آمُویہ کے بالمقابل بخارا جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ اس کے
گرد بھی زرخیز علاقہ اور معمور گاؤں تھے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ فربر
دریائے جیحون کے دائیں کنارے سے ایک فرسخ تھا، اور اس
کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ اور بہت سے رُباط تھے۔ جامع مسجد
اُس دروازے کے قریب تھی جو بخارا کی سمت میں کھلتا تھا،
اور اسی دروازے کے باہر ایک مصلّے (نماز پڑھنے کی جگہ)،
اور کاروان سرائے تھی، جہاں سوداگر اُترا کرتے تھے۔ یہاں
مسافروں کی مہمان نوازی کی جاتی تھی، اور کھانا تقسیم کیا جاتا تھا
یہاں کے انگور مشہور تھے۔ فِربر کو قریۃ علی یا رُباط طاہر بن علی
بھی کہتے تھے[1]۔

فِربر اور آمُویہ کے بیچ میں گزرنے کے بعد جیحون
ایک سو چالیس میل تک ریگستان میں بہتا ہوا آخر کار ظاہریہ

[1] اصطخری ص ۲۹۸ + ابن حوقل ص ۳۴۹ ، ۳۵۰ ، ۳۶۳ + قدامہ ص ۲۰۳ +
مقدسی ص ۲۹۱ + یاقوت ج ۳ ص ۸۶۲ + ج ۴ ص ۲۲۶ + مستوفی ص ۱۸۹ +

پہنچ جاتا تھا۔ یہاں ڈلٹا کی مزروعہ اراضی شروع ہو جاتی تھیں
طاہریہ سے یہ بڑا دریا بحیرۂ ارل کی طرف چلتا تھا، اور تقریباً
تین سو میل تک متعدد نہریں آب پاشی کے لئے اس سے
نکلتی تھیں، جن سے وہ ملک جسے زمانۂ وسطے میں خوارزم
کہتے تھے سیراب ہوتا تھا۔ عربوں کی ابتدائی فتوحات کے زمانہ
سے جیحون ڈلٹا کی ان زمینوں میں اپنا رہ گزر اکثر تبدیل کرتا
رہا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں مغلوں کے حملے کے وقت
دریا کے آخری حصہ میں بڑے بڑے بندوں کے ٹوٹ جانے
سے ایک بڑی تبدیلی واقع ہوئی۔ جس کا ذکر آیندہ کیا جائیگا
شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے جو حالات لکھے ہیں
بہرکیف ان کو پیش نظر رکھ کر اس وقت بھی ممکن ہے کہ
چوتھی (دسویں) صدی کے صوبۂ خوارزم کا ایک نقشہ تیار کرلیا
جائے۔ ان حالات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس
زمانہ میں جیحون کے بہنے کا راستہ بحیرۂ ارل کے جنوبی ساحل
کے مردابوں تک صرف ایک تھا۔ اور اس میں کشتیاں چل
سکتی تھیں۔ بحیرۂ ارل کو بحیرہ خوارزم کہتے تھے۔

بحیرۂ ارل کی گہرائی بہت کم تھی، اور نرسل کے درخت
اس میں بکثرت تھے، ان ہی وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ (۴۴۲)
وہ کشتی رانی کے قابل نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس بحیرہ کے شمال
مشرقی ساحل پر سیحون اس میں آکر گرتا تھا۔ لیکن جیحون سے
سیحون تک کوئی تری کا راستہ آمد و رفت کے لئے نہ تھا۔
بحیرہ ارل کی مشرقی ساحل کی زمین جو جیحون و سیحون
کے دہانوں کے درمیان واقع تھی، وہ چوتھی (دسویں) صدی میں
اور اس کے بعد ترکمانان غز کا صحرا کہلاتی تھی۔ یہ نام ایسا
تھا کہ جو اکثر مشرقی ایران کے دشت ہا کے لئے بولا جاتا تھا

ابتدائی عرب جغرافیہ نویسوں کے نزدیک جیحون و سیحون میں جو بات سب سے عجیب و غریب تھی۔ وہ یہ تھی کہ یہ دونوں دریا جاڑے میں جم جاتے تھے، اور قافلے کے قافلے، جن میں بھاری سے بھاری لدے ہوئے مویشی بھی ہوتے تھے، دریا کی منجمد سطح پر سے گزر جاتے تھے۔ یہ جغرافیہ نویس لکھتے ہیں کہ موسم سرما میں دو سے پانچ مہینے تک اِن دونوں دریاؤں کی سطح منجمد رہتی تھی، اور سطح پر برف کی تہ پانچ ہاتھ بلکہ اِس سے بھی زیادہ حجم کی ہو جاتی تھی۔ قزوینی نے بیان کیا ہے کہ جاڑے کے موسم میں خوارزم کے لوگ دریا کی سطح پر کنویں بناتے تھے۔ کدالوں سے برف کو اتنا کھودتے چلے جاتے تھے کہ پانی کی سطح تک پہنچ جائیں۔ پھر اِن کنوؤں پر وہ اپنے مویشی کو پانی پلاتے تھے، اور یہیں سے بڑے بڑے گھڑوں میں پانی بھر کر لوگ گھروں کو لے جاتے تھے۔ اصطخری نے جبل جَغْراغز نام ایک پہاڑ کا ذکر کیا ہے، جو بحیرۂ ارل کے ساحل پر تھا، اور جس کے نیچے پانی سال بھر جما رہتا تھا۔

بحیرۂ ارل کے سواحل خصوصًا اِن کا جنوبی حصہ جو مُرادب خَلیجان کے قریب تھا جہاں جیحون ارل میں گرتا تھا، ماہی گیروں کے مشہور مقامات تھے۔ لیکن مرادب کے کنارے گاؤں تو کیا کوئی مکان تک نہ تھا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ڈلٹا میں جہاں تک جیحون بہتا ہوا گیا تھا اُس کے دائیں بائیں کناروں سے ہر قسم کی چھوٹی بڑی نہریں نکلی تھیں۔ اِن میں سے بہت سی ایسی تھیں جن میں کشتیاں چل سکتی تھیں۔ اور اِن نہروں کے پانی سے اور سب کام نکلنے کے بعد ڈلٹا کی زمینیں سیراب ہوتی تھیں خوارزم کے اکثر بڑے شہر اِن ہی نہروں میں سے کسی نہ کسی نہر کے کنارے تعمیر کیے گئے تھے، اور چونکہ جیحون

کا گزرگاہ ہمیشہ اپنی جگہ بدلتا رہتا تھا اس لئے یہ دریا ان شہروں کے حق میں ہمیشہ خطرہ کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ جیحون کا تمام آخری رہ گزر ایسا تھا جس میں کشتیاں چل سکتی نہیں۔ چنانچہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ گرمی کے مہینوں میں دریا کے بہاؤ کے رخ پر ترمذ سے اختتام دریا تک تمام فاصلہ آٹھ دن میں طے کیا جاسکتا تھا۔ دریا کے اس حصہ سے گیہوں اور جو کی بھری ہوئی کشتیاں آتی تھیں تاکہ ان کا مال خوارزم کے بازاروں میں فروخت کیا جائے۔ جاڑے میں برف کی وجہ سے دریائی سفر یا تو خطرناک ہو جاتا تھا یا بالکل ہی امکان سے خارج تھا۔ یاقوت نے اپنا حال لکھا ہے کہ جب ماہ شوال ۶۱۶ھ (دسمبر ۱۲۱۹ء) میں وہ مَرو سے جُرجانیہ جانے لگا تو تھوڑا سا سفر جیحون میں کشتی پر سوار ہو کر کرنا پڑا۔ اس سفر میں اس کا اور اس کے ساتھیوں کا سردی کی زیادتی اور دریا کے اچانک جم جانے سے یہ حال ہوا کہ مرنے کے قریب نوبت پہنچ گئی۔ بمشکل کشتی سے اتر کر کنارے پر چڑھ سکے۔ کنارے پر ہر طرف برف جما ہوا تھا۔ یاقوت جس گھوڑے پر سوار تھا وہ مر گیا، اور خود بھی بمشکل جان بچا کر اس مصیبت سے نکلا۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۳۰۳، ۳۰۴ + ابن حوقل ص ۳۵۳، ۳۵۴ + قزوینی ج ۱ ص ۳۵۳ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۵ + یاقوت ج ۱ ص ۱۹۱ +

باب سی و دوم

خوارِزم

صوبہ خوارزم۔ اس کے دارالحکومت: کاث اور جُرجانیہ۔ پرانا اور نیا شہر اُرگنج۔ خیوہ اور ھزار سپ۔ خوارزم کی نہریں: جیحون کے دائیں اور بائیں کنارے کے شہر۔ بحیرہ خزر کی طرف جیحون کا زیریں رہ گذر۔ خوارزم کی تجارت اور پیداوار۔

زمانۂ وسطےٰ کے اوائل میں صوبہ خوارزم کے دو دارالحکومت تھے۔ ان میں ایک جُرجانیہ یا اُرگنج جیحون کے مغربی یا ایرانی جانب، اور دوسرا کاث دریا کے مشرقی یا ترکی جانب واقع تھا۔ چوتھی (دسویں) میں کاث ہی صوبہ کا خاص دارالحکومت مانا جاتا تھا۔

شہر کاث اب تک موجود ہے۔ لیکن زمانۂ وسطےٰ کا بڑا شہر کاث غالباً موجودہ شہر کاث سے چند میل جنوب مشرق میں تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی کے اوائل میں کاث کا ایک حصہ جیحون کی طغیانی کی وجہ سے برباد ہوگیا تھا۔ جیحون کا پاٹ یہاں دو فرسخ کا تھا۔ شہر دریا کے دائیں کنارے سے کچھ دور ہٹا ہوا نہر جردور کے کنارے جو شہر میں سے گذرتی تھی آباد تھا اور شہر کے بازار نہر جردور کے کنارے تقریباً ایک میل تک چلے گئے تھے۔ اس پرانے زمانہ میں کاث میں

نقشہ ۱۰

بحیرۂ خوارزم

صحرائے غز

صوبہ جرجان

صوبہ خراسان

صوبہ سغد

دہستان

فراوہ

جرجان

اسفرائین

نسا

ابیورد
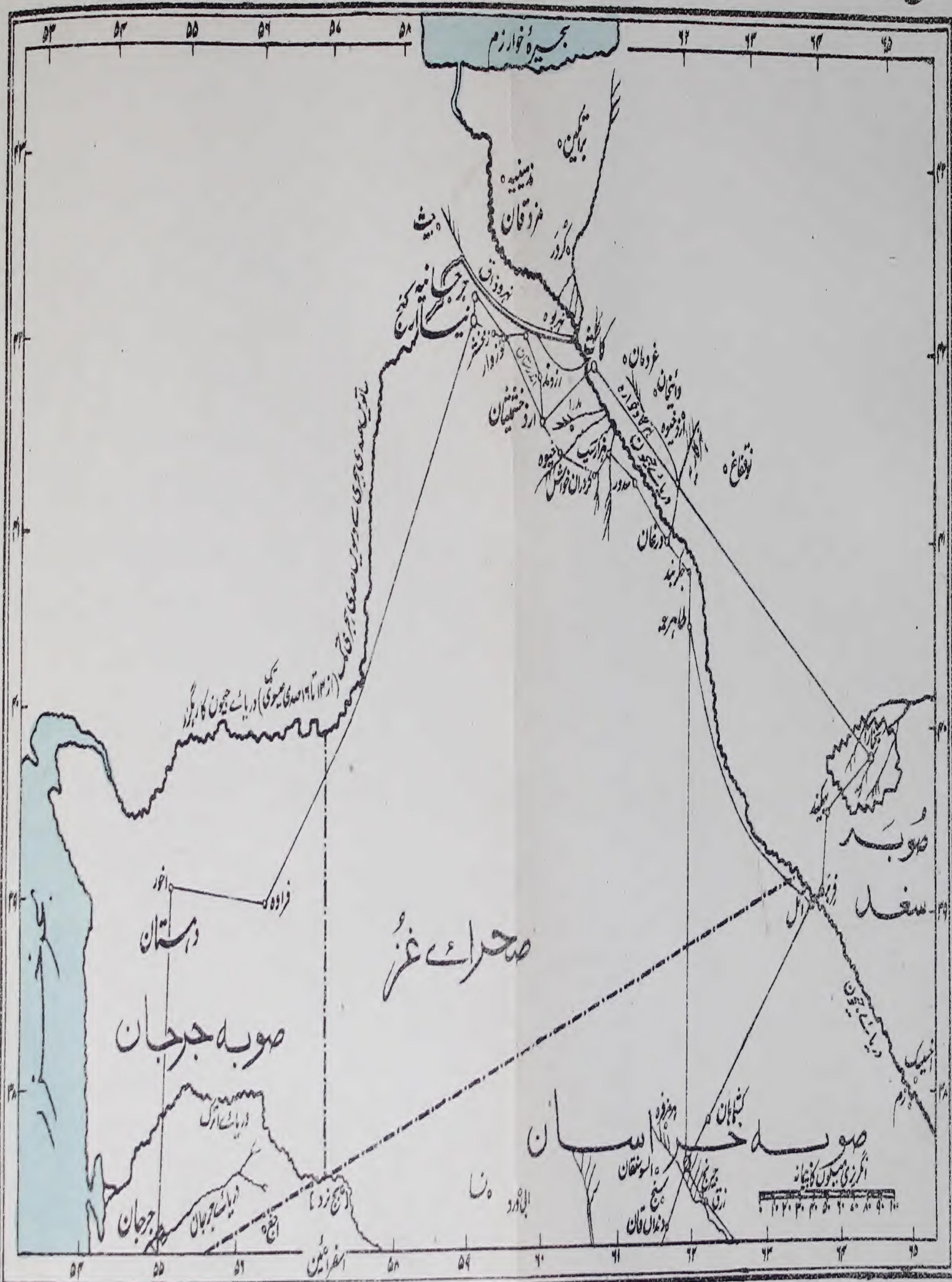
نقشہ صوبۂ خوارزم

ایک قلعہ (قہندِز) بھی تھا، جسے دریا کے سیلابوں نے بالکل برباد کردیا تھا۔ یہیں جامع مسجد، محبس اور اس دیس کے رئیس کا جسے خوارزم شاہ کہتے تھے، محل بھی تھا۔ بہر کیف جب ابن حوقل نے اپنی کتاب لکھی ہے تو شہر کا یہ تمام حصہ سیلابوں کی وجہ سے اس قابل نہ رہا تھا کہ لوگ وہاں آباد رہ سکتے۔ اس لئے یہاں سے مشرق کی طرف دریائے جیحوں سے اتنی دور کہ اس کی دستبرد سے حفاظت میں رہے ایک نیا شہر حال میں تعمیر کیا گیا تھا۔

مقدسی لکھتا ہے کہ اس نئے شہر کو اہل ایران شہرستان (یعنی دارالحکومت) کہتے تھے۔ اس مصنف کا بیان ہے کہ شہر وسعت میں تقریباً خراسان کے شہر نیشاپور کے برابر تھا۔ اس کے بازار میں جامع مسجد تھی، جس میں سنگ سیاہ کے ستونوں پر جن میں ہر ایک قد آدم اونچا تھا، چوبی ستون قائم کرکے ان پر چھت ڈالی گئی تھی۔ کاث کے نئے شہر میں صوبہ کے حاکم کا محل نیا تعمیر ہوا تھا اور قلعہ کو اسی تباہ حالت میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں شہر کے بازاروں میں سے گذرتی تھیں۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہ نہریں بے انتہا غلیظ رہتی تھیں، اور صوبۂ آذربائیجان کے شہر اردبیل سے بھی غلاظت میں بڑھی ہوئی تھیں۔ یہاں سڑکوں کو لوگ جائے ضرور سمجھتے تھے۔ مسجد میں جب نماز پڑھنے آتے تھے تو بعض وقت ان کے پیروں میں موریوں کی کیچڑ لگی ہوتی تھی۔ بہر کیف یہاں کے بازاروں میں خوب چہل پہل اور ہر قسم کے مال تجارت کی افراط تھی۔ شہر کے معمار عمارتیں بنانے میں بڑے ہوشیار اور ہنرمند تھے۔ باہر سے شہر شاندار نظر آتا تھا۔ بہر کیف معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی کے خاتمہ کے بعد شہر کاث بہت جلد دارالحکومت رہنے کی حیثیت سے محروم ہونے لگا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ جیحون کے غارت گر سیلاب اس کو بار بار

نقصان پہنچاتے تھے، اور ہمیشہ شہر کے کسی نہ کسی حصہ کو دفعتاً تباہ کرتے رہتے تھے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ کاث کی حیثیت صوبہ میں محض ایک دوسرے درجے کے شہر کی رہ گئی۔

ساتویں (تیرھویں) صدی کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کی یورش سے کاث کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابن بطوطہ، جس نے اس کا نام الکاث لکھا ہے، اُرگنج سے بخارا جاتے ہوئے اس شہر سے گذرا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا بارونق مقام تھا۔ یہاں ایک تالاب تھا۔ جب ابن بطوطہ یہاں آیا ہے تو سردی سے اس کا پانی جم گیا تھا، چنانچہ اس نے لکھا ہے کہ شہر کے لڑکے اِس تالاب کی سطح پر کھیلتے پھرتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور نے تقریباً تمام شہر کو بالکل غارت کردیا، لیکن بعد میں اِس کی شہر پناہ ازسرنو بنوادی۔ علی یزدی نے کاث کا اکثر ذکر کیا ہے کہ وہ اُس کے زمانہ میں بڑا مقام تھا۔[1]

خوارزم کا دوسرا دارالحکومت، جو شہر کاث کے زوال پر صوبہ کا بڑا شہر بنا، گُرگنج تھا، جسے عرب اَلجُرجانِیَہ کہتے تھے، اور جو بعد کو اُرگنج کے نام سے مشہور ہوا۔ اسلامی فتوحات کی تاریخوں میں ذکر ہوا ہے کہ ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں جب عربوں نے قتیبہ بن مسلم الباہلی کی سرکردگی میں خوارزم پر فوج کشی کی ہے تو اس کے دارالحکومت کا نام، جسے انہوں نے فتح کیا تھا، اُس وقت اَلفِیل (یعنی ہاتھی) تھا۔ فاتحوں نے اسے فوراً تبدیل کر کے منصورہ نام رکھا۔ منصورہ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ جیحون کے اُس پار

(۴۴۸)

[1] اصطخری ص ۳۰۰، ۳۰۱ + ابن حوقل ص ۳۵۱، ۳۵۲ + مقدسی ص ۲۸۷، ۲۸۸ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۲۰ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۲۳۶، ۲۶۳، ۴۴۹ +

اس مقام کے مقابل واقع تھا جہاں بعد کو شہر جُرجانیہ آباد ہوا۔ لیکن زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ جیحُون کے سیلاب نے منصُورہ کو تباہ کردیا۔ اور جُرجانیہ اب منصُورہ کا قائم مقام ہو گیا+

چوتھی (دسویں) صدی میں جب کاث صوبہ کا دارالحکومت تھا، تو جُرجانیہ دوسرے درجے کا شہر تھا، لیکن اُس زمانہ میں بھی وہ تجارت کا بڑا مرکز تھا، اور علاقہ غزّ اور خُراسان کے قافلوں کے ملنے کا مقام تھا، جو یہاں آکر مال تجارت کا تبادلہ کرتے تھے۔ جُرجانیہ ایک بڑی نہر سے، جس میں کشتیاں چل سکتی تھیں، مغرب کی طرف ایک تیر کے پلّے پر واقع تھا۔ یہ نہر دریائے جیحُون سے نکلتی تھی، اور تقریباً دریا کے متوازی بہتی تھی۔ اِس غرض سے کہ شہر کے مکانات کو سیلاب سے نقصان نہ پہنچے یہاں ایک بڑا بند باندھ دیا گیا تھا، اور اُس کے پہلو لکڑی کے لٹھے نصب کرکے خوب مستحکم کردئے گئے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر کے چار دروازے تھے، اور شہر روز بروز پھیلتا جاتا تھا۔ شہر کے باب الحجاج (حاجیوں والے دروازے) کے قریب ایک عالی شان محل تھا، جسے خلیفہ مامون الرشید عباسی نے بنوایا تھا۔ اِس محل کے سامنے خلیفہ کے فرزند علی کا بنایا ہوا ایک دوسرا محل تھا، اور ان دونوں کے بیچ میں ایک رملہ (کچے فرش کا چوک) شہر بخارا کے مشہور چوک "ریگستان" کی مانند تھا، جہاں بھیڑیں بکا کرتی تھیں۔ کاث کے زوال پر جُرجانیہ بہت جلد صوبہ کا اول درجہ کا شہر ہوکر آخرکار

---

۱ شہر فیل کے موقع کا تعین یقین کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ اس کا نام دارالضرب ہونے کی حیثیت سے اموی خلفاء کے سکوں پر ملتا ہے۔ چنانچہ اُس کی مثال میں ایک سکہ ہے جس پر ۹۰ سنہ (۷۰۹ء) ثبت ہے+ (مسلمانوں نے ۹۳ سنہ میں خوارزم پر پہلی مرتبہ فوج کشی کی تھی جیساکہ مصنف نے خود لکھا ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ ۹۰ سنہ میں فیل پر سکہ کس طرح مضروب ہوا۔ مترجم)+

تمام خوارزم کا دارالحکومت ہوگیا۔ بعد کے زمانہ میں بالعموم اس کا نام خوارزم لکھا گیا ہے، مگر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس نام سے ماقبل مدینہ کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے +

۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں، یعنی اُس زمانہ سے کچھ پہلے جب کہ چنگیز خاں کی ماتحتی میں مغلوں نے جرجانیہ کو غارت کیا ہے یاقوت اسی شہر میں (جس کا نام اُس نے گرگنج ہی لکھا ہے) مقیم تھا۔ اُس کا بیان ہے میں نے اپنی تمام عمر میں اِس سے بڑا، اور اِس سے زیادہ دولت مند اور خوشنما شہر نہیں دیکھا۔ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) یہ کل آسودگی تباہی سے بدل گئی۔ مغلوں نے نہر کے بند کاٹ دئے اور جیحون کا پانی ایک نئے رستے سے بہنا شروع ہوا۔ اِس نئے رستے کا ذکر ہم آگے لکھینگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام شہر پر پانی پھر گیا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ جب مغلوں کی فوجیں شہر کو چھوڑ کر چلی گئیں ہیں تو وہاں سوائے لاشوں اور مکانوں کی ٹوٹی ہوئی دیواروں کے اور کوئی اس عظیم الشان شہر کا نشان دینے والا نہ تھا۔ بہر کیف چند سال میں صوبہ خوارزم کا دارالحکومت اپنے کھنڈروں سے پھر زندہ ہوکر قریب ہی کے ایک مقام پر از سر نو تعمیر کیا گیا۔ یہ واقعہ ابن اثیر کی تحریر کے مطابق ۶۲۸ھ (۱۲۳۱ء) کا ہے، جب کہ خوارزم نو کی بنیاد خوارزم کلان کے قریب ڈالی گئی۔ مغلوں کے حملے سے قبل، یاقوت اور دیگر مصنفین کا بیان ہے کہ یہاں ایک شہر تھا جو گرگنج خورد کے نام سے مشہور تھا، اور ایران کے کچھ لوگ اُسے گرکانجک کہتے تھے۔ یہ گرکانجک دارالحکومت (یعنی گرگنج کلان) سے تین فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ پس قیاس غالب یہ ہے کہ اسی گرکانجک کا موقع خوارزم نو کی تعمیر کے لئے منتخب کیا گیا۔ (۴۴۹)

بہت جلد خوارزم نو اس صوبہ کا دارالحکومت بن گیا۔ اور آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی اور ابن بطوطہ دونوں نے

اِس کا ذکر کیا ہے۔ قزوینی، جس نے اپنی کتاب ساتویں (تیرہویں) صدی کے آخر میں لکھی تھی، بیان کرتا ہے کہ اُسکے زمانہ میں گرگنج نو کے لوہار اور بڑھئی اپنے پیشے میں بڑے نامور تھے۔ یہاں کے نقاش اور منبت کار بھی بڑی شہرت رکھتے تھے۔ یہ لوگ عاج اور آبنوس کے پیالے اور ظروف منبت کام کے اسی وضع کے بناتے تھے، جس وضع کے اصفہان کے قریب طرف کے لوگ تیار کرتے تھے +

یہاں کی عورتوں کی زردوزی کا کام بھی دور دور شہرت رکھتا تھا، اور یہاں کے درزی بھی بہت مشہور تھے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ خوارزم کے تربوز بے مثل ہوتے تھے۔ اِس کی تصدیق ابن بطوطہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے +

مستوفی لکھتا ہے کہ شہر کا نام جو عام طور پر لیا جاتا تھا وہ اُرگنج تھا، لیکن اُسے خوارزم نو بھی کہتے تھے۔ اُس کا بیان ہے کہ شہر پرانے اُرگنج سے دس فرسخ کے فاصلے پر تھا (غالباً فرسخ غلطی سے میل کی جگہ لکھ دیا ہے) + مستوفی کا ہم عصر ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ خوارزم (اُس نے شہر کا یہی نام لکھا ہے) ایک خوش گوار و خوش تعمیر شہر تھا۔ اِس کے بازار چوڑے تھے، اور آبادی بہت تھی۔ بازار کی عمارت، جو شکل میں کارواں سرائے معلوم ہوتی تھی، بڑی عالی شان تھی، اور اُسی کے قریب جامع مسجد اور جامع مسجد کا مدرسہ تھا۔ یہاں ایک عام شفاخانہ بھی تھا، اور جب ابن بطوطہ یہاں آیا ہے تو ایک شامی طبیب صہیون وہاں کا معالج تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام کے قریب اِس شہر خوارزم کو تیمور نے تین مہینے کے محاصرے کے بعد تقریباً بالکل برباد کردیا۔ یہ شہر کی دوسری تباہی تھی۔ بہرکیف اُس نے شہر کو دوبارہ تعمیر کرادیا، اور یہ کام ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) میں تکمیل کو پہنچا۔ گیارھویں (سترھویں) صدی کے اوائل میں خوارزم کا

شہزادہ ابوالغازی اسی شہر میں دربار کرتا تھا۔ اس شہزادے نے دریائے جیحون کے آخری حصہ کا جو کچھ حال لکھا ہے اس کو ہم آگے چل کر نقل کرینگے

اس شہزادے نے شہر کا نام بالعموم اُرگنج لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ وہ ایک عمدہ شہر تھا، اور اُس میں بہت سے عمدہ باغ تھے۔ لیکن اس زمانہ کے بعد خیوہ رفتہ رفتہ اُرگنج کا قائم مقام ہوگیا، اور صوبہ کا دارالحکومت بن گیا۔ شہر اُرگنج جو مغلوں کے حملے کے بعد تعمیر ہوا تھا، اُس کے کھنڈر آج کل کھنہ اُرگنج کہلاتے ہیں[1]+

تیمور کے عہد کے بعد سرداران اُزبگ کے زمانہ میں خیوہ نے رفتہ رفتہ اُرگنج کی شہرت کو ماند کردیا، اور وہ نہ صرف صوبہ کا دارالحکومت بنا، بلکہ آخرکار تمام صوبہ کا نام بھی اسی کے نام پر مشہور ہوگیا۔ چوتھی (دسویں) صدی کے عرب جغرافیہ نویسوں نے اس کا ذکر کئی موقعوں پر ایک چھوٹے سے شہر کی حیثیت سے کیا ہے

(۲۵۰)

[1] انتھونی جنکنسن (Anthony Jenkinson) ابوالغازی کے زمانہ سے نصف صدی قبل سنہ ۹۶۶ھ (۱۵۵۸ء) میں اُرگنس (Urgence) آیا تھا (اُس نے شہر کا یہی نام لکھا ہے)۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک عمدہ شہر تھا، اور اُس کی شہر پناہ کا دور "تخمیناً چار میل تھا" + ہکلیوٹ (Hakluyt) (Principal Navigations) (گلاسگو سنہ ۱۹۱۳ء) ج ۲ ص ۴۶۳ + بلاذری ص ۲۹۹، ۳۰۰ + ابن حوقل ص ۳۵۰، ۳۵۱ + مقدسی ص ۲۸۸ + یاقوت ج ۲ ص ۵۴ + ج ۰ ص ۹۴۳ + ج ۴۔ ص ۲۶۱ + ابوالفداء ص ۴۷۹ + ابن الاثیر ج ۱۲ ص ۲۵۷، ۳۲۳ + قزوینی ج ۲ ص ۳۴۹ + مستوفی ص ۱۹۷، ۲۳۴ + ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۳ - ۶ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۲۹۸، ۴۸۴ + جہان نما ص ۳۴۵ + ابوالغازی ص ۱۱۱ + Geographical Magzine (سنہ ۱۸۷۴ء) ص ۷۸ +

چنانچہ پہلے اس شہر کا نام خیوق لکھا جاتا تھا۔ اور یہی نام یاقوت کے زمانہ تک عام طور پر مروج رہا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ شہر خیوہ ریگستان کے کنارے واقع تھا۔ لیکن شہر کو ایک بڑی نہر سے پانی پہنچتا تھا، جو دریائے جیحون کے بائیں کنارے سے یہاں لائی گئی تھی۔ شہر میں ایک عمدہ چوک تھا، اور ایک جامع مسجد بھی تھی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں وہ ضرور ایک بڑا شہر ہو گیا ہوگا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ شہر کا تلفظ خیوق بھی کیا جاتا تھا۔ اس نے یہاں کے قلعہ کا ذکر کیا ہے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں یہاں کے تمام رہنے والے شافعی مذہب کے سُنّی تھے، اور صوبہ خوارزم کے باقی تمام باشندے حنفی المذہب تھے۔

اسی زمانہ میں خیوہ کا شہر حضرت شیخ نجم الدین الکبرائے کے مولد ہونے کی وجہ سے مشہور ہو چکا تھا۔ انہوں نے اُرگنج پر مغلوں کے حملے کے وقت دشمن کے مقابلہ میں بڑا حصہ لیا تھا۔ آخر وہ مغلوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور اُرگنج کے قریب ان کا مزار مرجع خاص و عام ہو گیا۔ یہ حال ابن بطوطہ نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں ان کی شہادت کے ایک صدی بعد لکھا ہے۔ علی یزدی نے خیوہ کا ذکر کیا ہے، اور یہاں کا ایک قصہ تیمور کی جوانی کا بھی لکھا ہے۔ تیمور کے زمانہ میں اس شہر کو خیوق لکھا جاتا تھا۔ اسی بادشاہ نے اس کی شہر پناہ دوبارہ تعمیر کرائی تھی۔ گیارھویں (سترھویں) صدی میں ابوالغازی نے خیوہ کا ذکر کیا ہے۔ اس شہزادہ کی حکومت جب اُرگنج میں نہ ہوتی تو وہ کبھی خیوہ میں اور کبھی کات (کاث) میں رہا کرتا تھا۔ ابوالغازی کے زمانہ سے لے کر موجودہ زمانہ تک یہ شہر برابر ترقی کرتا رہا، اور آج کل وہ صوبۂ خیوہ کا دارالحکومت ہے۔[1]

[1] مقدسی ص ۲۸۹ + یاقوت ج ۲ ص ۵۱۲ + قزوینی ج ۲ ص ۳۵۵ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۶ + علی یزدی ج ۱ ص ۲۶۲، ۴۴۹ + ابوالغازی ص ۱۱۲، ۲۹۴ +

ھزاراسپ خیوہ ہی کے عرض البلد میں ہے، لیکن جیحون کے بائیں کنارے سے بہ نسبت خیوہ کے وہ زیادہ نزدیک ہے۔ یہ ایک بڑا مقام ہے جس کا نام اسلامی فتوحات سے اب تک نہیں بدلا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی لکھتا ہے کہ ھزاراسپ وسعت میں خیوہ کے برابر تھا۔ شہر کے دروازے چوبی تھے۔ اور شہر کے گرد خندق تھی۔ یاقوت، جو ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں یہاں آیا تھا، لکھتا ہے کہ اُس کی فصیل اور دمدمے مستحکم تھے، اور شہر بہت متمول تھا۔ اس میں عمدہ بازار تھے۔ ھزاراسپ اپنی ہی نہروں کے پانی سے قریب قریب ہر طرف سے گھرا ہوا تھا۔ شہر تک پہنچنے کے لئے صرف ایک راستہ تھا۔ یہ راستہ اُس ہموار میدان میں سے جو جیحون کے کنارے سے پھیلا چلا آیا تھا، ایک بلند سنگین روش پر سے برابر گذرتا ہوا اُرگنج کی سمت سے شہر تک آیا تھا۔

(۳۵۱)

طاھریّہ، جہاں سے ڈلٹا کی زراعت شروع ہوتی تھی، اور ھزاراسپ کے درمیان نصف راہ پر جیحون کو بہت ہی تنگ راستہ سے گذرنا پڑتا تھا۔ اس مقام کو آج کل دِیوہ بَیُوْن، یعنی اونٹ کی گردن کہتے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے اونچے اونچے اور سیدھے پہاڑوں نے دریا کے رہ گزر کو اتنا تنگ کر دیا ہے کہ دریا کا عرض اُس کے معمولی پاٹ سے ایک تہائی رہ گیا ہے۔ اصطخری نے اس تنگ نائے کا نام اَبُوقُشّہ یا بُوقُشّہ لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ جیحون کے ملاح اس مقام سے بہت ڈرتے تھے، کیونکہ اس تنگ نائے سے نکلتے ہی ایک بڑا بھنور پڑتا تھا اور دریا ایک آبشار کی شکل اختیار کر کے آگے بڑھتا تھا۔ مستوفی جس نے اس مقام کا نام "تنگ دھان شیر" لکھا ہے، کہتا ہے کہ دریا کے کناروں پر آمنے سامنے جو پہاڑ تھے اُن میں بمشکل سو گز کا فصل ہوگا۔ یہاں دریا کے بائیں کنارے سے کچھ ایک رباط

(سرہنگ خانہ تھا +

طاہریہ اور ہزار اسپ کے درمیان جیحون کے بائیں کنارے کی طرف تین شہر تھے، جو زمانۂ وسطیٰ میں خاصے بڑے مقام سمجھے جاتے تھے۔ طاہریہ کے شمال میں دریا کے بہاؤ کے رُخ ایک مرحلہ کے فاصلہ سے بڑی سڑک پر جگربند واقع تھا۔ اس کے گرد باغ تھے، اور اس کی نہروں کے کنارے سرو درختی تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ اس کے بازار کے وسط میں ایک جامع مسجد تھی۔ جگربند سے ایک مرحلہ آگے شمال میں دریائے جیحون کی تنگ رہ گزر کے قریب شہر دَرغان تھا، جس کی نسبت مقدسی لکھتا ہے کہ یہ شہر وسعت میں تقریباً جرجانیہ کے برابر تھا۔ اس کی جامع مسجد میں جابجا قیمتی سنگ مرمر لگا کر عمارت کو زینت بخشی تھی۔ شہر عرض میں ہر سمت سے دو فرسخ تھا، اور اس کے گرد پانچ سو تاکستان تھے۔ درغان صوبۂ خوارزم کا سب سے پہلا شہر تھا جو مَرو سے آنے والی سڑک پر آتا تھا۔ یاقوت جو سنہ ۶۱۶ھ (سنہ ۱۲۱۹ء) میں یہاں آیا تھا، لکھتا ہے کہ شہر ایسی مرتفع زمین پر واقع ہے کہ معلوم ہوتا ہے کسی پہاڑی کے دامن پر تعمیر ہوا ہے، اور اس کے باغات اور مزروعہ زمینیں شہر کی آبادی اور کنار جیحون کے درمیان جو شہر سے دو میل تھا، پھیلی چلی گئیں تھیں۔ شہر کے عقب میں صحراء کے ریگزار بہت دور نہ تھے۔ درغان اور ہزار اسپ کے (۲۵۲) درمیان سدور دریا کے کنارے واقع تھا۔ یہ ایک مستحکم و متحصن شہر تھا۔ اس میں ایک جامع مسجد تھی، اور شہر کے باہر کی بستیاں اس کے گرد واقع ہوئی تھیں[1] +

---

[1] اصطخری ص ۳۰۳ + ابن حوقل ص ۳۵۴ + مقدسی ص ۲۸۸، ۲۸۹ + یاقوت ج ۲ ص ۵۶۷ + ج ۳ - ص ۹۱ + مستوفی ص ۱۹۸، ۲۱۳ +

صوبۂ خوارزم کی بڑی نہروں میں سے پہلی نہر جیحون کے شرقی کنارے پر اس مقام سے نکال گئی تھی جو دریا پار درغان کے سامنے پڑتا تھا۔ اس مقام کو گاؤخوارہ یا گاؤخوارہ کہتے تھے۔ اس نہر میں، جو چار گز گہری اور دس گز چوڑی تھی، کشتی چل سکتی تھی، اس شہر سے جہاں تک وہ اپنی سطح کے لحاظ سے پانی پہنچا سکتی تھی نہر کاث تک کی زمینیں سیراب ہوتی تھیں۔ اس کے نقطۂ ابتداء سے پانچ فرسخ آگے اس سے ایک چھوٹی سی نہر نکلتی تھی، جو کربہ کہلاتی تھی۔ اس نہر سے بہت سے علاقے سیراب ہوتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے جیحون کے اس شرقی کنارے کی طرف چار خاصے بڑے شہر باہم ایک ایک دن کے سفر سے کاث کے جنوبی زرخیز اضلاع میں واقع تھے۔ کاث سے سب سے زیادہ دور نوکفاغ کا شہر تھا۔ یہ نہروں کے بیچ میں ایک خوشنما مقام تھا، اور ریگستان کی سرحد بھی اس سے نزدیک تھی۔ کاث سے نزدیک ترین اَرذخیوہ کا شہر تھا۔ غالباً یہ وہی مقام تھا جس کا نام یاقوت نے حصن خیوہ لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ وہ دریا کے مغربی کنارے والے خیوہ سے پندرہ فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ اَرذخیوہ ایک قلعہ تھا، جو ایک پہاڑی کے پیچھے ریگستان کے کنارے واقع تھا، اور اس میں داخل ہونے کا صرف ایک دروازہ تھا۔ وائخان بھی ایک قلعہ تھا۔ اس کے گرد خندق تھی، اور دروازوں کے قریب منجنیق نصب تھے۔ یہ ارذخیوہ سے ایک منزل شمال میں واقع تھا۔ اس کے بعد غردمان آتا تھا، جو کاث سے ایک مرحلہ کے فاصلے پر تھا۔ یہ ایک متحصن و مستحکم مقام تھا۔ جس میں دو دروازے تھے، اور اس کے گرد پانی کی ایک بڑی خندق تھی۔ اس خندق کا عرض دو تیروں کے پلّے کے برابر تھا۔

جیحون کے مغربی یا بائیں کنارے سے متعدد نہریں نکالی گئیں تھیں۔ ان میں سے پہلی نہر وہ تھی جو ہزاراسپ کے پاس سے اس کے علاقوں کو سیراب کرنے کے لئے گذرتی تھی۔ اس نہر میں بھی، اگرچہ وہ نہر گاؤخوارہ سے آدھی تھی، کشتیاں چل سکتی تھیں۔ اس کے بہنے کا رخ جیحون کے برعکس تھا، اور خم کھا کر اس نے ایسی سمت اختیار کی تھی کہ اگر اسی سمت میں جاری رہتی تو آمل کے شہر کو پہنچ جاتی۔ ہزاراسپ سے دو فرسخ شمال میں نہر کردران خواش دریائے جیحون سے نکل کر شہر کردران خواش سے گزرتی تھی۔ یہ شہر ہزارسپ اور خیوہ کے درمیان نصف راہ پر واقع تھا۔ یہ نہر اس نہر سے بڑی تھی، جس سے ہزارسپ کو پانی دستیاب ہوتا تھا۔ شہر کردران خاش کے گرد (جیساکہ مقدسی نے اس کا نام لکھا ہے) ایک خندق تھی اور شہر کے دروازے میں لکڑی کے پھاٹک تھے۔ اس سے آگے اور شمال میں نہر خیوہ تھی جو اس اخیر نہر سے بھی بڑی تھی۔ نہر خیوہ ہی کے رستے دریائے جیحون سے کشتیاں خیوہ کو جاتی تھیں۔ چوتھی نہر، جو نہر خیوہ سے ایک میل شمال کی طرف بہتی تھی، نہر مدرا کہلاتی تھی۔ اس کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ جیحون کے مشرقی کنارے والی نہر گاؤخوارہ سے دوگنی تھی۔ نہر مدرا سے شہر مدرا اور اس کے قریب کے علاقہ کو پانی پہنچتا تھا۔ (۴۵۳)

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ صوبہ خوارزم کا مشرقی دارالحکومت کاث دریائے جیحون سے ہٹا ہوا ایک نہر پر واقع تھا، جسے جردور کہتے تھے، اور جس کو دریا کے بڑے دھارے سے نکال کر شہر کے جنوب میں کچھ دور تک لے گئے تھے۔ کاث سے دو فرسخ شمال میں، لیکن جیحون کے بائیں یا مغربی کنارے سے

وَدَاک (یا وَدَاک یا وَدَان) کی بڑی نہر نکلتی تھی۔ اس نہر میں صوبہ خوارزم کے مغربی دارالحکومت جُرجانیہ کے قریب تک کشتیاں چل سکتی تھیں۔ نہر وَدَاک کا نقطۂ آغاز نہر مدرا کے مقام ابتدا سے شمال میں تقریباً ایک میل کا فاصلہ رکھتا تھا۔ نہر وَدَاک کے آغاز سے کسی قدر اور شمال میں ایک دوسری نہر جیحون سے نکلتی تھی، جسے نہر بُوَہ (یا بُوَہ یا بُوَیہ) کہتے تھے یہ نہر آگے بڑھ کر شمال مغرب میں نہر وَدَاک سے مل جاتی تھی۔ یہ مقام اتصال اَنْدَرَسْتان کے گاؤں سے ایک تیر چلے پر تھا، اور جُرجانیہ سے اس گاؤں کا فاصلہ سمت جنوب میں تقریباً ایک دن کی راہ کا تھا۔ نہر وَدَاک نہر بُوَہ سے بڑی تھی، اور دونوں ایسی تھیں کہ جُرجانیہ تک ان میں کشتیاں چل سکتی تھیں۔ جُرجانیہ میں البتہ ایک بند کی وجہ سے شمال کی سمت میں کشتیوں کا راستہ مسدود ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہاں دریا کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے پشتے باندھ دیے گئے تھے، تاکہ شہر جُرجانیہ دریا کے سیلاب سے محفوظ رہے۔[۵]

خِیْوَہ سے شمال میں جو بڑی سڑک جُرجانیہ کو گئی تھی زمانہ وسطیٰ میں متعدد بڑے بڑے شہروں سے اس کا گذر ہوا تھا۔ مگر اب ان شہروں کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ خِیوَہ سے ایک دن کی راہ پر اَرْدَخُشْمِیْثَان یا دَاخُوثْمِیْثَان کا شہر تھا۔ یاقوت ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں یہاں رہا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک بڑا شہر تھا، اس کے بازار عمدہ تھے اور ان میں مال تجارت کی افراط تھی۔

۵؎ اصطخری ص ۳۰۱، ۳۰۲ + ابن حوقل ص ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۵ + مقدسی ص ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۲، ۲۹۳ + یاقوت ج ۲ ص ۵۱۲ + ج ۴ – ص ۲۳ –

اس کا بیان ہے کہ بلحاظ وسعت و آبادی اَرْدَخُشَمیثان بالائی
میسوپوٹیمیا کے شہر نصیبین سے بڑا تھا۔ مگر معلوم ایسا ہوتا ہے
کہ مغلوں کی یورش میں یہ شہر برباد ہوگیا۔ اِس کے شمال میں
دُوُن قَنْل تھا۔ مقدسی کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک
اوسط درجے کا شہر تھا، خوب مستحکم تھا، اور اس کے گرد ایک
خندق تھی۔ اس میں پانی کے چشمے نہایت عمدہ تھے۔ جامع مسجد
بازار میں تھی۔ اَنْدَرَسْتان کے گاؤں سے، جو نہر وَذَاک (۴۵۴)
اور نہر لُوثہ کے مقام انصال پر واقع تھا، جب گذر لیتے تھے تو
نُوزْوار کا شہر آتا تھا۔ یہ جُرجانیۃ سے جنوب میں ایک مرحلہ
تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ نوزوار ایک چھوٹا سا خوب مستحصن
شہر تھا۔ اس کے دو آہنی دروازے تھے، اور اس کے گرد
ایک خندق تھی۔ اس خندق پر پل تھے، جو کشتیوں پر ڈال
دئے گئے تھے، اور رات کے وقت اٹھائے جاتے تھے۔
شہر کے بازار میں جامع مسجد تھی، اور مغربی دروازے کے باہر
ایک عمدہ حمام تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی شہر ہے جسے
یاقوت نے نوزکاث لکھا ہے، جس کے معنی اُس نے "نیاکاث"
یا "نئی دیوار" بیان کئے ہیں۔ یاقوت جب اس شہر سے روانہ
ہوا ہے تو اس کے تھوڑی ہی مدت بعد مغلوں کی فوجوں نے
اسے بالکل غارت کردیا۔

زَمَخْشَر کا شہر نُوزوار اور جُرجانیۃ کے درمیان واقع
تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر کے دروازوں کے سامنے
بھی ایسے پل تھے جو اٹھائے جاسکتے تھے۔ یہاں ایک جامع
مسجد اور ایک مستحکم محبس تھا۔ شہر مستحصن تھا، اور آہنی دروازے
اور خندق رکھتا تھا۔ یاقوت نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں اس
مقام کو محض ایک گاؤں بتایا ہے۔ یہ شہر مشہور مفسر حضرت

جار اللہ زمخشری رحمتہ اللہ علیہ کے مولد ہونے کی وجہ سے مشہور ہوا۔ یہ بزرگ ۴۶۷ھ (۱۰۷۵ء) میں پیدا ہوئے، اور ۵۳۸ھ (۱۱۴۴ء) میں انہوں نے انتقال کیا۔ ابن بطوطہ جس نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں اِن کے مزار کی زیارت کی تھی، لکھتا ہے کہ زمخشر کا شہر اُرگنج نوسے چار میل تھا۔ اُرگنج سے شمال میں حضرت شیخ نجم الدین الکبرٰے کا مزار تھا، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر جرجانیہ سے پانچ فرسخ ریگستان کی سرحد پر بلند پہاڑوں کے نیچے دریائے جیحون کے مغرب میں جیت یا گیت کا شہر تھا، جس کا ذکر شروع زمانہ کے جغرافیہ نویسوں نے اکثر کیا ہے۔ یہ ایک بڑا شہر تھا، اور اس کے گرد اِس کے متعلق بکثرت زمینیں تھیں۔ شہر دریائے جیحون کے بائیں کنارے سے کسی قدر دور مذمینیہ کے بامقابل آباد تھا۔ مذمینیہ جیحون کے دائیں کنارے سے چار فرسخ کے فاصلے پر آباد تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیت کا محل وقوع وہی ہے جہاں بعد کے زمانہ میں وزیر (یا شہر وزیر) آباد ہوا۔ غالباً مغلوں کی یورش کے پرآشوب زمانہ اور تیمور کی لڑائیوں کے بعد شہر وزیر نے جیت کی جگہ لے لی۔ وزیر کا ذکر ابوالغازی نے اکثر کیا ہے، اور جہاں نما میں بھی اکثر اس کا نام آیا ہے۔ علاوہ ازیں معلوم ہوتا ہے کہ وزیر وہی مقام ہے جہاں انتھونی جنکنسن آیا تھا، اور اس نے اس شہر کا نام کسی قدر بدل کر سیلی زور یا شے سور (Sillizure or Shaysure) لکھ کر کیا ہے۔ یہ واقعہ دسویں (سولھویں) صدی کا ہے، جب کہ جنکنسن خوارزم میں سیاحت کر رہا تھا[۱]۔

[۱] اصطخری ص ۳۰۱ + ابن حوقل ص ۳۵۲ + مقدسی ص ۲۸۹ + یاقوت ج ۱۔ ص ۱۹۱ + ج ۲۔ ص ۹۴۰ + ج ۴۔ ص ۸۲۲ + ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۶ + ابوالغازی ص ۱۹۵ + ہلکیوٹ Principal Navigations ج ۲۔ ص ۴۶۱ +

دریائے جیحون کے دائیں کنارے سے شہر کاث سے چار فرسخ شمال میں چار نہریں نکلتی تھیں۔ ان میں سے پہلی نہر کچھ (۴۵۵) تھوڑی دور آگے بڑھ کر تین اور چھوٹی نہریں مل گئی تھیں۔ یہ چاروں نہریں جب مل کر ایک نہر ہوجاتی تھی تو اس نہر کا نام کُردَر ہو جاتا تھا۔ بیان ہوا ہے کہ ھٰاکُردَر جو نہر وَدَاک اور بُوَہ کے برابر تھی، قدیم زمانہ میں کوئی نہر نہ تھی، بلکہ دریائے جیحون کی ایک شاخ تھی، اور شمال مشرق کی سمت میں بہہ کر بحیرۂ ارل میں گرتی تھی۔ دریائے جیحون کے بڑے دھارے، اور نہر کُردَر کے درمیان جو دوآبہ بنتا تھا اس کو مَزداخگان (یا مَزداخقان) کا علاقہ کہتے تھے۔ اس علاقہ کو بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں جو دریائے جیحون کے دائیں کنارے سے نکلتی تھیں، سیراب کرتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس علاقہ میں بارہ ہزار گاؤں تھے، اور اس کا صدر مقام کُرَدَر تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہ ایک بڑا اور خوب مستحسن مقام تھا، اس کے گرد بہت سے گاؤں تھے اور مویشیوں کے لئے بڑے بڑے مرغزار تھے۔ کُردَر سے دو دن کی مسافت پر، صوبہ خوارزم کی شمالی سرحد پر قَریۂ براتکین (یا فراتگین) ایک بڑا موضع تھا۔ اس موضع کے قریب پتھر کی کان تھی۔ اس کان سے جو پتھر نکالا جاتا تھا وہی تمام صوبہ خوارزم میں عمارت کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں براتکین میں عمدہ بازار، اور ایک بنی ہوئی جامع مسجد تھی۔ اس مقام سے مغرب کی طرف، دریائے جیحون کے دائیں کنارے سے چار فرسخ، جیت کے بالمقابل شہر مَدھیمنیہ واقع تھا۔ اس شہر سے بحیرۂ ارل کے ساحل تک مزروعہ اراضی بالکل نہ تھیں، اور صرف مرداب اور نرسل کے درختوں سے بٹے ہوئے پانی کے قطعات دریائے جیحون کے دہانے پر واقع تھے[۱]۔

[۱] اصطخری ص ۲۹۹، ۳۰۲+ ابن حوقل ص ۳۵۰، ۳۵۳+ مقدسی ص ۲۸۸+ یاقوت ج ۴ ص ۲۵۶۔+

چوتھی صدی قبل مسیح میں جب اسکندر اعظم نے مغربی ایشیا میں فتوحات حاصل کیں تو دریائے اوکسس (جیحون) کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ بحیرہ کاسپین (خزر) میں گرتا ہے۔ بحیرۂ ارل سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانی جغرافیہ نویس بالکل واقف ہی نہ تھے۔ یہ امر کہ جیحون نے اپنا راستہ بحیرۂ کاسپین (خزر) سے بحیرہ ارل کو کب تبدیل کیا مطلق معلوم نہیں۔ لیکن بحیرۂ خزر کی طرف جیحون کا پرانا رہ گزر اب تک موجود ہے، گو جیحون کے مثل جیحون بھی آج کل بحیرۂ ارل میں گرتا ہے۔ بلکہ یہ پرانا رہ گزر ہمارے نقشوں میں بھی دکھایا جاتا ہے، اور حال میں اس کے متعلق بہت کچھ تحقیقات بھی ہوئی ہے۔ عرب کے جغرافیہ نویس جو زمانۂ وسطیٰ کے ابتدائی دور یعنی چوتھی (دسویں) صدی کے لوگ ہیں جیحون کا رہ گزر وہی بتاتے ہیں جو زمانۂ حال میں اس دریا کا ہے۔ لیکن مقدسی نے اس پرانے رہ گزر کا حال بھی لکھا ہے جس سے دریا بحیرۂ خزر میں گرتا تھا۔ مقدسی کا بیان ہے کہ زمانہ سابق میں جیحون کا بڑا پاٹ ایک مقام سے گذرتا تھا جو خراسان کے شہر نسا کے مقابل واقع تھا، اور جس کا نام بلغان (یا ابوالخان) تھا۔ مقدسی کے زمانے کے تقریباً ڈھائی سو برس بعد یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ جیحون نے پھر اپنا سابقہ رہ گزر بحیرۂ خزر والا اختیار کر لیا۔ یہ واقعہ ہم کو اسی زمانہ کی ایرانی مصنفوں کی تحریر سے، دریافت ہوتا ہے۔ پس سمجھنا چاہئے کہ اس امر کی ناقابل تردید شہادت موجود ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی کے ابتدائی حصہ سے لے کر دسویں (سولھویں) صدی کے تقریباً نصف اختتام تک جیحون کا بڑا پاٹ (سوائے اس تھوڑے سے پانی کے جو نہروں کے ذریعہ بہہ کر اس وقت بحیرۂ ارل میں گر جاتا تھا) بحیرۂ خزر کا وہی راستہ اختیار کرتا تھا، جو اسکندر اعظم کے زمانہ میں

(۴۵۶)

بیان ہوا تھا۔ گو یہ صحیح ہے کہ آج کل بلکہ دسویں (سولھویں) صدی سے لے کر اب تک دریا نے یہ رہ گزر متروک کر رکھا ہے، اور اِس کا اکثر حصہ خشک پڑا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ابن الاثیر کی تاریخ میں بیان ہوا ہے کہ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں مغلوں کی فوجوں نے اُرگنج کا محاصرہ پانچ مہینے تک جاری رکھا اور آخر کار شہر پر قبضہ کرنے کے لئے دریائے جیحون کے دونوں کناروں کے پشتے کاٹ دیے۔ اور اب دریا اور اُس کی نہروں کے پانی نے، جو اِس سے پہلے مختلف رستوں سے شہر کے مشرق کی طرف بہتا ہوا نکل جاتا تھا، اُرگنج کو بالکل تباہ کر دیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ (شہر ہی نہیں بلکہ) کل علاقہ غرقاب ہو گیا۔ تھوڑی مدت بعد جس قدر زائد پانی تھا اُس نے جنوب مغرب کی سمت میں اپنا راستہ نکالا اور جیحون کے رہ گزر میں (جو خشک پڑا تھا) پھر پانی آگیا، اور دریا نشیب کا راستہ نکال کر بحیرۂ خزر کی طرف بہتا ہوا منقشلاغ پہنچا۔ یاقوت جس کے زمانہ میں یہ واقعات پیش آئے منقشلاغ کی نسبت لکھتا ہے کہ بحیرۂ طبرستان (یعنی بحیرۂ خزر) کے ساحل پر ایک مستحکم و متحصن قلعہ تھا، اور دریائے جیحون اسی بحیرہ میں گرتا تھا۔ یاقوت کے اِس بیان کی تصدیق آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی کے بیانات سے بھی ہوتی ہے جو اتفاقاً اُس کی کتاب میں آ گئے ہیں۔ دریائے جیحون کے گذرگاہ کے ذکر میں مستوفی لکھتا ہے کہ گو دریا کا تھوڑا سا پانی دائیں کنارے کی نہروں سے اب بھی بحیرۂ ارل میں چلا جاتا ہے لیکن دریا کا بڑا دھارا اُرگنج قدیم کے پاس سے گذر کر اُس مقام کی طرف چل پڑتا تھا جسے عقبۂ حلم کہتے تھے۔ یہاں دریا کا پاٹ اونچے مقام سے نیچے گرتا ہے اور اِس کا شور دو دو فرسنگ تک

سنائی دیتا ہے۔ عَقَبۂ حَلَم سے آگے ایک مقام پر جسے خَلْخَال کہتے تھے، اور جو عَقَبۂ حَلَم سے تین دن کی راہ پر تھا، دریائے جیحون بحیرۂ خزر میں گر جاتا تھا۔ خَلْخَال ماہی گیری کا مقام تھا۔

عَقَبۂ حَلَم (یعنی حلم کی پہاڑی) کے موقع کو مستوفی نے اپنے سیاحت نامہ میں بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ ترک اس مقام کو کُرلاوہ (یا کُرلادی) کہتے تھے۔ حَلَم کا شہر اُدگنج قدیم اور اُدگنج نو کے درمیان واقع تھا، اور اُدگنج نو، اُدگنج قدیم کے (۴۵۷) بعد آباد ہوا تھا۔ اُدگنج قدیم کو مغلوں نے ساتویں (تیرھویں) صدی میں برباد کیا تھا۔ بحیرۂ خزر کے بیان میں مستوفی جزیرۂ آبسکون (صفحہ حاشیہ ۳۷۹) کی بندرگاہ کے حال میں لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہ جزیرہ سمندر میں غرق ہو گیا تھا، "کیونکہ دریائے جیحون نے جو پہلے یاجوج ماجوج کے ملک کے سامنے مشرقی بحیرہ (یعنی بحیرۂ ارال) میں گرتا تھا، مغلوں کی یورش کے زمانہ سے اپنا راستہ بدل دیا ہے اور اب وہ بحیرۂ خزر میں گرتا ہے، اور چونکہ اس بحیرہ کے پانی کے لئے باہر نکلنے کو کوئی راستہ نہ تھا اس لئے دریائے جیحون کے شامل ہونے سے پانی کی سطح بلند ہوئی اور خشک زمین کا یہ ٹکڑا (یعنی جزیرہ آبسکون) سمندر میں ڈوب گیا۔"

مذکورہ بالا تمام بیان کی تصدیق حافظ ابرو کی تحریر سے ہوتی ہے، جس نے ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں دریائے جیحون کا حال لکھا ہے۔ یہ مصنف تیمور کے فرزند اور جانشین شاہ رُخ کی سرکار میں ملازم تھا، اور یقیناً ذاتی علم کی بنا پر وہ اس نواح کی جغرافیہ سے بخوبی واقف ہوگا۔ اپنی کتاب کے دو مختلف مقامات پر وہ لکھتا ہے کہ سال متذکرہ صدر میں دریائے جیحون نے جو پہلے بحیرۂ خوارزم (یعنی ارال) میں گرتا تھا اپنا راستہ تبدیل

کردیا ہے، اور کَبَرالاَوُدْ سے ہوکر، جسے اَقْرَنْجَہْ بھی کہتے تھے، وہ بحیرۂ خزر میں گرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بحیرۂ ارل اُس کے زمانہ میں کچھ نہ رہا تھا۔ مزید براں روگانز النیر دی کلیو بجو (Ruy Gonzalez de Clavijo) نے، جو ہسپانوی سفیر ہونے کی حیثیت سے ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں، یعنی چند سال پیشتر اس سے کہ حافظ ابرو یہ حالات قلمبند کرے اس علاقہ میں آیا تھا، حافظ ابرو کے بیان کی تصدیق اپنی اس عبارت سے کی ہے کہ "دریائے جیحون بحیرۂ باکو میں گرتا ہے"۔ بحیرۂ باکو سے مراد بحیرۂ خزر ہی ہو سکتی ہے۔ مگر یہ ماننا پڑے گا کلیو بجو نے یہاں سنی سنائی بات لکھی ہے۔

اس کی وجہ کہ دریائے جیحون کے کیوں اپنا پہلا راستہ چھوڑ کر بحیرۂ ارل میں گرنا شروع کیا بالکل معلوم نہیں! لیکن یہ تبدیلی یقیناً دسویں (سولھویں) صدی کے اختتام سے پہلے واقع ہوئی ہوگی، کیونکہ ابوالغازی جو اُرگنج کا رہنے والا تھا، اس کا ذکر ایسے الفاظ میں کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۸۴ھ (۱۵۷۶ء) میں، ابوالغازی کی پیدائش سے تیس برس قبل، دریائے جیحون بحیرۂ ارل کا راستہ قطعی اختیار کرچکا تھا، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ دریائے جیحون نے اس زمانہ یعنی ۹۸۴ھ (۱۵۷۶ء) ہی میں اپنا نیا راستہ نکالا تھا، اور خستت مَنارہ تپی سے کچھ آگے نکل کر خم کھاکر وہ سیدھا بحیرۂ ارل کی طرف جاتا تھا۔ رہ گزر کی تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ شہر اُرگنج اور بحیرۂ خزر کے درمیان کی تمام زمینیں پانی کی کمی کی وجہ سے بالکل خشک بیابان ہو گئیں۔ ابوالغازی اپنی کتاب کے ایک اور موقع پر جہاں گذشتہ زمانہ کے واقعات لکھتا ہے وہاں ۹۲۰ھ سے ۹۳۷ھ (۱۵۱۴-۱۵۳۱ء) تک کے حالات میں لکھتا ہے

اُرگنج سے بحیرۂ خزر کے کنارے کے شہر ابوالخان
تک دریائے جیحون جس راستہ سے گذرا تھا اس کے
کنارے مزروعہ زمینوں اور نخلستانوں کا ایک سلسلہ
برابر چلا گیا تھا، اور یہی راستہ دریا کے رہ گزر کا آخری
حصہ تھا۔ بہرکیف ابوالغازی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے
دریا کے راستہ کی تبدیلی کو اصل واقعہ سے بہت بعد کا بتایا ہے، کیونکہ
۹۶۶ھ (۱۵۵۸ء) میں جب انتھونی جنکنس Anthony Jenkinson
روس ہوتا ہوا خیوہ پہنچا ہے تو اُس وقت لکھتا ہے کہ دریائے جیحون
مثل سابق اب بحیرۂ خزر میں نہیں گرتا"۔ کیونکہ اُس نے اس عظیم الشان
دریا کو دیکھا تو اُس کو بحیرۂ ارل میں گرتے دیکھا[ل]+ (۴۵۸)
خوارزم کی بڑی پیداوار، سامان خورد و نوش، غلہ اور میوہ تھا۔

ل مقدسی ص ۲۸۵ + یاقوت ج ۲- ص ۴۷۰ + مستوفی ص ۱۹۷، ۲۱۳، ۲۲۵ +
جہاں نما ص ۳۶۰ + حافظ ابرو ص ۲۷ (b)، ۳۲ (b) + ابوالغازی ص ۲۰۷، ۲۹۱ +
کلیوبجو کی Embassy ص ۱۱۸ + ہیکلوٹ Principal Navigations
ج ۲- ص ۴۶۱، ۴۶۲ (Voyage of Anthony Genkinson) +
پروفیسر ڈی، خوبہ نے اپنی کتاب (Das alte Bett des Oxus) (لیڈن ۱۸۷۵ء)
میں ایرانی مصنفوں کے بیانات کو غیر معتبر ثابت کرنے کی کوشش کی
ہے، اور اُس کا خیال ہے کہ زمانۂ وسطیٰ کے تمام دور میں دریائے
جیحون آج کل کی طرح بحیرۂ ارل ہی میں گرتا تھا۔ لیکن اس امر کے متعلق
جو شہادتیں دستیاب ہوتی ہیں کہ دریائے جیحون کے پانی کا کم از کم ایک
حصہ تقریباً تین صدی تک ضرور بحیرۂ خزر کی طرف کا پرانا راستہ اختیار
کرتا تھا، اُن شہادتوں توڑنا ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی یاد
رکھنا چاہئے کہ سر ایچ، سی، رالنسن (Rawlinson) جس نے
اس مسئلہ پر ایک عملی جغرافیہ داں ہونے کی حیثیت سے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

صوبہ کی زمین نہایت زرخیز تھی، اور اس میں روئی کی فصلیں اچھی اٹھتی تھیں۔ بھیڑوں کے گلوں سے اون بہت حاصل ہوتا تھا۔ بحیرۂ ادل کے پاس کی مردابی زمینوں میں مویشیوں کے بڑے بڑے گلّے پلتے تھے، اور مختلف قسم کا پنیر اور دہی باہر بھیجا جاتا تھا۔ جُرجانیہ کے بازار طرح طرح کی قیمتی پوستینوں اور سمور کی وجہ سے مشہور تھے۔ یہ چیزیں دریائے والگا کے ملک بُلغار سے لائی جاتی تھیں، اور ان کی ایک بڑی فہرست مقدسی اور مقدسی کے علاوہ دوسرے مصنفوں نے نقل کی ہے۔ اس میں حسب ذیل چیزیں بیان ہوئی ہیں:- دَلَک، سیاہ دَلَک، سمور ثعلب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱۲) غور کیا تھا، اور جو عرب اور ایرانی مصنفوں کی اصلی کتابوں سے واقف تھا وہ ہمیشہ یہی رائے ظاہر کرتا رہا کہ چند صدیوں تک دریائے جیحون بلا شبہ بحیرۂ خزر میں گرتا رہا ہے۔ یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ مسلمان جغرافیہ نویسوں نے بحیرۂ خزر اور بحیرۂ ادل کے بہت سے مختلف نام لکھے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے اس مضمون میں اور بھی خلط مبحث پیدا ہو جاتا ہے۔ بحیرۂ کاسپین کو یہ لوگ بالعموم بحیرۂ خزر کہتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اس بحیرۂ کے دور کے ساحلوں پر قوم خزر کے قبیلے آباد تھے۔ لیکن علاوہ اس نام کے چند مختلف اور مشہور صوبوں اور علاقوں کے نام پر جو اس بحیرہ کے ساحلوں پر تھے، ان مسلمان جغرافیہ نویسوں نے اس بحیرہ کا نام بحیرۂ طبرستان، بحیرۂ مازندران، بحیرۂ آبسکون، یا بحیرۂ جُرجان بھی لکھا ہے، اور بعض وقت غلطی سے بحیرۂ قلزم بھی لکھ دیا ہے، حالانکہ اس سے صحیح مراد وہی سمندر ہے جسے (انگریزی میں) ریڈسی (Red Sea) کہتے ہیں بحیرۂ ادل کا نام بالعموم

دو قسم کی عود بلاؤ کی کھالیں، اور ان کے علاوہ قاقم یعنی گلہری کی کھال، اور دو قسم کے خز، یعنی نیولوں کی کھالیں۔ قاقم اور خز کی صدریاں اور نیمے بنائے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ خرگوش اور بکرے کی رنگی ہوئی کھالیں اور جنگلی گدھوں کی کھالیں بھی جرجانیہ کے بازاروں میں دستیاب ہوتی تھیں۔

(۴۵۹) صوبہ کی قدرتی پیداوار اور مصنوعات میں موم، توز کے درخت کی چھال، جو ڈھالوں پر لگائی جاتی تھی، مچھلی کا سریش، مچھلی کی ہڈیاں، عنبر، چوب خلنج، شہد، اخروٹ، تلواریں، جوشن یا چار آئینہ اور کمانیں تھیں۔ خوارزم کے باز اور شکرے مشہور تھے۔ انگور، منقی، اور تل کی کاشت یہاں بہت ہوتی تھی۔ یہاں کے کارگاہوں میں قالین، پوستینیں، سوت اور ریشم کی ملی ہوئی زربفت بنی جاتی تھی۔ سوتی اور ریشمی دونوں قسم کے کپڑے، لبادے، چغے اور نقاب، اور مختلف قسم کے رنگین کپڑے دساور کئے جاتے تھے۔ صوبہ کے شہروں میں لوہار قفل بھی عمدہ تیار کرتے تھے۔ یہاں کے لوگ درخت کے تنے کو کھوکھلا کرکے اس کی کشتی بناتے تھے، اور یہ کشتیاں یہاں کی متعدد نہروں میں چلانے کے لئے تیار کی جاتی تھیں۔ بہرکیف چوتھی (دسویں) صدی میں خوارزم میں سب سے بڑی تجارت غلاموں کی تھی۔ ترکی لڑکوں اور لڑکیوں کو صحرا کے خانہ بدوش قبیلوں سے چوری کرکے یا خرید کر لے آتے تھے اور ان کو تعلیم دے کر اور مسلمان بنا کر مختلف اسلامی ملکوں میں فروخت ہونے کے لئے بھیج دیتے تھے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہی غلام بسا اوقات حکومت کے بڑے بڑے منصبوں پر فائز ہو جاتے تھے۔[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ (۷۱۳) بحیرۂ خوارزم تھا۔ اور دارالحکومت خوارزم یعنی جرجانیہ کے نام پر بحیرۂ ارل کو بحیرۂ جرجانیہ بھی کہتے تھے۔ یہ اخیر نام ایسا تھا جسے غلطی سے بحیرۂ جرجان پڑھ لینا آسان تھا۔ اس وجہ سے کاسپین (بحر جرجان) اور ارل (بحیرۂ جرجانیہ) میں خلط ملط واقع ہو گیا۔ ایران کے جغرافیہ نویس ارل کو بحیرۂ مشرق بھی لکھتے ہیں۔ مگر ان تمام باتوں سے ان واقعات کی تردید نہیں ہو سکتی جو مستوفی، حافظ ابرو اور ابو الغازی لکھتے ہیں۔

[1] اصطخری ص ۳۰۴، ۳۰۵ + ابن حوقل ص ۳۵۴ + مقدسی ص ۳۲۵ +

(۴۶۰)

باب سی و سوم

سُغد

بخارا اور اُس کی فصیل کے اندر کے پانچ شہر۔ بیکند۔ سمرقند، کوہستان بُتّم۔ اور دریائے زرافشان یا سُغد۔ کرمینیہ۔ دبوسیہ اور ربنجن۔ کِش اور نسف اور قریب کے دوسرے شہر۔ سُغد کی پیداوار۔ دریائے جیحون کے پار سمرقند تک کے راستے۔

صوبہ سغد یا قدیم ملک سگ دیانا کی نسبت سمجھنا چاہیے کہ اُس میں وہ تمام زرخیز زمینیں شامل تھیں جو دریائی جیحون و سیحون کے درمیان واقع تھیں، اور جن کو دو بڑے دریا اور ان کے معاون سیراب کرتے تھے۔ ان میں ایک دریائے زرافشان تھا جسے دریائے سغد بھی کہتے تھے، اور جس پر سمرقند اور بخارا کے شہر آباد تھے۔ دوسرا دریا وہ تھا جو کِش اور نسف کے شہروں سے گزرتا ہوا گیا تھا۔ یہ دونوں دریا جنوب مغرب کے ریگستان میں، جو خوارزم کی طرف تھا، پانی اور دلدل کی زمینوں یا کم آب جھیلوں میں ختم ہو جاتے تھے۔ بہرکیف سُغد کا اطلاق عام طور سے اُس علاقہ پر ہوتا تھا جو سمرقند کے گرد واقع تھا۔ بخارا، کِش اور نسف کے علاقے جدا جدا حیثیت رکھتے تھے۔

دنیا کی چار جنتوں میں ایک صوبہ سغد بھی شمار کیا جاتا تھا۔ اس کی شان و شوکت تیسری (نویں) صدی میں ملوک سامانیہ کے دور حکومت میں اوج کمال

کو پہنچی تھی۔ اس کے بعد کی صدی میں بھی اس کی شان ایک ایسے زرخیز اور دولتمند علاقے کی رہی جس کا مقابلہ کسی اور علاقہ سے نہیں کیا جا سکتا، اور اس کے دو بڑے شہروں یعنی بخارا اور سمرقند کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سمرقند سیاسی اعتبار سے اور بخارا مذہبی اعتبار سے دارالحکومت صوبہ تھا۔ دونوں درجے میں برابر اور سُغد کے دارالحکومت تھے۔[1]

(۴۶۱) بخارا کو نُومجکث بھی کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس کے گرد شہر پناہ تھی۔ شہر وسعت میں عرض میں ایک فرسخ ہر سمت سے تھا، اور دریائے سُغد کی بڑی شاخ سے کچھ دور جنوب میں ایک ہموار میدان میں واقع تھا۔ بخارا کے قریب جوار میں کہیں پہاڑیاں نہ تھیں اور اس کے گرد بہت سے شہر، محلات، اور باغات ایک وسیع رقبے میں واقع تھے۔ اس رقبہ کا طول و عرض دونوں بارہ بارہ فرسخ تھے، اور کل رقبہ کے گرد ایک دیوار کھنچی تھی، جس کا دور سو میل سے زائد تھا۔ اسی وسیع احاطہ میں دریائے سُغد اور اس کی نہریں گزرتی تھیں۔

خاص شہر بخارا سے باہر مگر اس کی فصیل سے متصل سمت شمال مغرب میں بخارا کا قلعہ تھا جو بجائے خود ایک چھوٹے سے شہر کی مانند تھا۔ اس قلعہ میں حاکم صوبہ رہتا تھا، اور اسی میں محبس اور خزانہ تھا۔ شہر سے فاصلے پر اور شہر کے گرد بڑی بڑی بستیاں تھیں، جو دریائے سُغد کی بڑی شاخ تک چلی گئی تھیں اور دریا کے جنوبی کنارے پر دور تک آباد تھیں۔ باہر کی ان بستیوں میں بڑی بستیاں شہر کے مشرق میں واقع تھیں۔ ان کے نام ذرکاب نوبہارہ۔ ذرکاب۔ سمرقند اور ...ب رامیتشنہ تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی بستیاں تھیں، جن کے نام نقل کرنے باعث طوالت ہوں گے۔ ان کے موقع بتانے کہ دراصل کہاں واقع تھیں اب ممکن نہیں بخارا

---

[1] اصطخری میں ۳۱۶ + ابن حوقل ص ۳۶۵ + مقدسی ص ۲۶۱، ۲۶۶۔ ۲۶۰ + یاقوت ج ۲ ص ۲۹۴

[2] نُومجکث یا نُموجکث اصلی نام ہے۔ لیکن نقطوں کے غلط جگہ لگ جانے کی وجہ سے اسے اکثر اوقات بُومجکث پڑھ لیا جاتا ہے۔ مقدسی ص ۲۶۷۔ حاشیہ (حا)۔ اس نام کا اصلی تلفظ چینی سیاحوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے جنھوں نے بخارا کا املا نمجی لکھا ہے +

کی شہر پناہ میں سات آہنی دروازے حسب ذیل تھے :۔ (۱) باب المدینہ (۲) باب نور (یا نون)، (۳) باب حَفْصْرَہ (۴) باب الحدید (۵) باب القُهَنْدِز (۶) باب بنی اسد اور سب سے آخر میں (۷) باب بنی سعد۔ اس کا علم نہیں کہ یہ دروازے کہاں کہاں اور کس کس سمت میں تھے۔ لیکن باب القُهَنْدِز یقیناً شمال مغرب میں ریگستان کی طرف کھلتا ہوگا۔ یہ مقام شہر بخارا کا بڑا ارطہ یا چوک ہے، جو اس وقت سے آج تک مشہور چلا آتا ہے۔

قلعہ کے صرف دو دروازے تھے، ایک کو باب الریگستان یا باب سہل (یعنی ریتلے میدان والا دروازہ) اور دوسرے کو باب الجامع کہتے تھے۔ باب الجامع مسجد کی طرف کھلتا تھا۔ یہ جامع مسجد بھی چوک یعنی ریگستان میں شہر کے باب القُهَنْدِز کے قریب واقع تھی۔ شہر کے باہر والی بستیوں میں سے دس سڑکیں گزرتی تھیں۔ ان میں ہر ایک سڑک اپنے ہی نام کے دروازے پر ختم ہوتی تھی۔ ان تمام سڑکوں کے نام مقدسی اور اصطخری دونوں نے بہت احتیاط سے لکھے ہیں۔ بیچ بیچ میں بھی ان سڑکوں پر بہت سے دروازے تھے، جن کے بند کر دینے سے ان بیرونی بستیوں کے مختلف محلے ایک دوسرے سے علٰحدہ اور سربستہ ہو جاتے تھے۔ ان دروازوں میں اکثر آہنی تھے۔ جامع مسجد قلعہ کے پاس تھی۔ اس کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی مسجدیں بکثرت تھیں۔ بازار اور چوک بے شمار تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی کے ختم ہونے کے قریب قلعہ سے باہر نکلتے ہی دارالامارۃ اُس چوک میں نظر آتا تھا، جسے ریگستان کہتے تھے۔ ابن حوقل (۴۶۶) نے یہاں کی بڑی بڑی نہروں کا حال مفصل لکھا ہے۔ یہ نہریں دریائے سُغد کے بائیں جانب سے نکل کر بخارا اور شہر کے گرد سطح زمین میں باغوں کو پانی پہنچانے کے بعد بالآخر جنوب مغرب کی طرف بیکند کے قریب، جو آمل کی سڑک پر بخارا ریگستان میں غائب ہو جاتی تھیں۔ ان میں سے ایک نہر بھی دریائے جیحون تک نہ پہنچی تھی۔ دریائے سُغد کا آخری حصہ یہاں سیام خاس یا خواش کہلاتا تھا[۱]۔

قدیم شہر بخارا یعنی اسلام سے قبل کا جو شہر تھا، اُس کے کھنڈر اسلامی شہر کے

---

[۱] اصطخری ص ۳۰۵-۳۰۹ + ابن حوقل ص ۳۵۵-۳۵۸ + مقدسی ص ۲۸۰، ۲۸۱ + یاقوت ج ۱ ص ۵۱۷ +

شمال مغرب میں دریا کے کنارے کے قریب واقع ہیں۔ یہ کھنڈر دِیَا مِیثَن کہلائے جاتے تھے' اور مقدسی چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ یہاں اب تک پرانے شہر کے عظیم الشان آثار جہاں تک باقی ہیں نظر آتے ہیں بخارا کی ہموار زمین کے گرد جو بڑی فصیل (سو میل سے زیادہ کے دور کی) تھی اس کے اندر بارونق شہر آباد تھے۔ ان میں شہر خُجَادَہ یا خجادہ بخارا سے بیکند جانے والی سڑک سے مغرب کی طرف ایک فرسخ' اور دارالحکومت بخارا سے تین فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ خُجَادَہ ایک بڑا اور خوش گوار شہر تھا' اور اُس میں ایک جامع مسجد اور قلعہ تھا۔ اس سے آگے بڑھ کر مَغکان کا شہر بخارا سے پانچ فرسخ اور بڑی سڑک سے تین فرسخ بڑی فصیل کے مغربی دَور سے نزدیک واقع تھا۔ مَغکان میں ایک جامع مسجد تھی' شہر متحصن تھا' اور اُس کے باہر بھی بستیاں تھیں۔ ان کے علاوہ شہر کے گرد بہت سے گاؤں تھے۔ یہاں کی زمینوں میں آب پاشی بکثرت ہوتی تھی۔

تَمجَکَث یا تُمُشکَث (جسے اکثر کتابت کی غلطی سے بُمجکث یا بُوجمکث بھی لکھا گیا ہے) ایک چھوٹا سا شہر بخارا سے شمال مغرب میں چار فرسخ کے فاصلے پر بڑی سڑک سے نصف فرسخ ہٹا ہوا اُس سڑک کے بائیں ہاتھ کو جو طَوَاوِیس کو گئی تھی واقع تھا۔ الطَّوَاوِیس (جیساکہ یہ نام اکثر لکھا جاتا ہے) طاؤس کی جمع ہے۔ اس میں ایک بڑا بارونق بازار تھا' اور خراسان کے ہر حصے کے سوداگروں کی یہاں آمد و رفت رہتی تھی۔ یہاں کے موٹی کپڑے عراق کو صادر کئے جاتے تھے۔ شہر خوب متحصن تھا۔ اُس میں ایک قلعہ تھا اور شہر کی جامع مسجد بازار میں واقع تھی۔ بڑی (سو میل والی) فصیل کے اندر پانچواں شہر زَنْدَنَہ تھا' جو اب تک موجود ہے۔ اس کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ بخارا سے شمال میں چار فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ شہر خوب متحصن تھا' اور اُس میں ایک جامع مسجد تھی۔ ایک بڑی بستی شہر پناہ کے باہر تھی۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں کے موٹی کپڑے جو شہر کے نام پر زندنیچی کہلاتے تھے' دور و نزدیک مشہور تھے۔

(۴۶۳) بڑی (سو میل والی) فصیل سے باہر دو فرسخ باہر نکل کر شمال کی طرف بخارا سے پانچ فرسخ پر بیکند کا شہر اُس سڑک پر تھا جو بخارا سے دریائے جیحوں کی طرف جنوب میں

نہر بند کو گئی تھی۔ بیکند اب تک موجود ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر کی فصیل میں صرف ایک دروازہ تھا، اور شہر خوب متحصن و مستحکم تھا۔ آبادی کے اندر ایک جامع مسجد تھی، جسے قیمتی سنگ مرمر سے مزین کیا گیا تھا، اور قبلہ رُو محراب میں سونے کا کام تھا۔ بیکند کے باہر کی بستیوں میں ایک بازار لگتا تھا، لیکن شہر کے گرد قریے نہ تھے، بلکہ صرف بہت سے رُباط تھے، جن کی تعداد مجموعی طور پر ایک ہزار بتائی جاتی ہے۔ شہر سے آگے وہ ریگستان ہے جو دریائے جیحون کے کنارے کنارے چلا گیا ہے۔

زمانہ وسطے کے تمام ابتدائی دور میں بخارا نے اپنی شان و شوکت اور برتری قائم رکھی لیکن ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں مغلوں کی یورش کا سانحہ پیش آیا۔ مغلوں نے شہر کو لوٹا اُسے بالکل غارت کر دیا۔ اس تباہی کے بعد ایک صدی، بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک شہر پنپ نہ سکا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اوائل میں ابن بطوطہ یہاں آیا تھا، اور شہر کے باہر فتح آباد کی بستی میں ٹھہرا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ اُس وقت تک شہر کی مسجدیں، مدرسے، اور بازار اکثر اُسی شکستہ حالت میں پڑے تھے جس میں چنگیز خاں نے انھیں چھوڑا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آٹھویں (چودھویں) کے آخر میں جب تیمور کی حکومت کا زمانہ آیا، جس نے سمرقند کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا تھا، تو بخارا نے اپنی پرانی شان و شوکت کسی قدر پھر حاصل کر لی[1]۔

سمرقند دریائے سُغد کے چڑھاؤ کے رُخ بخارا سے شرق میں تقریباً ایک سو پچاس کا فاصلہ رکھتا تھا، اور اسی دریا کے بائیں کنارے سے تھوڑی دور ایک بلند قلعہ بھی اُسی بلندی پر بنا ہوا تھا جس پر شہر تھا۔ قلعے کے نیچے کنارِ دریا کے قریب بڑی بڑی بستیاں تھیں۔ سمرقند کے چاروں طرف تمر ستان، محل، اور محلوں کے باغ تھے۔ جن کو بے شمار نہریں سیراب کرتی تھیں۔ سرو کے درخت یہاں نہایت شاندار

---

[1] اصطخری ص ۳۱۳-۳۱۵ + ابن حوقل ص ۳۶۲-۳۶۴ + مقدسی ص ۲۸۱، ۲۸۲ یاقوت ج ۱ ص ۳۶، ۸۰۴ + ج ۲ ص ۵۹۴ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۲۷ + E. Schuyler کی کتاب Turkistan ج ۲ ص ۸۹۔

ہوتے تھے۔ قلعے کے اندر حاکم شہر کا محل اور مجلس تھا، لیکن جب ابن حوقل نے اپنی کتاب
لکھی ہے اس قلعے کے اکثر حصے کھنڈر ہو چکے تھے۔ یاقوت لکھتا ہے اس میں لوہے کے
دوہرے دروازے تھے۔ خاص شہر سمرقند کے چار دروازے تھے۔ ان میں پہلا
دروازہ باب الصین (یعنی چین والا دروازہ) مشرق کی طرف تھا، یہ دروازہ
بلندی پر تھا، اور نیچے سے سیڑھیاں چڑھ کر اس پر پہنچتے تھے۔ اس دروازے سے
دریا خوب نظر آتا ہے۔ دوسرا دروازہ باب بخارا شمال کی طرف تھا، تیسرا دروازہ
باب النوبہار تھا، یہ بھی بلندی پر تھا۔ چوتھا دروازہ باب الکبیر جنوب کی طرف (۴۶۴)
تھا۔ اسے باب کش بھی کہتے تھے۔

یاقوت کی تحریر کے مطابق شہر سمرقند کا رقبہ دو ہزار پانچ سو جریب (یعنی
تقریباً سات سو پچاس ایکڑ) تھا، اور شہر کے رقبہ میں بہت سے بازار اور حمام تھے۔
ان میں اور اہل شہر کے گونا گوں مکانوں میں سیسے کے نلوں سے پانی آتا تھا۔ ان
نلوں کا تعلق ایک بڑے سیسے کے نل سے تھا جو باب کش سے شہر کے اندر
آیا تھا۔ پانی اس بڑے نل میں شہر کے باہر کی نہروں سے آتا تھا، اور ان نہروں
سے ایک بڑے نل کو ایک بڑا بند باندھ کر اس کے اوپر لے گئے تھے۔ بازاروں
میں جہاں نل نکالے گئے تھے ان کی نسبت بیان ہوا ہے کہ پتھر کے پائے بنا کر
ان کے اوپر ان نلوں کو قائم کیا تھا۔ سمرقند کے بڑے بازار کا نام راس الطاق
تھا، اور یہ ایک عمدہ چوک تھا۔ جامع مسجد اور بعد کے زمانہ کا دارالامارہ دونوں
بالکل قلعہ کے نیچے واقع تھے۔ شہر کے مکانات لکڑی اور کچی اینٹ دونوں کے
تھے، اور شہر میں آبادی بڑی کثرت سے تھی۔

شہر سمرقند کی باہر کی بستیاں دریا کے کنارے نشیب میں واقع تھیں۔
ان بستیوں کے گرد خشکی کی طرف ایک فصیل نصف دائرہ کی شکل میں کھینچ دی گئی تھی،
جو طول میں دو فرسخ تھی۔ شمال میں دریا دائرے کے قطر کی طرح واقع ہوا تھا۔ غرض
اس طرح باہر کی بستیوں کا حلقہ حفاظت مکمل کر دیا گیا تھا۔ اس فصیل میں آٹھ دروازے
تھے، شہر کے مختلف راستے سب ان ہی دروازوں کی طرف آتے تھے۔ ان دروازوں
کے نام یہ تھے باب سنداود تھا، اس کے بعد باب اشبسک، پھر

دو دروازے باب سُوخسِین اور باب اَفشِینَہ تھے۔ ان دونوں کے بعد باب کوہلت آتا تھا۔ یہ اُس بلندی کی طرف کھلتا تھا جہاں شہر اور قلعہ تھا۔ اس کے بعد دو دروازے یعنی باب وَرسَنِین اور باب دیو دَد تھے۔ سب سے اخیر میں باب فرخشید تھا۔ باہر کی بستیوں کی تمام بازار والی سڑکوں کا منتہا شہر میں راس الطاق تھا، اور تمام سڑکوں پر پتھر کے چوکوں کا فرش تھا۔ ان بستیوں کے بازار تجارت کا بڑا مرکز بنے ہوئے تھے۔ سوداگر اور سوداگری کا مال ان میں بھرا رہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ سمرقند کے شہر میں تمام ماوراء النہر کا تجارتی مال آکر ذخیرہ ہوا کرتا تھا۔ من جملہ دیگر سامان تجارت کے شہر سمرقند کا کاغذ تمام ایشیا میں مشہور تھا۔ کاغذ سازی چینیوں سے سیکھ کر لوگوں نے یہاں شروع کی تھی۔ شہر کی آب وہوا مرطوب تھی۔ شہر اور اُس کے باہر کی بستیوں میں ہر گھر کے ساتھ خانہ باغ ہوتا تھا۔ چنانچہ اس قلعہ کی بلندی سے شہر کو کھڑے ہو کر دیکھئے تو وہ درختوں کا ایک سمندر معلوم ہوتا تھا۔ شہر کے جنوب میں کوہک کی پہاڑی تھی۔ جو دراصل ان پہاڑوں کی ایک شاخ تھی جو شہر سے آگے ایک دن کی راہ میں واقع تھے۔

(۴۶۵) سمرقند بلکہ تمام ماوراء النہر کی چندروزہ تباہی کا باعث مغل تھے، جنھوں نے سنہ ۶۱۶ (سنہ ۱۲۱۹) میں اس شہر کو تقریباً غارت کر دیا؛ چنانچہ اس کے بعد کی صدی یعنی آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب ابن بطوطہ یہاں آیا ہے تو اس نے لکھا کہ شہر کی اب فصیل باقی ہے اور نہ فصیل کے دروازے صرف چند آباد گھر ہیں جو کھنڈروں کی بھول بھلیاں میں کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ اس سیاح نے یہاں کے دریا کا نام نہرُ القصّارِین (نمدہ بنانے والوں کی نہر) لکھا ہے (غالباً اس کی مراد دریائے سُغد کی ایک نہر سے ہے) وہ لکھتا ہے کہ اس دریا پر بہت سے رہٹ (النواعیر) تھے۔ بہرکیف سمرقند کی شان وشوکت اس زمانہ کے تھوڑی مدت بعد پھر بحال ہوگئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور نے سمرقند کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا، اور شہر کو دوبارہ تعمیر کرا کے اس میں بڑی بڑی مسجدیں اور کاروان سرائیں تیار کرائیں۔

اِن عمارتوں کو ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں ہسپانوی سفیر کلیویجو نے دیکھا تھا۔ ان میں سے چند عمارتیں اب تک باقی ہیں۔ بالخصوص سمرقند کی جامع مسجد۔ علی یزدی لکھتا ہے تیمور نے ہندوستان کی فتوحات سے واپس آکر یہ مسجد تعمیر کرائی تھی، اور جو خزانے وہ ان لڑائیوں سے لایا تھا انہی سے اس مسجد نے شان و شوکت حاصل کی تھی۔ ہسپانوی سفیر کلیویجو نے اس زمانہ کے سمرقند کی نسبت لکھا ہے کہ شہر کے گرد کچی فصیل تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ سمرقند اس کی وطنی شہر اشبیلیہ سے کچھ ہی بڑا تھا۔[1]

سمرقند کے گرد کے تمام علاقے، خصوصاً مشرق اور جنوب کے علاقے، بلکہ دریائے سُغد کے شمالی علاقے بھی نہایت حاصل خیز تھے۔ سمرقند سے نو فرسخ مشرق میں، سمرقند کی طرح دریا کے جنوبی کنارے پر بَنجیکث کا شہر (جو آج کل پَنجکنت کے نام سے موجود ہے) بڑے بڑے باغوں سے گھرا ہوا کھڑا تھا، جن میں بادام اخروٹ خصوصاً نہایت عمدہ پیدا ہوتے تھے، اور شہر کی نہروں کے کنارے غلے کی زمینیں بڑے پیداوار کی تھیں۔ بَنجیکث اور سمرقند کے درمیان وَرغسَر کا بڑا گاؤں اور اس کا علاقہ تھا۔ یہیں اُن نہروں میں سے اکثر نہریں جو سمرقند کے گرد و نواح کی زمینوں کو سیراب کرتی تھیں، دریائے سُغد سے نکلی تھیں۔ دارالحکومت سمرقند کے جنوب میں علاقہ ہائمرغ تھا، جس کا موضع رِیوَدَد سمرقند سے ایک فرسخ واقع تھا۔ اس علاقہ سے بالکل متصل علاقہ سَنجفَگَن تھا۔ زرخیزی کے اعتبار سے سمرقند کے گرد و نواح کی زمینوں میں کوئی علاقہ ہائمرغ کی زمینوں کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ یہاں کے شاندار درخت مشہور تھے، اور علاقہ کے تمام طول و عرض میں بے شمار قریے تھے۔ ہائمرغ کے جنوب میں وہ پہاڑی علاقہ تھا، جسے جبال السّاوِدار کہتے تھے۔

---

[1] اصطخری ص ۳۱۶-۳۱۸ + ابن حوقل ص ۳۶۵-۳۶۸ + مقدسی ص ۲۷۸، ۲۷۹ + قزوینی ج ۲، ص ۳۵۹ + یاقوت ج ۳، ص ۱۳۴ + ابن بطوطہ ج ۳، ص ۵۲ + علی یزدی ج ۲، ص ۱۹۵ + کلیویجو Embassy ص ۱۷۹ +

یہ صوبہ کا سب سے زیادہ صحت بخش حصہ تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہاں وَرکَرد کے مقام پر عیسائیوں کا ایک گرجا تھا (غالباً یہ مسیحی فرقہ نسطوری کے لوگ تھے)۔ یہاں عیسائی بہت آتے تھے، اور گرجا کی آمدنی بھی بہت تھی۔ یہاں کی پہاڑی گھاٹیاں بہت زرخیز تھیں، اور ہر ایک گھاٹی کی زمین بھی ندی کے پانی سے خوب سیراب ہوتی تھی۔ ندی کے کنارے خرمن گاہ ہوتے تھے۔ جتنی فصلیں بوئی جاتی تھیں بہت اچھی اُٹھتی تھیں۔ قریب کا علاقہ اَلدَّارغَم زیادہ تر مرغزاروں پر مشتمل تھا، لیکن یہاں انگور افراط سے ہوتا ہے۔ اَلدَّارغَم کی سرحد پر علاقہ اَوفَر یا اَلغو تھا جس میں بہت سے مشہور گاؤں تھے۔ ہر گاؤں کے ساتھ دو دو فرسخ چوڑے چراگاہ تھے جس میں مویشیوں کے بڑے بڑے گلے پرورش پاتے تھے۔ علاقہ اَوفَر سمرقند اور دریائے سُغد کے جنوب میں سب سے آخری علاقہ تھا۔ (۴۶۶)

دریائے سُغد کے شمالی کنارے پر صوبہ اُشروسنہ کی سمت میں علاقہ بُوزماجن یا بُوزماجز تھا۔ اس علاقہ کا بڑا شہر بارکث یا اَبارکت سمرقند سے شمالی مشرق میں چار فرسخ یا ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ اس سے اور چار فرسخ شمال میں خُشوفَغَن کا بڑا گاؤں تھا جسے بعد کے زمانہ میں رأس القنطرہ کہنے لگے تھے۔ اس سے آگے چل کر علاقہ بُوزنمذ یا فُورنمذ صوبہ اُشروسنہ کی سرحد کے قریب واقع تھا۔ اس سے آگے اور زیادہ شمال کی طرف علاقہ یارکث تھا۔ علاقہ بُورنمذ اور یارکث کے مرغزار مشہور تھے۔

سمرقند سے سات فرسخ عین شمال کی طرف اِشتیخَن کا شہر دریائے سُغد کی نہروں کے کنارے واقع تھا۔ اس میں ایک مستحکم قلعہ اور شہر کے باہر بستیاں تھیں، یہاں کی زمینیں غلہ کی پیداوار میں مشہور تھیں۔ اصطخری نے اسی زرخیزی کے باعث اس شہر کو "ھِرات سُغد" لکھا ہے[1]۔

---

[1] اصطخری کی کتاب میں ان الفاظ کا پتہ نہیں چلتا۔ نہ معلوم مصنف نے یہ الفاظ کس کتاب

اس سے سات فرسخ شمال کی طرف شہر کُشانیہ یا کُشانی تھا، جس کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ صوبہ سُغد کا سب سے زیادہ آباد معمور شہر تھا۔ یہاں کے تمام باشندے دولتمند تھے، اور جو دولتمند نہ تھے وہ آسودہ حال ضرور تھے۔ کُشانیہ کے بعد دریائے سُغد کے شمالی کنارے، اور یاقوت کے مطابق سمرقند سے صرف دو فرسخ کے فاصلے پر علاقہ کبوذنجکث واقع تھا۔ جس کا شہر کبوذنکث تھا۔ اس علاقہ سے متصل پہاڑی سرزمین میں وَرْذان کا علاقہ تھا، اور اس کے صدر شہر کا نام بھی وَرْدار تھا۔ یہاں جو کپڑے بُنے جاتے تھے وہ بہت مشہور تھے۔ سب سے آخر میں ابن ترکسفی مرزبان کا علاقہ تھا۔ یہ علاقہ وَرْذا سے آگے تھا۔ ابن ترکسفی سُغد کا ایک دہقان (یعنی شرفاء سُغد سے) تھا۔[1]

دریائے سُغد جسے آج کل زرافشان کہتے ہیں اس کے سرچشمے پہاڑوں کے اس سلسلہ میں تھے جسے جبل البُتّم کہتے ہیں۔ بُتّم کا یہ سلسلہ ایک طرف صوبۂ سُغد کے دریاؤں اور دوسرے طرف صوبۂ صَغانیان کے دریاؤں اور (دریائے) وَخشاب کے درمیان اس طرح واقع ہوا تھا کہ اس کے دامنوں کی ندیاں نالے بہہ کر ان ہی دریاؤں میں آتے تھے۔ اس کتاب کے بیسویں باب میں بیان ہو چکا ہے کہ دریائے وَخشاب اور صوبہ صَغانیان کے دریا سب جیحون کے دائیں کنارے والے معاون تھے۔ جبل بُتّم کے دامن باوجودیکہ بہت بلند تھے اور نیز ڈھال رکھتے تھے، گران پرگاؤں اور قریئے بکثرت آباد تھے۔ ان پہاڑوں پر سونے اور چاندی کی کانیں تھیں، اور ان میں ایسے مقامات بھی تھے جہاں سے لوہا، سیسہ، پارہ، تانبا، نفت اور قیر نکالا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس علاقہ کی

(۴۶۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے نقل کیے ہیں (مترجم)۔

[1] اصطخری ص ۳۲۱۔ ۳۲۳ + ابن حوقل ص ۳۷۱۔ ۳۷۵ + مقدسی ص ۲۷۹ + یاقوت ج ۱ ص ۲۷۷ + ج ۲۔ ص ۲۴۶، ۹۰۸ + ج ۴ ص ۳۲۴، ۲۷۶، ۴۴۹ +

زمین سے رال فیروزے زغال (لکڑی کا کوئلہ) اور خصوصاً نوشادر دستیاب ہوتا تھا۔ نوشادر یہاں سے بڑی مقدار میں دساور ہوتا تھا۔ اس کے جمع کرنے کی صورت یہ تھی کہ پہاڑ کے غاروں سے بھاپ نکل کر اس کے کچھ اجزاء جم جایا کرتے تھے۔ یہ منجمد مادہ نوشادر ہوتا تھا۔ اس قسم کے غاروں پر ایک مکان سا بنا دیا جاتا تھا۔ اس میں کھڑکیاں اور دروازے نمع کواڑوں کے ہوتے تھے کہ ضرورت کے وقت بند کر دی جائیں۔ اصطخری نے یہاں زمین کے نیچے آگ رہنا کا ذکر کیا ہے، کیونکہ نوشادر کی بھاپ جو دن کو دھواں معلوم ہوتی تھی رات کے وقت ایک شعلۂ جوالہ نظر آتی تھی۔ اصطخری نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس مکان میں بھاپ کے اجزاء کپڑوں کر منجمد ہو جاتے تھے، اور اوقات معین پر کپڑوں کر لوگ اس مکان میں داخل ہو کر نوشادر نکال لیتے تھے۔ یہ لوگ نمدے کا لباس پہن کر اور اس کو تر کر کے جلدی سے اس مکان میں داخل ہوتے تھے اور فوراً ہی وہاں سے نکل آتے تھے کیونکہ اس مکان میں اس قدر سخت گرمی ہوتی تھی کہ اگر وہ ذرا بھی ٹھہریں تو بالکل جھلس جائیں[1]

دریائے سُغد کا منبع ایک مقام پر تھا، جسے جن یا جے کہتے تھے۔ یہاں ایک جھیل تھی جس کے گرد گاؤں تھے، اور اس علاقہ کا نام وَرغَر یا بَرغَر تھا۔ جھیل سے نکل کر یہ دریا پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے گزرتا ہوا آخر کار پنجیکت پہنچتا تھا۔ یہاں سے آگے بڑھ کر وہ وَرغسر کے گاؤں تک آتا تھا، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ وَرغسر کے معنے مقامی بولی میں "سرِ پشتہ" کے ہیں، کیونکہ یہاں دریا کے پانی کو تقسیم کر دیا گیا تھا، اور نہریں نکالی گئی تھیں جن سے شہر سمرقند کے گرد کی زمینیں اور دریا کے شمالی کنارے کے علاقے سیراب ہوتے تھے۔ جو نہریں سمرقند جاتی تھیں ان میں سے دو اتنی بڑی تھیں کہ ان میں کشتیاں چل سکیں۔ ابن حوقل

[1] اصطخری ص ۳۱۲، ۳۲۷؛ ابن حوقل ص ۳۶۲، ۳۸۳۔

نے اُن مختلف نہروں کے ناموں کی ایک فہرست درج کی ہے، اور اُن میں ہر ایک نہر جن علاقوں کو سیراب کرتی تھی ان علاقوں کے نام مع اُن کے قریوں کے لکھے ہیں۔

سمرقند کے مقام پر دریا کو عبور کرنے کے لئے ایک پختہ پل تھا، جسے قنطرۃ جَرد کہتے تھے۔ سیلاب کے موقع پر یہ پل بعض اوقات بالکل ڈوب جاتا تھا۔ سمرقند سے آگے بڑھ کر دریائے سُغد سے بہت سی نہریں ان مختلف علاقوں کی طرف جاتی تھیں جو دَبُوسِیَہ اور کرمینِیَہ کے گرد واقع تھے۔ ان کا ذکر آگے آئیگا۔ اس کے بعد دریائے سُغد بخارا کے قریب پہنچتا تھا۔ یہاں دریا کے بڑے دھارے کا نام عام طور سے دریائے بخارا ہو جاتا تھا۔ بخارا کی بڑی (سو میل سے زائد دور رکھنے والی) فصیل سے باہر ہی شہر پناہ بخارا کے اندر کی زمینوں اور شہر کے باہر کے علاقوں کی آب پاشی کے لئے نہریں نکالنی شروع کر دی گئی تھیں۔ ان تمام نہروں اور ان کے مختلف قریوں کے نام ابن حوقل نے بھی لکھے ہیں۔ بعض نہریں اپنی شاخوں کا ایک جال سا پھیلا کر پھر دریائے سُغد میں جس سے وہ نکلتی تھیں، جا ملتی تھیں۔ بعض نہریں ایسی تھیں جو جنوب مغرب کی طرف آب پاشی کے رقبوں میں آنے کے بعد ختم ہو جاتی تھیں۔ شہر بخارا کی طرف جانے والی بڑی نہروں کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ اتنی بڑی تھیں کہ ان میں کشتیاں چلتی تھیں[1]۔

بخارا اور سمرقند کے درمیان، دریائے سُغد کے جنوبی جانب چوتھی (دسویں) صدی میں تین بڑے شہر تھے، یعنی کَرمِینِیَہ (جو اب تک موجود ہے) دَبُوسِیَہ اور رَبنجان۔ کرمِینِیَہ طَواوِیس سے ایک مرحلہ مشرق کی طرف (سو میل سے زائد دور رکھنے والی) بڑی فصیل کے باہر واقع تھا۔ یہ شہر طَواوِیس سے بڑا تھا، خوب معمور تھا، اور اس کے گرد بہت سے گاؤں اور زرخیز

(۴۶۸)

---

[1] اصطخری ص ۳۱۰-۳۱۲، ۳۱۹-۳۲۱؛ ابن حوقل ص ۳۵۹-۳۶۱، ۳۶۸-۳۷۱۔

زمینیں تھیں، جنھیں دریائے سُغد کی نہریں سیراب کرتی تھیں۔ یاقوت نے یہاں کے عالی شان درختوں کا ذکر کیا ہے۔ کرمینیہ سے ایک مرحلہ مشرق کی سمت میں الدبوسیہ کا شہر تھا۔ یہ بھی ایک نہر کے کنارے آباد تھا جو دریائے سُغد کے جنوبی کنارے سے نکالی گئی تھی۔ لیکن اس کے گرد نہ کوئی بڑا گاؤں تھا اور نہ کوئی علاقہ اس سے متعلق تھا۔

خُدیمنکن کا چھوٹا سا شہر کرمینیہ سے ایک فرسخ دور بڑی سڑک سے شمال میں ایک تیر کے ٹپے پر واقع تھا۔ دریائے سُغد کے شمالی کنارے پر خُدیمنکن سے ایک فرسخ دریا کے بہاؤ کے رخ مذاباجکت کا بڑا گاؤں تھا، اور اس سے ایک فرسخ دریا کے بہاؤ کی طرف اس کے شمالی کنارے پر کرمینیہ کے سامنے خرغانکث تھا۔ کرمینیہ سے یہ مقام صرف ایک فرسخ تھا۔ خُدیمنکن، مذاباجکت، خرغانکث کے قصبوں کا ؤں چوتھی (دسویں) صدی میں اتنے بڑے تھے کہ ہر ایک میں اپنی اپنی جامع مسجد علیحدہ تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے خُدیمنکن اس وجہ سے مشہور تھا کہ وہاں بہت سے محدث پیدا ہوتے تھے۔ اربنجن یا ربنجن کا شہر دبوسیہ کے مشرق میں ایک مرحلے کے فاصلے پر تھا، اور وسعت میں دبوسیہ سے بڑا تھا۔ اس سے مشرق کی طرف ربنجن اور سمرقند کی درمیانی منزل پر اور دارالحکومت سمرقند سے سات فرسخ دور زرمان کا شہر تھا۔ بخارا کے قریب و جوار کے بہت سے چھوٹے چھوٹے شہروں کے نام اور حالات مقدسی نے لکھے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے باہمی فاصلے بیان نہیں کیے جن سے ان کے محل وقوع شناخت ہو سکتے۔[1]

(۴۶۹)

سمرقند سے نواح جنوب میں ایک دریا ہے جو دریائے سُغد کے متوازی بہتا ہے، اور دریائے سُغد کی طرح آخرکار ریت اور دلدل کی زمین

---

[1] اصطخری ص ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۲۲۔ ابن حوقل ص ۳۶۳، ۳۶۵، ۳۷۵۔ مقدسی ص ۲۸۲۔ یاقوت ج ۲ ص ۲۰۶، ۲۵، ۴۹۲ ج ۴۔ ص ۲۶۸۔

میں غائب ہو جاتا ہے۔ مگر دریائے سُغد سے اس کا طول کم ہے۔ اس دریا کو آج کل کُشکہ کہتے ہیں۔ اس دریا کے کنارے آج کل شہر سبز اور قرشی آباد ہیں۔ شہر سبز کو زمانۂ وسطیٰ کے اوائل میں کِش یا (کَش) کہتے تھے۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ اس شہر کا ایک قلعہ تھا، شہر خود بھی تحصن تھا، اور شہر کے دروازوں کے باہر ایک بڑی بستی بھی۔ پھر اس سے آگے بڑھ کر ایک مقام شہری حیثیت کا تھا جسے آج کل غالباً کتاب کہتے ہیں، اور اس وقت مصلے کہتے تھے۔ یہاں پر کاروان سرائیں اور حاکم کا محل تھا۔ کِش کے باہر کی بستی میں بڑے بڑے بازار تھے، مگر جامع مسجد اور محبس شہر کے اندر تھا۔ خاص شہر ایک مربع میل میں تھا، اور اس کے مکانات لکڑی اور کچی اینٹوں کے تھے۔ قریب کی زمینیں نہایت زرخیز تھیں، اور گرم ملکوں کے تمام میوے یہاں ہوتے تھے، اور بنجارا کو دساور کئے جاتے تھے۔ شہر کِش کی فصیل میں چار دروازے تھے جن کے نام باب الحدایل، باب عُبَیدُ اللہ، باب القصّابین اور دروازہ شہر اندرون تھے۔ شہر کے باہر کی بستی یا ربض کی فصیل کے دروازے تھے، جن کے نام باب بَرکنان اور باب مدینۃ الخارجہ تھے۔ باب برکنان کا نام قریب کے گاؤں برکنان کے نام پر تھا۔

جس دریا کو آج کل کَشکہ کہتے ہیں اُس دریا کا بڑا دھارا جو تھی (دسویں) صدی میں نہر القَصّابین کہلاتا تھا۔ یہ دریا جبل سیام سے نکلتا تھا، اور کِش کے جنوب کی طرف سے گزرتا تھا۔ کِش کے شمال میں نہر اسرود تھی، اور اس سے ایک فرسنگ پرے سمرقند جانے والی سڑک

عله ابن حوقل (ص ۳۷۶) کی کتاب کے حاشیہ میں اس دروازہ کا یہی نام (فارسی میں) لکھا ہے جو اوپر نقل کیا گیا، مگر کتاب کے متن میں باب مدینۃ الخارجہ (یعنی دروازہ شہر بیرون) ہے۔ اسی طرح بیرونی بستی کے ایک دروازے کا نام انگریزی مصنف نے باب مدینۃ الخارجہ اور ابن حوقل نے باب مدینۃ الداخلۃ لکھا ہے۔ مترجم) +

کو ایک دریا کاٹتا تھا، جسے جائے ہُود کہتے تھے۔ جنوب کی طرف کِش سے ایک فرسخ آگے بلخ جانے والی سڑک پر خشک رُود (خشک دریا) تھا، اور اس سے آگے آٹھ فرسخ کے فاصلے پر خُزار رُود تھا۔ یہ سب دریا شہر کِش کے گرد و نواح کے علاقوں کو سیراب کر کے متحد ہو جاتے تھے، اور یہ متحدہ دریا نَسَف کے شہر کے پاس سے گزرتا تھا۔ کِش کے علاقہ کی نسبت بیان ہوا کہ وہ ہر سمت میں چار دن کی مسافت تھا، اور اپنی غیر معمولی زرخیزی کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ قریب کے پہاڑوں میں نمک اور ترنجبین پایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ جڑی بوٹیاں (مفرد دوائیں) بھی ملتی تھیں، جو خراسان کو دساور کی جاتی تھیں۔ بعد کے زمانہ میں کِش تیمور کے مولد ہونے کے سبب مشہور ہوا۔ تیمور نے آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا، اور یہاں کا آق سرائے (سفید محل) اس کی سکونت کا پسندیدہ مقام ہو گیا تھا۔ یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ کِش کا نام تبدیل کر کے شہر سبز رکھا گیا، چنانچہ آج کل بھی اس کا یہی نام ہے۔[1] (۴۷۰)

کِش سے آگے دریا کے بہاؤ کے رُخ سو میل سے زیادہ کے فاصلے پر مغرب کی طرف وہ شہر واقع ہے جسے آج کل قَرشی کہتے ہیں، گو زمانۂ وسطیٰ کے عرب اسے نَسَف اور اہل ایران نَخشَب کہتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں نَسَف میں ایک مستحکم قلعہ تھا، اور شہر کے باہر وسیع بستیاں تھیں، ان بستیوں کے گرد ایک فصیل تھی، جس میں چار دروازے یعنی بابُ النَّجّارِیَّہ، باب سَمَرقند، باب کِش اور باب غُوبذِین تھے۔ نَسَف اس دریا کے کنارے واقع تھا۔ جس کی نسبت بیان ہو چکا ہے کہ وہ علاقۂ کِش سے آنے والے متعدد دریاؤں کے ملنے سے بنا تھا۔ اس دریا کے کنارے راس اَلقَنطَرہ کے مقام پر حاکم شہر کا محل تھا۔ مجبس حاکم کے محل سے

[1] اصطخری ص ۳۲۴+ابن حوقل ص ۳۷۵، ۳۷۶+مقدسی ص ۲۸۲+علی یزدی ج ۱ ص ۱۰۳، ۳۰۰+

متصل واقع تھا، اور جامع مسجد باب غوبذین کے پاس تھی۔ شہر کے بڑے بازار مجلس اور جامع مسجد کے درمیان واقع تھے۔ باب النجاریہ میں داخل ہوتے ہی محلے آتا تھا۔ مقدسی نے نخشب کے عمدہ انگوروں کی تعریف کی ہے، اور یہاں کے بازاروں کی خوبی بیان کی ہے۔ شہر کے گرد اچھی اچھی کھیتیاں اور پھلوں کے باغ تھے۔ لیکن نسف کے گرد کش کی طرح بڑے بڑے علاقے نہ تھے۔

تاریخ میں نسف یا نخشب کی شہرت کا باعث یہ ہوا کہ دوسری (آٹھویں) صدی کے نصف آخر میں اسی شہر سے المقنع یعنی وہ مشہور شخص جسے انگریزی میں "خراسان کا نقاب پوش پیغمبر" کہتے ہیں، ظاہر ہوا تھا اور یہیں اس نے اپنے معجزے دکھائے تھے۔ ہر رات کو نخشب کے کنوئیں سے چاند یا کم از کم چاند کا ایک شبہ، نکل کر دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کرتا تھا۔ اہل ایران مقنع کو بالعموم ماہ سازندہ کہتے تھے۔ تاریخ میں مذکور ہے کہ اس کے پیروؤں کی بغاوت نے برسوں تک خلیفہ مہدی عباسی کے سپہ سالاروں کو پریشان رکھا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں مغلوں کی یورش کے بعد شہر نخشب کا یہ حال ہوا کہ پرانے شہر کے موقع سے کم و بیش دو فرسخ کے فاصلے پر کبک خان نامی ایک شخص نے اپنے لئے ایک محل بنوایا۔ چونکہ مغلوں کی زبان میں محل کو قرشی کہتے تھے اس لئے اس محل کے گرد جو آبادی قائم ہوئی اسے قرشی کہنے لگے، اور اس آبادی نے پرانے شہر نسف یا نخشب کی جگہ لے لی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اوائل میں ابن بطوطہ قرشی میں کچھ زمانہ تک رہا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ باغوں سے گھرا ہوا ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور اکثر قرشی میں موسم سرما بسر کیا کرتا تھا، اور بعد میں اس نے اس کے قریب ایک حصار یا قلعہ بنوایا تھا۔[1]

(۴۷۱)

[1] اصطخری ص ۳۲۵ + ابن حوقل ص ۳۷۷، ۳۷۸ + مقدسی ص ۲۸۲ + قزوینی ج ۲ ص ۳۴۲ + ابن بطوطہ ج ۳ ص ۲۸ + علی یزدی ج ۱ ص ۱۱۱ +

چوتھی (دسویں) صدی اور اُس کے بعد کے زمانہ میں نَسَف کے قریب دو شہر تھے، دونوں میں ایک ایک جامع مسجد اپنی علحدہ تھی۔ ایک شہر کا نام، جو چھوٹا تھا بَزدہ یا بَزدَوَہ تھا۔ یہ ایک مستحکم قلعہ تھا، اور نَسَف سے چھ فرسخ مغرب میں بُخارا جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ دوسرا شہر جو بڑا تھا کَسبَہ تھا۔ یہ نَسَف سے چار فرسخ کی مسافت پر بُخارا ہی کی سمت ہی میں واقع تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں عمدہ بازار تھے۔ نَسَف اور کِش کے درمیان کِش کے مغرب میں ایک مرحلہ کے فاصلے پر نَوقَدِ قُریش کا شہر یا بڑا گاؤں آباد تھا۔ نَسَف سے ایک مرحلہ جنوب مشرق میں باب الحدید (دیکھو صفحہ ۴۴۱ حاشیہ) جانے والی سڑک پر سُونج کا بڑا گاؤں تھا۔ اس سے ایک فرسخ آگے اِسکیفغَن تھا، اور یہ دونوں مقامات دریائے خزار سے، جس کا ذکر گزر چکا ہے، سیراب ہوتے تھے[1]۔

صوبہ سُغد کی پیداواریں اور مصنوعات بہت تھیں۔ بخارا کے تربوز تمام دنیا میں مشہور تھے، اور اس شہر کے پارچہ بافی کے کارخانوں میں قالین، جانمازیں، اور لباس کے لئے عمدہ کپڑے بُنے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ موٹی قسم کے قالین، جن کا فرش مہمان خانوں کے بڑے بڑے کمروں میں کیا جاتا تھا، تیار ہوتے تھے۔ محبسوں میں زین بنائے جاتے تھے، اور دباغی، یعنی چمڑا تیار کرنے کا کام خوب ہوتا تھا۔ مختلف اقسام کے تیل اور چربی دساور کی جاتی تھی۔ سمرقند سب سے زیادہ کاغذ بنانے کے کام میں مشہور تھا، اور یہاں کے کارگاہوں میں سُرخ اور روپہلی کپڑا، زربفت اور ریشم کے کپڑے تیار ہوتے تھے۔ یہاں کے ٹھٹھیرے پیتل کے بڑے بڑے دیگچے تیار کرتے تھے۔ شہر کے اور کاریگر بھی طرح طرح کی چیزیں تیار کرتے تھے گھوڑوں کی رکابیں

[1] ابن حوقل ص ۳۶۶۔ ۳۶۸ + مقدسی ص ۲۸۳ + یاقوت ج ۱۔ ص ۶۰۴ + ج ۳۔ ص ۱۹۷ + ج ۴ ص ۲۶۲، ۸۲۵ +

سینہ بند اور تنگ اور طرح طرح مرتبان اور پیالے خوب بنائے جاتے تھے۔ قریۂ جاور کے علاقوں سے فندق اور اخروٹ بکثرت دساور ہوتا تھا۔ بخارا اور سمرقند کے درمیان کرمینیہ کے شہر میں مندیل بنتے تھے، اور شہر دبوسیہ سے مختلف قسم کا کپڑا اور زربفت تیار ہو کر آتا تھا۔ ربنجن سے سرخ نمدے، قالین کی جانمازیں اور ٹین کے پیالے دساور ہوتے تھے، ان کے علاوہ اس شہر سے کمانیں، سن کی رسیاں، اور گندھک بھی باہر بھیجی جاتی تھی۔ جاڑے کا چاول بھی اس علاقہ میں بویا جاتا تھا۔[1] (۴۷۳)

جیسا کہ تیسویں باب (صفحہ حاشیہ ۴۳۱) میں بیان ہوا خراسان کی بڑی سڑک آمویہ سے آگے فربر پہنچنے کے لئے دریائے جیحون کو عبور کرتی تھی۔ فربر سے آگے بیکند سے گزر کر بخارا کی (اسمعیل سے زائد دور والی) بڑی فصیل میں سے ہوتی ہوئی بخارا پہنچتی تھی۔ دارالحکومت بخارا سے خراسان کی سڑک دریائے سغد کے چڑھاؤ کے رخ اس کے کنارے کنارے چلی گئی تھی اور سغد کے بڑے شہروں میں سے گزرتی ہوئی سمرقند آتی تھی۔ سڑک کے اس حصہ کا حال چند معمولی جزوی اختلافات کے ساتھ ابتدائی زمانہ کے تمام مصنفوں نے بیان کیا ہے۔ ابن حوقل اور مقدسی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اور سمرقند کے علاقوں میں جو شہر دور کے تھے ان کے باہمی فاصلے بھی نقل کر دئے ہیں۔[2]

وہ بڑی سڑک جو خراسان سے بلخ آتی تھی (دیکھو صفحہ حاشیہ ۴۳۲) بلخ سے آگے بڑھ کر جیحون اترتی ہوئی ترمذ پہنچتی تھی ترمذ سے بہت سی سڑکیں شمال کی طرف نکل گئی تھیں جو صغانیان اور قبادیان ہوتی ہوئی واشجرد سے تکل سنگ ہو کر وخش اور ختل کے علاقوں میں پہنچتی تھیں۔ ترمذ

---

[1] ابن حوقل ص ۳۹۲ + مقدسی ص ۳۲۴، ۳۲۵ +

[2] ابن خرداذبہ ص ۲۵، ۲۶ + قدامہ ص ۲۰۳ + اصطخری ص ۳۲۳، ۳۴۲ + ابن حوقل ص ۳۹۸، ۴۰۴ + مقدسی ص ۳۴۲، ۳۴۳ +

سے شمال مغرب میں ایک دوسری سڑک باب الحدید تک گئی تھی، اور اس سے ایک مرحلہ آگے کنداکش کے مقام پر اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ دائیں ہاتھ والی شاخ بالکل شمال کی طرف کش ہوتی ہوئی سمرقند گئی تھی، اور بائیں ہاتھ والی سڑک شمال مغرب کی طرف نخشب جاتی تھی۔ یہاں سے سڑک کی ایک شاخ مشرق کی طرف کش چلی جاتی تھی، اور بڑی سڑک بادیہ میں سے گزر کر بخارا پہنچتی تھی۔ ان راستوں کا حال چھوٹی چھوٹی منزلوں میں، اصطخری نے اور کسی قدر مقدسی نے بیان کیا ہے۔ [۱]

خراسان کی سمت سے یعنی آمل سے صوبہ خوارزم میں دریائے جیحون کے ڈلٹا تک پہنچنے کے لئے ایک سڑک جیحون کے بائیں کنارے کنارے طاہریہ گئی تھی، جہاں سے ڈلٹا کے مزروعہ قطعات شروع ہوتے تھے۔ اس سے آگے یہ سڑک ہزاراسپ پہنچی تھی ہزاراسپ سے ایک راستہ بائیں ہاتھ کو خیوہ ہوتا ہوا جرجانیہ (اُرگنج) آگیا تھا، اور دوسرا راستہ کات اور اُن شہروں کی طرف مڑ جاتا تھا جو دریائے جیحون) کے دائیں کنارے واقع تھے۔ ان سڑکوں کا حال مقدسی اور اصطخری نے لکھا ہے۔ انہی دونوں مصنفوں نے اُس راستہ کا حال بھی لکھا ہے جو جنوب مشرق کی سمت میں کات سے سیدھا بخارا تک بادیہ کو طے کرتا ہوا گیا تھا۔ اس کے علاوہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے جنوب سے دو راستوں کا ذکر کیا ہے، جس کا منتہا اُرگنج تھا۔ ان میں سے ایک راستہ فَرَاوہ (موجودہ قزل اَرواط دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۸۰) سے بادیہ میں سے ہوتا ہوا شمال کی سمت میں اُرگنج جاتا تھا، اور دوسرا مرو سے ریگستان کو قطع، اور بہت سے مقامات پر ریگ رواں میں سے گزرتا ہوا آخر کار طاہریہ پہنچ جاتا تھا جو دریائے جیحون کے کنارے واقع تھا۔ اس آخری سڑک کا حال مصنف جہان نمائے (۴۷۳)

---

[۱] اصطخری ص ۳۳۷ ۔ ۳۴۱ ؛ ابن حوقل ص ۳۹۹ ۔ ۴۰۳ ؛ مقدسی ص ۳۴۲ ۔ ۳۴۴ ۔

بھی بیان کیا ہے۔ سبزوار سے یہ سڑک تقریباً وہی راستہ صوبۂ خراسان کے دارالحکومت جُرجانیّۃ کی طرف اختیار کرتی ہے، جس کا ذکر عرب جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳ + ابن حوقل ص ۴۰۰، ۴۰۲، ۴۰۴ + مقدسی ص ۳۴۳، ۳۴۴ + مستوفی ص ۱۹۷، ۱۹۸ + جہان نما ص ۳۵۷ +

(۴۷۴)

باب سی و چہارم

دریائے سیحون کے صوبے

صوبۂ اُشرُوسنہ۔ دارالحکومت بُون جکث۔ زامین اور دوسرے شہر۔ صوبۂ فرغانہ۔ دریائے جیگسارٹیز یا سیحون۔ اَخسیکث اور اَندیجان۔ اُوش، اُوزکند اور دوسرے شہر۔ صوبۂ شاش۔ شہر شاش یا بِنکث بناکس یا شَہرُوخیہ۔ اور دوسرے شہر۔ علاقۂ ایلاق، شہر تُونکث، اور خشت کی چاندی کی کانیں۔ علاقۂ اِسبیجاب۔ شہر اِسبیجاب یا سَیرام جمکند اور فاراب۔ یا اُترار۔ یَنّی اور صبران۔ جند اور ینغیکند۔ طراز اور مِیرکی۔ ترکوں کے بعید علاقوں کے شہر۔ دریائے سیحون کے ملکوں کی پیداواریں۔ سمرقند کے شمال کے راستے۔

صوبہ اُشرُوسنہ، جسے اُسترُوشنہ، سُرُوشنہ اور سُترُوشنہ بھی لکھا جاتا ہے، سمرقند سے مشرق میں دریائے سُغد کے دائیں کنارے والے علاقوں اور دریائے جیحون کے بائیں کنارے والے علاقوں کے درمیان واقع تھا، یہ صوبہ نہ دریائے سُغد کا صوبہ کہلایا جا سکتا تھا اور نہ

دریائے سیحون کا، بلکہ وہ ایک ملک ہموار زمینوں اور پہاڑیوں کا تھا، اور اس میں سے کوئی بڑا دریا بھی نہ گزرتا تھا۔ عرب جغرافیہ نویسوں کی تحریر کے مطابق اس صوبہ کی مشرقی حد پامیر (قامر) پر ختم ہوتی تھی۔

صوبہ کا صدر مقام شہر اُشْرُوسَنَہ (مدینۃ اُشْرُوسَنَہ) تھا، جسے بُوْن جکث، بنجکث یا بنو جکث بھی کہتے تھے۔ اس شہر کا موقع وہی تھا جہاں آج کل اُرَتْیَپَہ کا شہر ہے[1]۔ چوتھی (دسویں) صدی میں بُون جکث کی آبادی دس ہزار تھی۔ اس کے مکانات کچی اینٹوں اور لکڑی کے تھے، اس کا ایک اندرونی حصہ تھا، اس کے گرد فصیل تھی، اور اس کے باہر جو آبادی تھی اس کے گرد ایک دوسری فصیل تھی۔ اندر والے حصہ کی فصیل میں دو دروازے تھے، یعنی باب الاعلیٰ اور باب المدینہ اور اسی حصہ میں قلعہ اور حبس، جامع مسجد اور شہر کے بازار واقع تھے۔ ایک بڑی نہر اس اندر والے شہر میں سے گزرتی تھی، اور اس نہر کے کنارے بہت سی پن چکیاں تھیں۔ شہر کی باہر والی بستی کے گرد جو فصیل تھی اس کے اندر بہت سے باغ تھے، اور اس فصیل کا دور تین فرسخ تھا۔ اس میں چار دروازے تھے، یعنی باب اِمین، باب مَرْسَمَنْدَہ، باب نوجکث اور باب کہلاباذ۔ شہر کی زمینوں کو چھ چھوٹی چھوٹی ندیاں، جن کے نام ابن حوقل نے لکھے ہیں، خوب سیراب کرتی تھیں۔ یہ قریب کی پہاڑیوں سے نکلتی تھیں، اور

(۴۷۵)

[1] صوبۂ اشروسنہ کے دارالحکومت بون جکث کو پنجیکنٹ (پنجکنت) سے جو سمرقند کے مشرق میں تھا، خلط ملط نہ کرنا چاہیے۔ صوبۂ اشروسنہ کے دارالحکومت کے موقع کا تعین سیاحت ناموں سے کیا جا سکتا ہے۔ (دیکھو ابن خرداذبہ ص ۲۹ + قدامہ ص ۲۰۷ + اور اصطخری ص ۳۴۴)۔ اور ان کے علاوہ موجودہ روایات بھی ہم کو اس معاملہ میں مدد دیتی ہیں۔ دیکھو شولر (Schuyler) کی کتاب (Turkistan) ج ۱، ص ۳۱۲)؛ + اصطخری ص ۳۲۵ + ابن حوقل ص ۳۷۹ + مقدسی ص ۲۶۵ + یاقوت ج ۱، ص ۲۷۵، ۲۲۵، ۲۷۰، ۲۷۴، ۴۴۷ +

تقریباً نصف فرسخ چل کر تون جکت میں سے گزرتی تھیں۔ ان نہروں کے
کنارے پر دس پن چکیاں تھیں۔ شہر کی شہرت اس کے سر سبز اور خوشنما
باغوں سے تھی۔

زامین کا شہر، جو اب تک موجود ہے، تون جکت سے مشرق کی سمت
میں تھا۔ زامین میں خراسان کی بڑی سڑک کی جو بخارا اور سمرقند سے
ہوتی ہوئی یہاں آئی تھی، دو شاخیں ہو جاتی تھیں ایک شاخ شمال
میں شاش (تاشکند) کو جاتی تھی اور دوسری شاخ شمال مشرق کی سمت
میں فرغانہ کو بلکہ اس سے بھی آگے چلی گئی تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی
زامین وسعت میں تقریباً دارالحکومت تون جکت کے برابر تھا۔ یہ بہت قدیم
شہر تھا، اور پرانے زمانہ میں اسے سوسندا کہتے تھے۔ شہر میں ایک عمدہ
جامع مسجد اور اچھے بازار تھے، اس کے گرد باغ تھے لیکن شہر کے گرد
فصیل نہ تھی۔ ایک ندی شہر میں سے گزرتی تھی، جس کو عبور کرنے کے لئے
کشتیوں کے بہت سے پل تھے۔ ساباط کا شہر بھی اب تک موجود ہے۔
یہ زامین اور تون جکت کے درمیان فرغانہ جانے والی سڑک پر واقع تھا۔
مقدسی نے لکھا ہے کہ ساباط بہت مشہور شہر تھا، اور بہت سے باغات
اور ثمرستان اس کی ندیوں کے کنارے واقع تھے[1]۔

صوبہ اشروسنہ کے شہروں کے نام بھی فہرستوں میں ملتے ہیں۔
لیکن ان کے حالات بیان نہیں ہوئے ہیں، اور ان میں سے اکثر کا موقع
بھی دریافت نہیں ہوا ہے۔ جو شہر اب تک باقی ہیں، یا جن کی جائے وقوع
سیاحت ناموں سے معین کی جا سکتی ہے حسب ذیل ہیں:۔ دیزک
جسے جیزک بھی کہتے تھے۔ یہ زامین کے شمال مغرب میں ہے۔ دیزک
کے جنوب میں سمرقند سے آنے والی سڑک پر خرقانہ کا بڑا شہر تھا۔
خاوس یا خاوص اس سڑک پر ہے جو زامین سے شمال کی طرف شاش

[1] اصطخری ص ۳۲۶، ۳۲۷؛ ابن حوقل ص ۳۷۹، ۳۸۰؛ مقدسی ص ۲۷۷۔

جاتی ہے۔ کوکث صوبۂ فرغانہ کی سرحد پر ساباط اور خجندہ کے وسط
میں واقع ہے۔ مینک اور مرسمندہ کے دو چھوٹے چھوٹے شہروں کا
موقع صحیح معلوم نہیں، کیونکہ ان میں سے کسی کا ذکر سیاحت ناموں میں نہیں (۴۷۶)
آیا ہے۔ لیکن شہر بون جکث کے باب مرسمندہ سے اگر اندازہ لگایا جائے
تو شہر مرسمندہ ضرور دارالحکومت (بون جکث) کے قریب ہوگا۔
مرسمندہ پہاڑیوں میں واقع تھا، اس کی آب و ہوا سرد تھی، اور اس
میں بہت سی ندیاں تھیں، لیکن بلندی کی وجہ سے یہاں باغ اور نخلستان
کم تھے۔ مقدسی نے یہاں کے عمدہ بازاروں کا ذکر کیا ہے۔ شہر کی
جامع مسجد انہی بازاروں میں واقع تھی، کیونکہ مرسمندہ بڑا معمور مقام
تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مینک کا شہر مرسمندہ کے قریب تھا۔ یہ شہر اس
وجہ سے مشہور تھا، یہاں عرب سپہ سالار قتیبہ بن مسلم نے، جو ماوراء النہر
کی پہلی اسلامی فتح کے وقت اسلامی فوج کا سپہ سالار تھا، ایک بڑی
لڑائی لڑی تھی۔ اس کے علاوہ اسی شہر مینک میں خلیفہ معتصم کے
بڑے معتمد اور سپہ سالار افشین کا قصر تھا۔ مرسمندہ اور مینک دونوں
کے قریب لوہے کی کانیں تھیں، یہاں کا فولاد نہایت عمدہ ہوتا تھا، اور
جو اوزار اس کے تیار کیے جاتے تھے وہ خراسان بھیجے جاتے تھے۔
بلکہ خاص بغداد میں بھی لوگ بہت شوق سے انہیں خریدتے تھے[1]

جکسارٹیس (Jaxartes) کے بڑے دریا کو جیسا کہ اوپر بیان
ہوا (دیکھو صفحہ حاشیہ ۴۴۳) عرب سیحون یا سیحون کہتے تھے۔ لیکن عام طور
پر یہ نہر الشاش (یعنی شاش یا پرانا تاشقند کا دریا) کہلاتا تھا، کیونکہ
اس کے کنارے کے قریب شاش ہی سب سے بڑا شہر تھا۔ آٹھویں (چودھویں)
صدی میں مستوفی کی تحریر کے مطابق، اس ملک میں جو مغل آباد تھے وہ اس

---

[1] اصطخری ص ۳۲۶، ۳۴۳؛ ابن حوقل ص ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳؛ مقدسی ص ۲۷۸؛
یاقوت ج ۲ ص ۳۶۵، ۷۲۵، ۱۰۔

دریا کو گل زریان کہتے تھے۔ مگر ترک اس وقت سے لے کر آج تک اسے بالعموم سیر دریا یا سیر خوری کہتے چلے آتے ہیں، اور ابوالغازی نے بھی اس کا یہی نام لکھا ہے۔

ابن حوقل کے بیان کے مطابق دریائے سیحون ترکوں کے ملک سے نکلتا تھا، اور بہت سی دریاؤں کے ملنے سے بنتا تھا۔ یہ دریا وسیع وادی فرغانہ کی مشرقی سرحد میں اوزکند کے قریب سے داخل ہوتا تھا، اور صوبۂ فرغانہ اس دریا کے ابتدائی حصہ کے شمال اور جنوب میں دو سو یا اس سے زیادہ میل تک پھیلا چلا گیا تھا۔ سیحون کے راستہ میں جو مشرق سے سیدھا مغرب کی طرف بہتا ہوا گیا تھا بہت سے معاون دریا صوبۂ فرغانہ میں سے گزر کر اس میں شامل ہوئے تھے۔ ان معاون دریاؤں کے نام نہر خرشان دریائے اُرَست دریائے قُبا اور نہر جِداغِل وغیرہ تھے۔ ان میں جِداغِل غالباً وہ دریا تھا جسے آج کل نَرِین کہتے ہیں۔ دریائے سیحون فرغانہ کے دارالحکومت اَخسِیکَث کی دیواروں کے نیچے سے گزر کر خُجَندَہ پہنچتا تھا، اور یہاں وہ بالآخر صوبۂ فرغانہ سے باہر نکل آتا تھا۔ اس کے بعد سیحون شمال کی طرف بہنے لگتا تھا، اور دو دریا یعنی نہر اِیلاق اور نہر ترک دائیں طرف سے اُس میں ملتے تھے، اور دریائے سیحون علاقہ ہائے ایلاق اور تاشقند کے مغرب میں بہتا ہوا آگے بڑھتا تھا اور ان دونوں کو پیچھے چھوڑ کر آخر کار اضلاع اِسپیجاب میں آجاتا تھا۔ اس کے بعد دشت غُزّ اور قبائل ترک کے صحراء سے بہتا ہوا بہت سی شاخوں میں تقسیم ہو کر بحیرہ ارال کے شمال مشرقی حصہ میں گر جاتا تھا۔ (۴۷۷)

عرب جغرافیہ نویسوں کا بیان ہے کہ دریائے جیحون کی طرح دریائے سیحون میں بھی کشتیاں چل سکتی تھیں۔ جاڑے میں سیحون دریائے جیحون

---

[1] اسی وجہ سے غالباً عرب نَرِین کو (Naryn) کہ سیر دریا کے شروع کے معاونوں میں سب سے بڑا تھا دریائے سیحون کا اصلی دھارا سمجھتے تھے۔

سے زیادہ مدت تک منجمد رہتا تھا قافلے اسی سطح پر چل کر دریا اترتے تھے۔
از سیحون کا طول جیحون سے دو ثلث سمجھا جاتا تھا۔[۱]

صوبہ فرغانہ زمانہ حال سے چند سال قبل تک بالعموم خانات خوقند
کہلاتا تھا لیکن روسی حکومت میں شامل ہونے پر سرکاری طور پر اس کا پرانا
نام یعنی فرغانہ پھر رائج ہوگیا۔ زمانہ وسطے کے اوائل میں اس صوبہ کا
دارالحکومت شہر اخسیکث تھا، جسے ابن خرداذبہ اور دیگر مصنفوں نے
مدینہ فرغانہ لکھا ہے۔ یہ شہر جیحون کے شمالی کنارے پر واقع تھا۔
اس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ دسویں (سولھویں) صدی میں جب
بابر فرغانہ کا بادشاہ تھا تو یہی شہر اخسیکث اخسی کے مختصر نام سے صوبہ
فرغانہ میں دوسرے درجہ کا شہر سمجھا جاتا تھا۔ ملک کا دارالحکومت اس
وقت اندیجان تھا۔

ابن حوقل لکھتا ہے کہ اخسیکث ایک بڑا شہر تھا؛ اس میں ایک
قلعہ تھا، جس میں جامع مسجد، حاکم کا محل اور محبس واقع تھا؛ اور اندر والے
شہر کے باہر ایک وسیع ربض تھا۔ یہ اندرونی شہر باعتبار وسعت عرض و طول
میں ایک ایک میل تھا۔ اس میں سے بہت سی ندیاں گزری تھیں، اور یہ
سب کی سب ایک بڑے تالاب میں گرتی تھیں۔ شہر کے اندر، اور شہر
سے باہر کی بستی (ربض) میں بازار تھے، اور باہر کی بستی کے گرد ایک فصیل
تھی۔ اندر والے شہر کی فصیل میں پانچ دروازے تھے؛ یعنی:۔ باب کاسان
باب الجامع، باب رھانہ، اس کے بعد ایک دروازہ تھا، جس کا نام
مشکوک ہے، لیکن اُسے باب بجختر پڑھا جاسکتا ہے، سب سے آخر میں
باب المرد قشہ تھا۔ شہر کے گرد باغ ہی باغ تھے، اور باہر والی فصیل

---

[۱] ابن حوقل ص ۳۹۲، ۳۹۳، مقدسی ص ۲۲؛ یاقوت ج ۲ ص ۲۱۰، مستوفی ص ۲۱۵؛ حافظ ابرو ص ۲۳ (a)؛ جہان نما ص ۳۶؛ ابوالغازی ص ۳۱، ۱۸۱، ۲۹۰۔

کے دروازوں سے دو فرسخ دور تک چلے گئے تھے، اور سیحون کے پار یعنی اس کے جنوبی کنارے کی طرف بڑے سرسبز مرغزار تھے۔ معلوم (۴۷۸) ہوتا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی کے اوائل میں محمد خوارزم شاہ کی لڑائی میں اخسیکث بھی فرغانہ کے اور شہروں کے ساتھ تباہ ہوا، اور اس تباہی میں جو کچھ کسر رہ گئی تھی وہ مغلوں کی یورش نے پوری کر دی۔ اس کے بعد اَندِیجان صوبۂ فرغانہ کا دارالحکومت ہو گیا۔ تیمور کے زمانہ میں علی یزدی نے اخسیکث کا نام اخسیکنت یا اخسیکث لکھا ہے اور ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ بابر کے عہد میں اسی نام کو مختصر کرکے اخسی کر دیا گیا تھا۔[1]

مستوفی کی تحریر کے مطابق کیدو خاں نے، جو چنگیز خان کے بیٹے اوگتائے کا پوتا تھا اَندِیگان (موجودہ نام اَندِیجان) کو ساتویں (تیرھویں) صدی کے نصف آخر میں فرغانہ کا دارالحکومت قرار دیا۔ اَندیگان یا اَندُکان کا نام شہروں کی اُس فہرست میں ملتا ہے جو ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں نقل کی ہے۔ یاقوت نے بھی اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ لیکن کسی نے اس کے حالات نہیں لکھے، حالانکہ علی یزدی نے تیمور کی

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۳۰۔ اصطخری ص ۳۳۳ + ابن حوقل ص ۳۹۳، ۳۹۴ + مقدسی ص ۲۷۱ + قزوینی ج ۲۔ ص ۴۲۵ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۱۴۴ + ج ۲۔ ص ۶۳۳ + روسی نقشے پر جسے شویلر (Schuyier) نے اپنی کتاب Turkistan ج ۱۔ ص ۳۳۶ پر نقل کیا ہے اخسی کو موجودہ مقام نمنگن سے جنوب مغرب میں تھوڑے فاصلہ پر دکھایا گیا ہے۔ نام کے آخر میں جو کث یا کاث آیا ہے وہ درحقیقت قند یا کنت کا مترادف ہے، اور یہ دونوں لفظ وسط ایشیا کے شہروں کے اکثر ناموں میں آتے ہیں۔ ترکی زبان میں قند یا کنت کے معنی "شہر" یا "موضع" کے ہوتے ہیں۔ یاقوت نے بھی اپنی کتاب ج ۱ ص ۴۰۴، ۴۰۳ میں یہی معنے بالکل صحیح طور پر لکھے ہیں۔ دیکھو نوز کاث (نئی دیوار) جو خوارزم میں تھی، اور جس کا ذکر صفحہ حاشیہ ۵۰۴ پر آیا ہے۔

فوجی مہموں کے ذکر میں اس شہر کا نام اکثر لیا ہے۔ سیاحت ناموں سے قیاس ہوتا ہے کہ قُبا کا شہر، جو چوتھی (دسویں) صدی میں ایک بڑا مقام تھا، ضرور اَندیکان کے قریب واقع ہوگا۔ اصطخری لکھتا ہے کہ قُبا وسعت میں تقریباً اَخسیکث کے برابر تھا، اور اُس کے باغات اَخسیکث کے باغوں سے بھی زیادہ وسیع تھے۔ اس شہر کے میدان یا بیچ کے چوک میں جامع مسجد کے قریب ایک مضبوط قصر تھا۔ شہر کے باہر رَبَض بھی تھا جہاں حاکم کا محل اور محبس تھا۔ اس رَبَض کے گرد ایک مستحکم فصیل تھی، اور فصیل کے اندر بہت سے بازار تھے جن میں سامان تجارت کی افراط تھی۔[1]

اَخسیکث اور قبا کے درمیان نصف راہ پر اُشتیقان کا شہر واقع تھا، جس کے بازاروں میں ایک جامع مسجد تھی۔ قُبا کے مشرق میں اُوش تھا، جس کی حیثیت چوتھی (دسویں) صدی ہی میں ایک بڑے شہر کی قائم ہو چکی تھی۔ اُوش کے قلعہ میں حسب معمول حاکم کا محل اور محبس واقع تھا۔ اندر والے شہر کے گرد فصیل تھی، اور باہر شہر کے گرد جو بستی تھی اس کے گرد بھی فصیل تھی۔ اس باہر والی بستی کے مکانات ایک پہاڑی کے اوپر دور تک چلے گئے تھے۔ باہر والی فصیل میں تین دروازے تھے، یعنی باب الجبل، باب الماء اور باب المغکدہ۔ شہر کی جامع مسجد (۴۷۹) رَحَبہ یا چوک میں واقع تھی، اور اس کے گرد بازار تھے۔ قریب ہی ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک بہر جنگ خانہ (رباط) تھا، جس میں سپاہی (یعنی رضاکار) مقیم تھے۔ یہ لوگ ترکی قبائل کی یورش سے شہر کی حفاظت کرتے تھے۔ اُوش سے آگے اُوزکَنَد صوبۂ فرغانہ کا سب سے زیادہ مشرقی شہر واقع تھا، اسے وسعت میں اُوش سے دو ثلث بتایا گیا ہے۔ اُوزکند بھی ایک زرخیز علاقہ میں واقع تھا۔ اس میں ایک قلعہ تھا، اور اندر والے

---

[1] اصطخری ص ۳۳۳؛ ابن حوقل ص ۳۹۴، ۳۹۵؛ مقدسی ص ۲۷۲؛ مستوفی ص ۲۲۸؛ یاقوت ج ۱۔ ص ۲۷۵؛ ج ۴۔ ص ۲۴؛ علی یزدی ج ۲۔ ص ۶۲۳؛

شہر کی فصیل خوب مضبوط تھی۔ اُس کے باہر ایک بستی تھی جس کے بازاروں میں ترک سوداگروں کی آمد و رفت اکثر ہا کرتی تھی۔ بیرونی بستی کے گرد ایک فصیل تھی، جس میں چار دروازے تھے ان میں ایک دروازے کے سامنے سے دریا گزرتا تھا۔ بستی کے بازار میں جامع مسجد تھی۔

صوبۂ فرغانہ کا وہ حصہ، جو دریائے سَیحُون کے جنوب میں تھا، علاقۂ نَسمیا یا نَسائیہ کہلاتا تھا۔ اس کا کچھ حصہ بلند تھا اور کچھ نیچا، اور اسی لحاظ سے ایک حصہ کو نسائیہ بلند اور دوسرے کو نسائیہ پست کہتے تھے نسائیہ بلند پہاڑیوں میں واقع تھا۔ اور نسائیہ پست کا شہر مَرغِینان (موجودہ مَرغیلان) تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ ایک ایک چھوٹا سا شہر تھا، مگر اس کے بازار میں جامع مسجد موجود تھی۔ اس کے مغرب میں رِشتَان کا شہر تھا۔ شروع زمانہ میں یہ بڑا شہر تھا۔ اور اُس میں ایک خوبصورت جامع مسجد تھی۔ خُوقند، جو حال ہی میں فَرغانہ کا دارالحکومت قرار پایا ہے اور جس کے نام سے خانات خُوقند موسوم ہے۔ اُس کا ذکر نَسائیہ بلند کے شہروں میں محض ضمناً آگیا ہے اور اُس کا نام خواکند یا خُواقند لکھا گیا ہے۔

سَمرقند سے صوبۂ فرغانہ کو جاتے ہوئے جو پہلا شہر اس صوبہ کے مغربی حصہ میں آتا تھا وہ خُجَندہ تھا۔ یہ دریائے سَیحُون کے بائیں ہاتھ والے کنارے پر واقع تھا، اور اس سے مُتصل، ایک فرسخ جنوب کی طرف کَند کی باہر والی بستی تھی۔ خُجَندَہ کا بڑا لمبا شہر دریا کے کنارے دور تک واقع تھا، عرض اُس کا زیادہ نہ تھا۔ اس میں ایک مستحکم قلعہ تھا، جس میں محبس تھا۔ جامع مسجد شہر کے اندر تھی۔ حاکم کا محل باہر والی بستی کے میدان یا چوک میں تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ خُجَندہ ایک نہایت خوشگوار شہر تھا، اور یہاں کے باشندوں کے پاس دریائے سیحون پر چلانے کے لیے کشتیاں تھیں۔ شہر کے باہر جو بستی تھی وہ خاص طور پر کند بادام کہلاتی تھی، اور قزوینی اس نام کی وجہ تسمیہ یہ لکھتا ہے کہ یہاں ایک خاص،

قسم کا یا دام ہوتا تھا، جو اس لئے مشہور تھا کہ اس کا چھلکا بہت آسانی سے منقش جنگلی پتا ملنے سے اتر جاتا تھا۔[1]

(۴۸۰) صوبۂ فرغانہ کے شمالی حصے کے شہروں کا حال یعنی اس سرزمین کے شہروں کی کیفیت جو دریائے سیحون کے دائیں کنارے پر آباد تھے ابتدائی زمانہ کی بہت کم معلوم ہے۔ مقدسی شہر وانکث کے متعلق لکھتا ہے کہ اس میں ایک جامع مسجد اور عمدہ بازار تھے۔ سیاحت ناموں سے پتہ چلتا ہے کہ آخسیکث کے مغرب میں سات فرسخ اور سیحون کے کنارے سے ایک فرسخ کے فاصلے پر وانکث آباد تھا اور ایلاق کے سرحد سے وہ زیادہ دور نہ تھا۔ وانکث کے شمال میں پہاڑیوں میں خیرلم یا خیلام واقع تھا۔ یہ علاقہ میان روذان (یعنی دریاؤں کے درمیانی علاقہ) کا ایک شہر تھا۔ اس میں ایک خوبصورت جامع مسجد اور عمدہ بازار تھے۔ خیرلم کے شمال میں شکت یا ششکت کا شہر واقع تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں اخروٹ اس کثرت سے پیدا ہوتا تھا، کہ ایک چاندی کے درہم کے ایک ہزار اخروٹ ملتے تھے۔ یہاں بھی بازار میں ایک جامع مسجد تھی۔ قاسان کا شہر اب تک موجود ہے، اور ابتدائی جغرافیہ نویسوں نے لکھا ہے کہ یہ شہر قاسان نام کے علاقہ میں واقع تھا۔ یاقوت نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ قاسان میں ایک مستحکم قلعہ تھا، اور اس کے دروازے کے پاس سے ایک ندی گزرتی تھی، جو آخسیکث کے مقام پر سیحون میں گر جاتی تھی۔ قاسان سے شمال میں علاقہ چاغل تھا جس کا بڑا شہر اردلانکث تھا۔ اردلانکث کے مشرق (و شمال) میں علاقہ کروان تھا، اور اس کا بڑا شہر نجم کہلاتا تھا۔ مقدسی نے اور متعدد شہروں کے

---

[1] اصطخری ص ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۴۷ + ابن حوقل ص ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۴، ۳۹۵ + مقدسی ص ۲۶۲، ۲۷۲، ۳۲۳، ۳۲۴ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۰۴ + ابوالفداء ص ۴۹۰ + قزوینی ج ۲۔ ص ۳۷۲ +

حالات مختصراً لکھے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان کے موقعوں کا کہ دراصل وہ کہاں آباد تھے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ [1]

فرغانہ کی مغربی جانب علاقۂ شاش تھا، جس کی نسبت اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ وہ سیحون کے دائیں کنارے یا اس دریا کے شمال مشرق میں واقع تھا۔ جن کھنڈروں کو آج کل تاشکند کہتے ہیں وہیں ایک شہر آباد تھا جسے عرب شاش اور اہل ایران چاچ کہتے تھے۔ شاش زمانۂ وسطیٰ میں عربوں کے سیحون کے پار والے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس شہر کو بنکث [2] بھی کہتے تھے ماوراء النہر کے اور بہت سے شہروں کے بھی دو دو نام تھے، ایک ایرانی اور دوسرا تورانی۔

چوتھی (دسویں) صدی میں شاش ایک ایسا شہر تھا جس کے بہت سی فصیلیں تھیں۔ سب سے پہلے اندر والا شہر مع ایک قلعہ یا قصر کے تھا۔ یہ قلعہ گو شہر سے الگ تھا لیکن اس سے متصل واقع تھا۔ ان دونوں، یعنی شہر اور قلعہ کے گرد ایک فصیل تھی۔ اندر والے شہر کے باہر شہر سے متعلق ایک اندر والی بستی تھی، اور اس بستی کے گرد ایک فصیل اپنی الگ تھی۔ اس کے باہر ایک باہر والی بستی تھی، جس میں بہت سے باغ اور قبرستان تھے۔ اس کے گرد بھی فصیل تھی۔ اس طرح تین فصیلیں شمار میں تین تھیں۔ ان کے علاوہ ایک بڑی فصیل تھی، جو بخارا کی عظیم الشان فصیل کی طرح تمام علاقہ پر اس کی حفاظت کے لیے محیط تھی۔ یہ پورے علاقے والی فصیل شاش کے گرد شمال کی طرف ایک نصف دائرہ بناتی ہوئی گئی تھی۔ اس نصف دائرے کا ایک سرا مشرق میں دریائے ترک کے کنارے اور دوسرا سرا مغرب میں دریائے سیحون کے کنارے پڑتا تھا۔ (۴۸۱)

---

[1] اصطخری ص ۳۳۳، ۳۴۴؛ ابن حوقل ص ۳۹۶؛ مقدسی ۲۷۱، ۲۷۲؛ یاقوت ج ۴ ص ۲۲۰۔

[2] یہ نام اکثر نقطوں کے غلط لگ جانے کی وجہ سے بینکث لکھا جاتا تھا۔ مثلاً دیکھو یاقوت ج ۱ ص ۷۴۶۔

اب ہم سب سے پہلے اندر والے شہر اور قلعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس قلعہ میں، جس میں حاکم کا محل اور محبس تھا، دو دروازے تھے۔ ایک دروازہ شہر کی طرف کھلتا تھا، اور دوسرا باہر والی بستی کی طرف۔ جامع مسجد قلعہ کی دیوار پر تعمیر کی گئی تھی۔ اندر والے شہر میں جو ہر سمت سے عرضاً ایک فرسخ تھا، چند بازار تھے، اور اُس میں تین دروازے تھے۔ پہلے ابو العباس کا دوہرا دروازہ [باب بنی العباس] پھر باب کِش جو غالباً جنوب کی سمت میں تھا جہاں سے سمرقند سے آنے والی سڑک شہر میں داخل ہوتی تھی۔ آخر میں باب الجُنَید تھا۔ اندر والی بستی کی فصیل میں دس دروازے تھے۔ (مقدسی نے صرف آٹھ کے نام لکھے ہیں)۔ باہر والی بستی کی فصیل میں سات دروازے تھے، جن سب کے نام ابن حوقل نے احتیاط سے لکھے ہیں۔ اندر والی بستی میں شاش کے بڑے بڑے بازار واقع تھے۔ تمام شہر میں نہروں کا پانی نالیوں کے ذریعہ سے بافراط پہنچتا تھا، اس کے بعد اُس پانی سے وہ باغ اور ثمرستان سیراب ہوتے تھے، جو فصیلوں کے اندر واقع تھے۔

پورے علاقہ کے گرد والی فصیل جہاں شہر کے بہت قریب آگئی تھی وہاں اُس کا فاصلہ باہر والی بستی کی فصیل کے دروازے سے ایک فرسخ تھا۔ یہ فصیل مشرق میں دریائے تُرک کی ایک پہاڑی سے، جسے جبل سایلغ کہتے تھے شروع ہوتی تھی، اور وہ وسیع و ہموار علاقہ جو اس فصیل کے اندر تھا، اَلقِلاص کہلاتا تھا۔ یہ بڑی فصیل عبداللہ بن حُمَید نے شاش کو شمال میں ترکوں کی یورشوں سے محفوظ رکھنے کے لئے تعمیر کرائی تھی۔ فصیل سے آگے ایک فرسخ کے فاصلے پر ایک گہری خندق کھودی گئی تھی، جو دریائے تُرک کی پہاڑی سے لے کر مغرب میں سیحون کے کنارے تک گئی تھی۔ شاش سے شمال میں اسبیجاب جانے والی سڑک اس بڑی فصیل کے باب الحدید (آہنی دروازے) میں سے گزرتی تھی۔

ساتویں (تیرھویں) صدی کے ابتدائی سنین میں محمد خوارزم شاہ کی

فتوحات کے دوران میں شاش کا ایک حصہ غارت ہو گیا تھا۔ مغلوں کی یورش نے اِن واقعات کے بعد بہت جلد ظہور میں آئی، یہاں کے باشندوں کی مصیبتوں میں اور اضافہ کیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام آفتوں کے بعد شہر بہت جلد پنپ گیا، اور آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب تیمور نے یہاں قیام کیا ہے تو وہ پھر ایک بڑے شہر کی حیثیت حاصل کر چکا تھا۔ علی یزدی نے تیمور کی فوجی مہموں کے حالات لکھنے میں اس شہر کا بارہا تذکرہ کیا ہے اُس نے اس شہر کا نام شاش، چاچ یا تاشکنت لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی ترکی آبادی نے شاش کو بگاڑ کر تاشق کر لیا تھا۔ تاشکنت کے معنے "پتھر والے شہر" کے ہیں۔ اسی نام سے یہ شہر آج کل روسی ترکستان کا دارالحکومت ہے۔ [1] (۴۸۲)

نہر تُرک، جسے آج کل دریائے چرچک کہتے ہیں، شاش کے جنوب مشرق میں بہتا تھا۔ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق یہ دریا چدغل کے پہاڑوں سے دریائے نسرن کے شمال میں اُس علاقہ سے نکلتا تھا جسے اتراک خرخیل کا علاقہ بسکام کہتے تھے۔ دریائے ترک کے جنوب میں نہر ایلاق جسے آج کل دریائے انگرن کہتے ہیں، دریائے ترک کے کم و بیش متوازی چلتا تھا۔ ٹھیک اُس مقام کے قریب جہاں دریائے تُرک سیحون سے ملتا تھا۔ بناکث کا شہر واقع تھا، جو علاقہ شاش کے شہروں میں وسعت کے اعتبار سے دوسرے درجہ کا شہر سمجھا جاتا تھا۔ بناکث جس کا دوسرا نام بناکیت تھا یا جسے اہل ایران فناکنت بھی کہتے تھے، چوتھی (دسویں) صدی میں متحصن نہ تھا لیکن اس کے بازار میں ایک جامع مسجد تھی۔ شہر دریائے سیحون کے کنارے اُس جگہ واقع تھا جہاں خراسان کی سڑک سمرقند سے آتی تھی شاش جاتے ہوئے اس دریا پر سے گزرتی تھی۔ ساتویں (تیرھویں) صدی تک بناکث کی حیثیت

---

[1] قدامہ ص ۲۰۷ + ابن حوقل ص ۳۸۴، ۳۸۶ - ۳۸۸ + مقدسی ص ۲۷۶ + قزوینی ص ج ۲۔ ص ۳۹۲ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۹۴، ۱۰۱، ۱۶۶۔

ایک بڑے شہر کی رہی لیکن اسی صدی میں چنگیز خان کے ہاتھوں بالآخر وہ برباد ہو گیا۔ ایک صدی سے زیادہ عرصہ کے بعد ۸۱۸ھ (۱۴۱۵ء) فناکنت کو تیمور کے پوتے شاہ رخ کے حکم سے دوبارہ تعمیر کیا گیا، اور اب اس کا نام شاہ رخیہ ہوا۔ چنانچہ علی یزدی نے اسی نام سے بارہا اس کا ذکر کیا ہے۔[۱]

بناکت سے شمال کی طرف شاش جانے والی سڑک جینانجکث کے شہر میں سے گزرتی تھی۔ یہ شہر دریائے ترک کے جنوبی یا بائیں کنارے اس مقام پر واقع تھا جو دریائے ترک اور سیحون کے سنگم سے دو فرسخ شمال میں تھا۔ یہ شہر کوئی مستحصن نہ تھا، لیکن چوتھی (دسویں) صدی میں وسعت کے اعتبار سے بڑا شہر تھا، اور اس کے مکانات بھی اینٹ اور لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ سیحون اُتر کر مغرب سمت میں جینانجکث سے ایک مرحلہ جیزک جانے والی سڑک پر وینکرد کا چھوٹا سا شہر تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہ (نسطوری فرقہ کے) عیسائیوں کا ایک گاؤں تھا۔ دریائے ترک کے پار کسی قدر مغرب کی طرف اس زاویہ میں جو دریائے ترک اور دریائے سیحون کے ملنے سے بنتا تھا، شہر اُشتورکث یا اُشترکث (اونٹ والا شہر) واقع تھا۔ یہ شہر خوب مستحصن تھا، مگر مغلوں نے اسے ضرور تباہ کیا ہوگا، کیونکہ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں دیکھا جاتا ہے کہ اس کی جگہ چینانس کا شہر آباد ہے (جو اب تک موجود ہے) اور جس کا نام علی یزدی نے اکثر لیا ہے۔ ابن حوقل اور مقدسی نے علاقہ شاش کے بیس سے زیادہ اور شہروں کے نام لکھے ہیں۔ لیکن تفصیل نہیں لکھی، اور اسی وجہ سے ان تمام شہروں کے موقع اب متعین نہیں کیے جا سکتے ہیں، گو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ تمام ملک، اور جنوب میں علاقہ ایلاق اور شمال میں اسبیجاب نہایت کثرت سے آباد تھا، اور اس میں بہت سے مواضعات ایسے تھے، جو وسعت میں شہروں کے برابر تھے۔

۱؎ اصطخری ص ۳۲۸، ۳۳۰–۳۳۳، ۳۴۵ + ابن حوقل ص ۳۸۷، ۳۸۵، ۳۸۸، ۴۰۵ +

علاقۂ اِیلاق دریائے اِیلاق کے جنوب میں دریائے سیحون کے اس بڑے خم کے شمال میں واقع تھا۔ جو اس دریا نے خجند کے قریب سے اختیار کیا تھا۔ علاقۂ اِیلاق کا صدر شہر تُون کث تھا۔ اس علاقہ میں، جو علاقۂ شاش کے سلسلہ میں تھا، تقریباً بیس بڑے بڑے شہر واقع تھے، جن کے نام ابن حوقل اور مصنفوں نے بیان کئے ہیں۔ لیکن ان کے موقع مطلق دریافت نہیں ہو سکتے ہیں، حتےٰ کہ علاقہ کے صدر مقام تُون کث کا موقع معلوم کرنا بھی ناممکن ہے۔ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق تُون کث دریائے اِیلاق کے کنارے، بظاہر شاش سے آٹھ فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تُون کث شہر شاش کے وسعت میں نصف تھا[1] اور اس سے مُراد ایک مستحکم قلعہ ایک اندر والا شہر اور اس کے باہر کی ایک بستی تھی، جس کے گرد فصیل تھی۔ قلعہ کے اندر حاکم کا محل تھا، اور مجلس اور جامع مسجد دونوں قلعہ کے دروازے پر واقع تھے۔ شہر میں، اور شہر کے باہر کی بستی میں بڑے بڑے بازار تھے اور تمام گرد و نواح کا علاقہ جاری پانی سے بخوبی مہیا تھا۔ شاش اور اِیلاق کے درمیان جس قدر ملک تھا اس میں شہر بکثرت تھے۔ ان شہروں کے نام ابن حوقل نے نقل کئے ہیں، لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہوا، افسوس ہے کہ ان شہروں کے موقع اب شناخت نہیں ہو سکتے۔ جن شہروں کا ذکر ہوا ہے اُن میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ معمور شہر خاشت تھا (جسے خاش، خاس یا خاص بھی لکھا جاتا ہے) یہ شہر علاقۂ اِیلاق میں جہاں پہاڑیوں کی چاندی کی کانیں تھیں ان کے قریب صوبۂ فرغانہ کی سرحد

البقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) مقدسی ص ۲۶۴، ۲۷۶، ۲۷۷ + علی یزدی ج ۱ ص ۱۰۱ + ج ۲ ص ۶۳۶ +

[1] تُون کث بعض مرتبہ کتابت کی غلطی سے تُو کث لکھ دیا جاتا ہے۔ اصطخری ص ۳۳۱، نوٹ ج + شاش اور تُون کث کے درمیانی فاصلے کے متعلق دیکھو۔ اصطخری ص ۳۴۴ + ابن حوقل ص ۴۰۴ +

پر واقع تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ شہر دار الضرب تھا اور یہاں سونے چاندی کے سکے مضروب ہوتے تھے۔ اس شہر کے گرد بہت سے گاؤں تھے۔[1]

شاش کے شمال میں سیحون کے کنارے سے مشرق کی طرف پھیلا ہوا اِسپیجاب یا اَسبیجاب کا وسیع علاقہ یا صوبہ تھا۔ اس علاقہ کے صدر مقام کا نام بھی اِسپیجاب ہی تھا۔ چوتھی صدی میں مقدسی نے اس علاقہ کے تقریباً پچاس ایسے شہروں کا ذکر کیا ہے جو مشہور تھے۔ ان میں سے اب صرف چند شہروں کو شناخت کیا جاسکتا ہے۔

(۴۸۴)

موقع کے لحاظ سے شہر اِسپیجاب کی تطبیق شہر سَیرام سے ہوتی ہے جو دریائے آرِیس یا بَدَم کے کنارے والے شہر چمکنت کے مشرق میں واقع ہے دریائے آرِیس۔ دریائے سَیحون کے دائیں کنارے کا ایک معاون دریا ہے[2] ابن حوقل کی تحریر کے مطابق شہر اِسپیجاب وسعت میں شاش سے ایک ثلث تھا۔ اس میں ایک قصر یا قلعہ تھا۔ ایک اندر والا شہر تھا جس کے گرد فصیل تھی، اس کے باہر ایک بستی تھی، اس کے گرد بھی فصیل تھی۔ بیان ہوا ہے کہ اِسپیجاب کے شہر کا پورا دور تقریباً ایک فرسخ تھا، شہر ہموار زمین پر واقع تھا۔ نزدیک سے نزدیک پہاڑیاں اس سے تین فرسخ کے فصل پر تھیں۔ شہر کے گرد سبز و شاداب باغ تھے۔ شہر کے چار دروازے تھے، اور ہر دروازے کے سامنے

---

۱ اصطخری ص ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۴۵؛ ابن حوقل ص ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۴۰۲-۴۰۴؛ مقدسی ص ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۸

۲ مقدسی ص ۲۶۲-۲۷۴؛ شوئلر (Schuyler) نے اپنی کتاب Turkistan (ج ۱، ص ۷۵) میں شہر اِسپیجاب کو چمکنت کے مطابق بتایا ہے لیکن یہ یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ تاریخ رشیدی کے مترجمین این الیاس (Elias) اور ای ڈی روس (Ross) ص ۱۷۱ میں سیرام کی نسبت لکھا ہے کہ سَیرام وہی ہے جسے پرانی کتابوں میں اِسپیجاب لکھتے تھے۔ اس فارسی عبارت کے لئے دیکھو فولیو ۱۰۵ (b) برٹش میوزیم کا قلمی نسخہ ADD ۲۴۰۹۰۔

ایک رُباط (سرسنگ خانہ) تھا۔ شہر میں اور شہر کے باہر والی بستی دونوں میں بازار تھے، اور شہر میں حاکم کا محل محبس اور جامع مسجد واقع تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ سُوق الکرابیس (یعنی روئی کے سوداگروں کا بازار) خاص طور پر مشہور تھا، اور اس کی دکانوں کا کرایہ، جو خیرات کے کاموں کے لئے وقف تھا، ماہانہ سات ہزار درہم (یعنی تقریباً ساڑھے چار ہزار روپیہ) وصول ہوتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کی یورش کے بعد شہر اِستیجاب کا نام تبدیل کر کے سَیرام رکھ دیا گیا۔ چنانچہ علی یزدی نے تیمور کی فوجی مہموں کا حال لکھنے میں سَیرام کے نام سے اس شہر کا ذکر اکثر کیا ہے۔

چِمکنت کا ذکر بھی جسے چِمینکنت لکھا جاتا ہے علی یزدی نے اکثر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر وہی ہے کہ جس کا نام مقدسی نے جموکث لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ ایک بڑا اور خوب متحصن شہر تھا، جس میں ایک جامع مسجد تھی، اور شہر کے باہر بستیاں تھیں جن میں عمدہ بازار تھے۔[1]

دریائے سیحون کے مشرقی کنارے، اس مقام سے کچھ آگے جہاں دریائے چمکنت سیحون میں گرتا ہے، اور اس گھاٹ پر جہاں سے سیحون اترتے ہیں ایک شہر واقع ہے، جسے پہلے زمانہ میں بارات یا فاراب کہتے تھے، اور بعد کو اُترار کہنے لگے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے تیمور چین پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔ مگر عمر ختم ہو چکی تھی، ۸۰۷ھ (۱۴۰۵ء) میں اس نے یہیں انتقال کیا۔ فاراب یا باراب علاقہ اور شہر دونوں کا نام تھا اور شہر فاراب بعض اوقات علاقہ اِستیجاب دارالحکومت سمجھا جاتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر کے باہر جو بستی تھی وہ کدّر کے نام سے مشہور تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ باراب ایک بڑا شہر تھا، اور اس کی آبادی ستر ہزار تھی۔ یہ متحصن تھا، اس میں ایک قلعہ یا قصر، ایک

(۴۸۵)

[1] اصطخری ص ۳۳۳، ابن حوقل ص ۳۸۹؛ مقدسی ص ۲۶۳، ۲۷۲، ۲۷۵؛ علی یزدی ج ۱ ص ۱۶۶؛ ج ۲ ص ۶۲۳، ۶۳۶۔

جامع مسجد، اور بڑے بڑے بازار تھے۔ کثّا رہیں ایک جامع مسجد الگ تھی اور یہ ایک نیا بسا ہوا شہر تھا۔ قزوینی کا بیان ہے کہ بارِاب کا شہر ایک نمک زار میں واقع تھا۔ تاریخ میں یہ شہر ابو نصر فارابی کا مولد ہونے کی وجہ سے مشہور تھا۔ ابو نصر فارابی نے ۳۳۹ھ (۹۵۰ء) میں وفات پائی۔ یہ بو علی سینا سے قبل مسلمانوں میں سب سے بڑا فلسفی گزرا ہے۔ بہرکیف ابن حوقل لکھتا ہے کہ الفارابی کا اصلی مولد وسیج تھا۔ جو فاراب سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا متحصن شہر تھا۔ اس کے بازاروں میں ایک عمدہ جامع مسجد واقع تھی۔ بعد کے زمانہ میں فاراب کا نام اُتراد (جسے اُطراد بھی کہتے ہیں) ہوگیا جسے ساتویں (تیرھویں) صدی کے اوائل میں مغلوں نے لوٹا تھا۔ لیکن اس کے تھوڑی مدت بعد اسے دوبارہ تعمیر کر دیا گیا، کیونکہ، جیسا اوپر آچکا ہے، اسی شہر کی سرائے یا محل میں تیمور نے وفات پائی تھی۔[1]

سَیرام اور اُتراد کے تقریباً وسط میں اُسبانیکث یا اُسبانیکت کا شہر تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک خوبصورت شہر تھا۔ اس کی اندرونی آبادی میں ایک جامع مسجد تھی، اور فصیل شہر کے باہر ایک بڑی بستی واقع تھی۔ شہر سبانیکث کے گرد کا علاقہ کنجیدہ کا کہلاتا تھا۔ اُتراد سے شمال میں ایک دن کی راہ پر جو دریائے سیحون کے کنارے کسی تھی بنا دغر کا شہر تھا۔ اس کی نسبت بھی مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک بڑا شہر تھا۔

---

[1] ابن حوقل ص ۳۹۰، ۳۹۱ + مقدسی ص ۲۶۲، ۲۷۳ + قزوینی ص ۲، ص ۴۰۵ + ابوالفداء ص ۴۹۳ + ابن بطوطہ ج ۳۔ ص ۲۲ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۱۶۶، ۲۷۵ + ج ۲ ص ۶۴۶ + ابن خلکان مضمون ۱۶۷، ص ۳، ۷ + دریائے سیحون کے کنارے والے باراب یا فاراب (اتراد) اور علاقہ جوزجان کے شہر فاریاب (دیکھو صفحہ حاشیہ ۴۲۵) میں اکثر خلط ملط واقع ہوتا ہے، کیونکہ فاریاب کو بھی باراب کہتے تھے۔

اور خوب متحسن تھا۔ اس کے بازار میں ایک جامع مسجد تھی، اور اس کے
گرد و زرخیز علاقے تھے۔ شاوغر کا نام بعد کے زمانہ کے جغرافیہ نویسوں
کی تصانیف میں نہیں ملتا۔ موقع کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مقام ہے
جسے یَسّی کہتے ہیں۔ یسّی کا ذکر علی یزدی نے اکثر کیا ہے، اور یہ شہر آج کل
بھی حضرت ترکستان کے نام سے موجود ہے۔ یہ بزرگ قبیلہ کِرِغِز کے پیر
تھے اور یہاں دفن ہیں۔ علی یزدی لکھتا ہے کہ ان ولی اللہ کا نام شیخ احمد
یسوی تھا، اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند حضرت محمد ابن الحنیفہ (۴۸۶)
رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ حضرت شیخ احمد نے چھٹی (بارھویں)
صدی کے اوائل میں وفات پائی، اور تیمور نے آٹھویں (چودھویں)
صدی کے آخر میں ان کی قبر سے متصل ایک مسجد تعمیر کرائی، جس کے
پرشکوہ کھنڈر اب تک موجود ہیں، اور یہ مزار بھی اب تک گرد و نواح
کے ملک والوں کی زیارت گاہ ہے۔

یَسّی یا شاوغر سے شمال میں ایک دن کی راہ پر صَوْران یا
صَبْران تھا، جو اب تک موجود ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ قبائل
غُزّ کے مقابلہ کے لئے ایک سرحدی قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ یہاں زمانہ
امن میں قرب و جوار کے تمام ترکی قبائل مسلمان سوداگروں سے
مال تجارت کا تبادلہ کرنے آیا کرتے تھے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ صوران ایک بڑا شہر تھا، اور اس کی
حفاظت کے لئے سات قلعے اور فصیلیں یکے بعد دیگرے بنی ہوئی تھیں۔ جامع مسجد اندر والے
شہر کے حصہ میں تھی، اور شہر کے باہر وسیع ربض تھے۔ علی یزدی نے تیمور کی فوجی مہموں کا حال لکھنے
میں صَبْران کا بارہا ذکر کیا ہے، اور یاقوت نے اس کے بلند قصر یا قلعہ کا حال لکھا ہے
جس کی زد میں تمام سرحدی زمینیں تھیں [1]

---

[1] ابن حوقل ص ۳۹۰، ۳۹۱ + مقدسی ص ۲۶۲، ۲۷۳، ۲۷۴ + یاقوت ج ۳ ص ۳۶۶ + علی یزدی ج ۱ ص ۴۶۶، ۵۵۷ + ج ۲ ص ۹، ۶۳۶، ۶۴۲ + شوئلر (Schuyler) کی کتاب Turkistan ج ۱ ص ۷۰ + یہ نام جس کا املا دراصل

دریائے سیحون کے اور شہروں میں ان جن کا ذکر علی یزدی نے کیا ہے، لیکن جن کے نام عرب جغرافیہ نویسوں کی کتابوں میں نہیں ملتے ایک سغناق ہے۔ علی یزدی لکھتا ہے کہ یہ شہر قپچاق کا دار الحکومت تھا، اور اُترار سے چوبیس فرسخ شمال کی طرف واقع تھا۔ اس سے شمال میں جند کا شہر ہے، جس کا ذکر ابتدائی جغرافیہ نویسوں اور یاقوت نے کیا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ جیحون کے پار ترکستان میں مسلمانوں کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی کی ابتدا میں جند کو مغلوں نے لوٹا اور برباد کیا۔ بحیرہ اہل کو اکثر بحیرۂ جند لکھا گیا ہے، اور یہاں سیحون کے دہانے سے دو سرطلوں کے فاصلے پر قبائل غز کا دار الحکومت تھا، جسے عرب القریۃ الجدیدہ یا القریۃ الحدیثہ یعنی نیا گاؤں) کہتے تھے۔ بعد کے زمانہ میں اس کا نام ینغی کنت یا ینگی شہر ہوا، جس کے معنی ترکی زبان میں "نئے شہر" کے ہیں۔[1]

سیرام (یا اسبیجاب) سے شمال مشرق میں تقریباً اسی میل کے فاصلے پر موجودہ زمانہ کے شہر اولیا اتا کے قریب طراز کے کھنڈر ہیں۔ طراز یا الطراز چوتھی (دسویں) صدی کی ابتداء میں ایک بڑا شہر تھا۔ اور ابن حوقل لکھتا ہے کہ وہ ان مسلمان سوداگروں کے لئے ایک بڑا تجارت گاہ تھا جو خرلخیہ قبائل کے ترکوں سے بیوپار کرتے تھے۔ (۴۸۷) مقدسی کا بیان ہے کہ شہر خوب متحصن تھا، اس کے گرد ایک گہری خندق تھی۔

(بقیۂ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سوران یا صبران ہے، اکثر غلطی سے علی یزدی کی کتاب ظفرنامہ میں سیران چھپ گیا ہے۔

[1] ابن حوقل ص ۳۹۳ + ابوالفدا ص ۴۰۹ + یاقوت ج ۲ ص ۱۲۷ + علی یزدی ج ۱ ص ۴۷۵، ۴۷۹ + جند سے کھنڈروں کے حالات کے لئے دیکھو شولر Schuyler کی کتاب Turkistan ج ۱ ص ۶۲ +

خندق کے پار بہت سے باغ تھے اور شہر خوب معمور تھا۔ دریائے طراز
شہر کے چار دروازوں میں سے ایک دروازے کے پاس سے گزرتا تھا۔
اور جامع مسجد شہر کے بازار میں تھی۔ قزوینی کی تحریر کے مطابق طراز کے
مرد اور عورتیں کی خوبصورتی میں ضرب المثل تھیں۔ شہر کی آب و ہوا اچھی
تھی، اور اس کی زمینیں نہایت زرخیز تھیں۔ ترکوں کے ملک ہی میں اور
طراز سے عین مشرق کی طرف تقریباً ایک سو میل کے فاصلے پر برکی یا میرکی
(موجودہ مرکہ) کا شہر واقع تھا؛ مقدسی لکھتا ہے کہ یہ ایک اوسط درجہ
کا گر خوب مستحسن شہر تھا؛ اس میں ایک قلعہ اور جامع مسجد تھی۔ جامع مسجد
پہلے (نسطوری) عیسائیوں کا گرجا تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں
ایک بڑا رباط تھا جسے بنی بویہ کے ایک امیر عمید الدولہ فائق نے
بنوایا تھا۔ اسی مصنف کا بیان ہے کہ میرکی سے ایک مرحلہ مغرب کی
سمت میں طراز کی طرف کولان کا موضع تھا۔ یہ ایک بڑا اور خوب
مستحسن گاؤں تھا؛ اس میں ایک جامع مسجد تھی، اور یہ ایک بڑا مقام
سمجھا جاتا تھا۔[1]

خاتمہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ابوالفداء نے ترکوں کے بہت
سے بڑے شہروں کا ذکر کیا ہے، جن کے اصلی موقعوں کا متعین کرنا اب
ممکن نہیں۔ ان شہروں میں بلاساغون چوتھی اور پانچویں (دسویں گیارھویں)
صدی) میں خانان ترکستان کا دارالحکومت تھا، اور اس کا ذکر ابن الاثیر
نے اپنی تاریخ میں کیا ہے۔ اس کا صحیح موقع معلوم نہیں ہوا۔ ابوالفدا
مبہم طور پر لکھتا ہے کہ وہ کاشغر کے قریب، لیکن سیحون کے پار واقع تھا۔
شہر اَلْمالِیغ جغتائی پسر چنگیز خاں کے عہد میں مغلوں کا دارالحکومت
رہا تھا۔ اس شہر کے کھنڈر گلجہ کہنہ کے موقع کے پاس دریائے اِلِہ

---

[1] ابن حوقل ص ۳۹۰، ۳۹۱ + مقدسی ص ۲۶۳، ۲۷۴، ۲۷۵ + قزوینی ص ج ۲. ص ۳۹۵ +
ابوالفدا ص ۴۹۷ + شوا (Schuyler) کی کتاب Turkistan ج ۲. ص ۱۲ +

کے کنارے دریافت ہوئے ہیں۔ علی یزدی نے اَلمَالِغ کا موقع بتایا ہے، اور دریائے اِرتِش اور دریائے تلاس کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن ان تمام شہروں کے حالات بیان نہیں کئے گئے ہیں کاشغر، ختن، کند اور چین کی سرحد کے قریب جو اور شہر تھے ان ہی کی طرح ان شہروں کے حالات ہمارے مصنفوں نے محض ضمناً بیان کئے ہیں، اور افسوس ہے کہ یہ بیانات جغرافی اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔[1]

دریائے سَیحُون کے ممالک میں مصنوعات کی قسمیں زیادہ نہ تھیں، اور جو سوداگر وہاں جاتے تھے غلاموں کی تجارت ان کا سب سے بڑا کام تھا۔ (۴۸۸) مقدسی لکھتا ہے کہ اَشرُوسَنَہ کے شہر دِیزک (جیسک) میں عمدہ نمدے اور جبّے تیار ہوتے تھے۔ صوبۂ فرغانہ کی قدرتی پیداوار میں کا وہاں کی کانوں کا سونا اور چاندی اور فیروزہ تھا۔ پارہ، لوہا اور تانبا بھی یہاں کی کانوں سے نکلتا تھا۔ اس کے علاوہ نوشادر، نفت اور تیر بھی ہوتا تھا۔ چکیوں کے لیے فرغانہ کا پتھر بھی مشہور تھا، اور پتھر کا کوئلہ بھی جلانے کے کام میں یہاں عام طور پر لایا جاتا تھا۔ یہاں کے باغوں سے انگور، سیب اور اخروٹ وسا ور ہوتے تھے، اور گلاب اور بنفشے سے خوشبوئیں تیار کی جاتی تھیں۔ شاش میں عمدہ سفید کپڑے، تلواریں، اور اور ہتھیار تیار ہوتے تھے، اور لوہے اور تانبے کی اور چیزیں مثلاً جیسے سوئیاں، قینچیاں اور برتن بھی بنتے تھے، شاش میں حمار وحشی کی کھالوں کی زینیں بنائی جاتی تھیں، اور کمانیں، ترکش، رنگین چمڑے اور قالین کی جانمازیں، اور ایک قسم کی اونچے گریبان والے جبے بھی تیار کیے جاتے تھے۔ اُس کے گرد ونواح کے زمینوں میں چاول، سن اور روئی پیدا ہوتی تھی، طَرَاز سے جو ترکوں کے ملک میں تھا، بکروں کی کھالیں آتی تھیں، اور ترکستان کے گھوڑے اور خچر بالخصوص ہمیشہ سے مشہور تھے۔[2]

---

[1] ابو الفدا ص ۵۰۵؛ علی یزدی ج ۱۔ ص ۴۸۵، ۴۹۴؛ ج ۲۔ ص ۲۱۸، ۲۱۹۔

[2] ابن حوقل ص ۳۹۷، ۳۹۸؛ مقدسی ص ۳۲۵؛ قزوینی ج ۲۔ ص ۲۰۵۔

دریائے سیحون کے صوبوں میں جو بڑی سڑکیں گزرتی تھیں وہ دراصل خراسان کی بڑی سڑک کا سلسلہ تھیں۔ یہ سڑک سمرقند سے شمال کی طرف گئی تھیں، اور دریائے سغد اترنے کے بعد علاقہ اشروسنہ میں زامین کے شہر میں پہنچتی تھی۔ زامین کے مقام پر خراسان کی سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ بائیں ہاتھ والی شاخ شاش اور دریائے سیحون کے زیریں حصہ کو، اور دائیں ہاتھ والی شاخ شاش بالا اور فرغانہ کو جاتی تھی۔ زامین سے سیدھی شاش کو جانے والی سڑک بناکث کے مقام پر سیحون کو عبور کرتی تھی۔ سمرقند سے ایک دوسری بڑی سڑک دیزک ہوتی ہوئی، بادیہ کو قطع کر کے وینکرد آئی تھی، جس سے آگے دریائے سیحون اتر کر شتورکث پہنچتی تھی۔

یہاں بناکث سے شاش کو جو سڑک آتی تھی۔ اس سے مل جاتی تھی۔ شاش سے ایک سڑک علاقہ ایلاق کے دارالحکومت تونکث آئی تھی، اور شاش سے ایک دوسری سڑک شمال میں اسبیجاب گئی تھی۔ اسبیجاب کے مقام پر سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ ایک شاخ مغرب میں فاراب (اترار) کو دریائے سیحون کے معبر تک گئی تھی، اور وہاں سے شمال کی طرف دریا کے دائیں کنارے کنارے صبران چلی گئی تھی۔ دوسری شاخ اسبیجاب سے دائیں طرف مشرق میں طراز گئی تھی، اور یہاں سے لمبی سڑک آگے بڑھ کر برکی یا میرکی پہنچتی تھی۔ برکی چوتھی (دسویں) صدی میں ترکوں کے ملک میں مسلمانوں کا آخری شہر تھا۔ برکی سے ابن خردادبہ اور قدامہ نے بادیہ کی وہ منزلیں بیان کی ہیں جو نوشنجان بالا تک واقع تھی۔ نوشنجان چین کی سرحد پر واقع تھا، اور غالباً یہ وہی مقام جس کی تطبیق ختن سے ہوتی ہے۔[1]

[1] ابن خردادبہ ص ۲۶۔ ۲۹ ؛ قدامہ ص ۲۰۳۔ ۲۰۶ ؛ اصطخری ص ۳۳۵۔ ۳۳۶۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ خراسان کی سڑک کا سلسلہ زامین سے
دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ ان میں سے ایک شاخ فرغانہ کو جاتی (۴۸۹)
تھی۔ یہ شاخ زامین سے ساباط ہوتی ہوئی خُجَندہ کو گئی تھی
جو دریائے سیحون پر واقع تھا (بیچ میں ساباط سے سڑک علاقہ
اُشروسنہ کے دارالحکومت بُون جکث کو مڑ گئی تھی)۔ خُجَندہ
سے سڑک سیحون کے جنوبی کنارے کنارے دریا کے چڑھاؤ
کے اُس معبر پر پہنچتی تھی جہاں سیحون اُتر کر اَخسیکث (قدیم دارالحکومت
فرغانہ) میں پہنچتے تھے۔ اَخسیکث سے جو اور شہر سیحون بالا کے
شمال میں واقع تھے ان میں سے ہر ایک کا فاصلہ اَخسیکث سے
اصطخری اور ابن حوقل نے بیان کیا ہے۔ فرغانہ کے دارالحکومت
سے مشرق کی طرف بڑی سڑک کے سلسلہ کا ذکر جو اُوش ہوتا
ہوا اُوزکند گیا تھا، ابن خرداذبہ اور قدامہ نے کیا ہے۔
اُس کے علاوہ مقدسی نے اُوزکند سے ترکوں کے ملک
میں اور چین کی سرحد تک پہنچنے والی سڑک کا ذکر بھی کیا ہے۔
مقدسی کے اس بیان کو سمجھنا دشوار ہے، لیکن اس نے بھی
ابن خرداذبہ اور قدامہ کی طرح سڑک کا آخری پڑاؤ نوشجان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۳۴۳۔۳۴۶۔ ابن حوقل ص ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۳ تا ۴۰۵ + مقدسی ص ۳۴۱۔۳۴۳ + افسوس ہے کہ مستوفی نے دریائے جیحون کے پار کی سڑکوں کا حال بیان نہیں کیا۔ ختن سے چین جانے والے راستہ کے لئے دیکھو پروفیسر ایم، جے ڈی خویہ De Goeje کا مضمون دیوار یاجوج ماجوج Mededeeling der Koninklijk Academie Amsterdam برائے ۱۸۸۸ء ص ۱۲۳) شاہ رخ کے سفیر عبدالرزاق نے چین جانے اور واپس آنے کے لیے ۸۲۲ھ (۱۴۱۹ء) اور ۸۲۵ھ (۱۴۲۲ء) میں جو راستہ اختیار کیا تھا، اُس کے لئے دیکھو فارسی متن اور ترجمہ مترجم اپنی کواٹرے میر Notices et Extraits (Quatremere) ج ۱۴، حصہ ا ص ۳۸۷، اور سرایچ یول (۴۸۹)

یا برسخان بالا بیان کیا ہے، جو بالعموم خُتَن سے مطابق سمجھا جاتا ہے۔[1]

تمّت

(بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ) Yule کے حواشی Cathav and the Wav Thether صفحہ (۱۰۹-۲۰۹) ccix-cxcix

[1] ابن خرداذبہ ص ۲۹، ۳۰ ؛ قدامہ ص ۲۰۷-۲۰۹ ؛ اصطخری ص ۳۳۵، ۳۴۳-۳۴۷ ؛ ابن حوقل ص ۳۹۰، ۳۹۹، ۴۰۳-۴۰۶ ؛ مقدسی ص ۳۴۱، ۳۴۲۔

اشاریہ

ہدایت :- اس اشاریہ میں جن صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ کتاب کے حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے۔ اس کا ضرور خیال رکھا جائے۔

الف

ت

ث

ٹ

ج

چ

ح

خ

د

دریا (آب، نہر، رود):-

ز

س

ش

ص

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

ق

ک

گ

ل

م

ن

و

ہ

ی

تمت

غلط نامہ جغرافیہ خلافت شرقی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۴	سوریتینیا	سوربتینیا	۳۸	۱۹	سنہ ۱۵۳ا	سنہ ۱۸۵۳
۶	۱۵	(بیاض)	Araxes.	۳۸	۲۲	کیونکہ	چونکہ
۱۱	۱۵	"	"	۳۹	۲۰	لمور	طور
۹	۱	ندور	مُدَوَّر	۴۰	۸	ایک ایک	ایک
۱۱	۲	نام مشہور	نام سے مشہور	۵۲	۲۰	شہر کی	شہر کے
۱۴	۱۵	رُسے	رَہے	۵۵	۹	اختیار ہے	اختیار کرتا ہے
۱۵	۶	+	اور	۵۶	۷	دہائے	دھارے
۱۶	۲۵	ہی	ہی کی	۵۷	۱۸	یصرہ	بَصرہ
۱۹	۲۳	ڈے ہی	ڈہی	۵۸	۲۴	دخرۃ	رخوۃ
۲۰	۲۰	جوبرٹ کے	جوبرٹ نے	۶۰	۱۲	آبادہ	آباد اور
۲۲	۲۲	الڈ کا	انڈ کا	۶۳	۱۹	سطح	مسطح
۲۴	۱۹	یوادق	بُوادق	۶۴	۵	بُویہ	بنی بُویہ
۲۷	۱۱	بَہَم	بہم.	۶۶	۲۱	رکھ کر	لکھ کر
۲۸	۱۴	ہارہے ہوں	رہے ہوں	۶۷	۱	سنہ ۶۲۳۰ھ	سنہ ۶۳۳ھ
۲۹	۳	تردسیر	بردسیر	۶۹	۵	شہروں	نہروں
۳۴	۱۸	قُودنہ	قرُنہ	۶۹	۹	ساھر	سامَرّا
۳۶	۱۶	گردنواح	گردونواح	۶۹	۱۷	۵۵۵	۲۵۵
۳۸	۶	بنایا	تبایا	۷۰	۱	سامرا۔ تکریت	سامَرّا تکریت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۲	۲۳	نے	کے	۹۸	۲۱	ابوالصیجا	ابوالھیجا
۷۲	۲۴	قصر النجواق	قصر الجوسق	۹۹	۱۸	داخل	سے داخل
۷۲	۲۵	سنہ ۲۷۶	سنہ ۲۷۹	۱۰۳	۲۳	سینڈوز	سینڈور
۷۵	۲۳	صبر	جسر	۱۰۶	۱۷	اس	ابن
۷۶	۱	المستنفر	المستنصر	۱۰۶	۱۸	عبداللہ القری	عبداللہ القسری
۷۷	۱۲	باجنر	باجسرا	۱۰۸	۶	حربیتہ	حربیّہ
۷۸	۵	جُنَیّل	جُنَیل	۱۰۹	۲	اریل	اربل
۷۸	۲۵	۱۶/ ۳۸	۱۲/ ۳۸	۱۱۰	۱۳	تھی	بھی
۸۰	۱۲	بعقُوبَا	بعقوبا	۱۱۰	۱۴	فاقان	فافان
۸۰	۱۹	ھوَوان	نھروان	۱۱۳	۹	کی	کے
۸۳	۱۳	شئیث	شِلیث	۱۱۳	۱۱	یاقوت نی	یاقوت نے
۸۷	۲۰	۳۶	۳۶۷	۱۱۹	۱۱۷	ستونی	ستونی نے
۸۸	۲۰	سینر	سینزر	۱۱۹	۲۴	۱۰۷	۱۵۷
۸۸	۲۱	قلوجیا	فلوج	۱۲۰	۷	مفید	سفید
۸۸	۲۲	-----	کشتیوں کو چھوڑ کر خشکی	۱۲۰	۱۱	جبل بالوسا	جبل بالوسا
۸۹	۲۳	ابراھیر	ابراھیم	۱۲۱	۹	اس کی تھا	اس کی تھاہ
۹۱	۸	قصر ابن ھُبَیر	قصر ابن ھُبَیرہ	۱۲۲	۱۰	ابن بطوطہ	ابن بطوطہ نے جو
۹۳	۴	کہلاتی تھی	کہلاتی ہے	۱۲۳	۱۲	نفیبین	نصیبین
۹۴	۷	کے	نے	۱۲۳	۱۸	ابھی ہم ذکر	ابھی ذکر
۹۴	۱۹	ملات	بدات	۱۲۳	۱۹	الفطر	العطر
۹۴	۲۰	ملات	بدات	۱۲۵	۱۲	بڑھی سلطان	بڑے سلطان
۹۵	۲۱	ستوئی	ستونی	۱۲۵	۱۳	کی حمام	کے حمام
۹۶	۷	یصرہ	بصرہ	۱۲۶	۲۴	یاقوب	یاقوت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲۷	۱۲	تین النھرین	بین النھرین	۱۶۰	۱۹	آمِلے	آمِد
۱۲۷	۱۳	یک	+	۱۶۲	۲	طَرَبْزندہ	طَرابْزَندہ
۱۲۰	۱۲	موسوں	موسموں	۱۶۳	۵	مجایدین	مجاہدین
۱۲۹	۸	جائیے لگا	جانے لگا	۱۷۹	۲	نَقِیّہ	نِقِیتہ
۱۲۹	۱۲	ابن جوقل	ابن حوقل	۱۷۹	۵	۱۰۴۴	۱۰۸۴
۱۲۹	۱۳	اور لکھ	اور لکھا	۱۷۹	۱۷	قلیج رسلال	قلیج ارسلان
۱۲۹	۱۴	بازارات ہی	بازارات بھی	۱۸۰	۳	پائی	بائی
۱۲۹	۲۰	رقہ	رَقّہ	۱۸۰	۱۶	سنیس	سِیس
۱۳۰	۷	جَعْیَر	جَعْبَر	۱۸۱	۱۸	اُلویرُلو	اُلوبرُلوُ
۱۳۰	۱۱	Bilceha	Bilecha	۱۸۴	۱۱	سِنُوب	سِنُوب
۱۳۳	۱۵	تھا	تھالہ	۱۸۶	۲۲	زُابمستان	البُستان
۱۳۳	۱۶	قرتلیسیا	قرقیسیا	۱۸۷	۲۲	۲۹۲۷	۲۹۲
۱۳۴	۱۰	سفید	سعید	۱۸۸	۲۳	۲۲۴	۴۲۴
۱۳۴	۲۰	روز کے	روز کے لئے	۱۸۸	۲۴	۶۲۴	۶۲۳
۱۳۷	۱۸	تھی تھا	بھی تھا	۱۸۹	۴	بر	پر
۱۳۷	۲۰	ابن جوقل	ابن حوقل	۱۸۹	۹	لارَیلَہ	لارِنلَہ
۱۳۷	۲۳	۲۳۱	۲۳۳	۱۹۱	۵	لاذق مسوختہ	لاذق سوختہ
۱۳۸	۱۰	حکیوں	چکیوں	۱۹۱	۲۴	۲۳۴	۳۲۴
۱۳۸	۱۶	باب الجیل	باب الجبل	۱۹۲	۱۹	ل	یل
۱۳۹	۱۳	ان کا مقابلہ کا	ان کا مقابلہ	۱۹۷	۱۳	الگمنائوس	الکمنانوس
۱۴۱	۸	بڑے حد	بڑی حد	۱۹۹	۹	Ephosus	Ephesus
۱۴۱	۲۴	۳۳۱	۳۳۱	۱۹۹	۲۱	صحابی صحابی	صحابی
۱۴۵	۲۵	اچھے ہوتے	چھپتے ہوئے	۲۰۰	۸	ازھیہز	ازھیبر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰۴	۱۴	تلمبندی	قلمبندی	۲۷۴	حاشیہ پر	۲۸۸	۲۰۸
۲۰۷	۱۱	جنوب کی	جنوب کی طرف	۲۷۴	۲۴	گرگس	گرگس
۲۰۹	۱۸	تقسزیز	تبریز	۲۷۵	۶	کھربا	کھریا
۲۱۰	۱۴	تم قائم رہے	قائم رہی	۲۷۸	۱۱	ستوفی	ستوفی نے
۲۱۱	۱۴	تابریر	تبریز	۲۷۸	۲۰	صفحہ	صفحہ حاشیہ
۲۱۳	۱۲	کیا جاتا ہے	کہا جاتا ہے	۲۷۹	۲	لکھا	لکھتا
۲۱۸	۲۴	۰۷۳	۵۷۳	۲۹۰	۱۳	ساؤجِ نُسلاغ	ساؤجِ بُلاغ
۲۲۰	۲۳	۱۳۷۷	+۳۷۷	۲۹۰	۲۵	b. ۷۹	b. ۱۷۹
۲۲۲	۱۴	ہیں	صدی ہیں	۲۹۱	۱۹	ہہین	مہین
۲۲۲	۱۷	سترھویں	تیرھویں	۲۹۲	۲۰	ہنیں	کہیں
۲۲۳	۳	چشم	چشمہ	۲۹۳	۱۸	۲۷۵	۲۷۵، ۲۹۰+
۲۲۴	۴	شہمود	شہمُور	۲۹۳	۲۰	۱۵۷	۲۵۷
۲۲۶	۱۳	بیلمان	بیلمان سے	۲۹۵	۲۰	اسس کہ	اسس کو
۲۲۹	۵	بازوں	بازاروں	۲۹۶	۵	اویر	اوبر
۲۳۰	۱۲	تقظیم	تنظیم	۲۹۶	۲۴	۱-۱۷	۱۰۱۷
۲۳۹	۹	ابتدائی ابتدائی	ابتدائی	۲۹۷	۱۰	۲۰۰۰۰	۳۰۰۰۰
۲۴۰	۹	زمیتوں	زمینیں	۲۹۸	۲۲	۶۴۸	۱۴۸
۲۴۶	۷	پیچھے	نیچے	۲۹۹	۴	جہ	وجہ
۲۵۵	۱۹	لکھتا	لکھا	۲۹۹	۱۳	پاپیارہ	پاپیادہ
۲۵۶	۱۵	فارسہ	فارسیہ	۳۰۵	۱۳	لکابیں	رکابیں
۲۶۱	۱۰	رقبہ	رقبہ میں	۳۰۶	۱۰	کرماں شاہ	کرمان شاہ
۲۶۷	۱۸	بنوکد	بنوکد نصر	۳۰۷	۱۷	بِستِ ضُھیرہ	بِستِ ضُمیرہ
۲۶۹	۱۰	سگوشناک جوبرہ	گوشناک جُوبرہ	۳۰۸	۱۲	طھرن	طھران

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۱۰	۷	ارمننیہ	ارمینیہ	۳۳۰	۲۲	غلج	خلیج
۳۱۰	۲۱	دروبند	دربند	۳۳۱	۱۵	حُبّا	جُبّا
۳۱۳	۳	جمدے شاپور	جندے شاپور	۳۳۲	۱	مہدی	مہدی نے
۳۱۴	۱	حوز	خُوز	۳۳۲	۲۴	۴۹	۴۱۹
۳۱۴	۸	کیا	کہا	۳۳۲	۲۴	۲	۳
۳۱۴	۱۷	پیچ ورخم	پیچ وخم	۳۳۴	۲۱	۴۷	۴۰۷
۳۱۴	۲۰	تستمر	تُستَر	۳۳۶	۲۴ حاشیہ	۲۲۴	۲۴۶
۳۱۵	۵	بیان کیا گیا،	بیان کیا گیا، اور آئے دبیل میں مل جاتا تھا	۳۳۷	۱	گادُوت	کارُوت
				۳۳۷	۲	پا	یا
۳۱۷	۸	تھا	تھے	۳۵۱	۱۱	کوارسے خبر	خبر کوارسے
۳۱۷	۲۱	تستر	تُستَر	۳۵۵	۳	نسخ	مسالک
۳۱۹	۱۱	آپ گرگر	آب گرگر	۳۵۷	۵	جس سے اور	اور جس سے
۳۲۰	۱۲	مسرحان	مسرُقان	۳۵۷	۱۲	بِسیف	سیف
۳۲۱	۹	رجہ	وجہ	۳۵۷	۱۹	کنارے	کنارے سے
۳۲۲	۲۴	۹۳	۹۲	۳۵۷	۲۳	۱۷۱	۱۷۲
۳۲۴	۱۰	ابن رشتہ	ابن رستہ	۳۵۹	۲۰	معمے	معمہ
۳۲۴	۱۱	چونکہ	کیونکہ	۳۶۰	۲۳	ج ۳ -	ج ۲ -
۳۲۴	۱۷	شہشر	شہر	۳۶۰	۲۴	۲۲۲	۳۲۲
۳۲۵	۲۰	الا	۱۱۱	۳۶۲	۲۱	ص ۴۰۲	ص ۴۲۲
۳۲۷	۲	کیارے	کنارے	۳۶۶	۲۱	۰۶	۸۶
۳۲۸	۹	سوسنجرہ	سُوسَن جرد	۳۶۶	۲۲	یاقو	یاقوت
۳۲۹	۱	برجہ	جرہ	۳۶۸	۵	جرشیک	جرشیق
۳۳۰	۱۸	حوزستان	خوزستان	۳۷۲	۲	اتاتک	اتابک

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٣٧٧	١٨	نام پر	نام	٤٠٨	١٣	تھی	تھیں
٣٨٦	١٢	اُس آتے	اُس کے نے	٤١٠	١	مستوفی	مستوفی نے
٣٨٨	٢٠	١٧٨	٧٨	٤١٠	٢١	٢٦٦	٣٦٦
٣٨٨	٢٠	١٧٩	٧٩	٤١٣	٥	ساعنیل	ساعنیلا
٣٨٨	٢٠	٣	٣٨	٤١٦	١	قزوینی	قزوینی نے
٣٨٨	٢٣	درگنبدان	دوگنبدان	٤٢١	١٢	شمال	شمال میں
٣٨٨	٢٤	دہی	وہ	٤٢٩	٢٠	کے	کرکے
٣٨٩	٢٣	١٧٩	٧٩	٤٣٠	١٤	کیرڑول	کپرڑول
٣٩٠	١٦	ذہن	ذہن میں	٤٣٢	٨	سبب	سب
٣٩١	٧	ور	اور	٤٤٣	٧	صو	صوبہ
٣٩٣	٢٤	٤٢٥ + فارس	٤٣٥ + فارس نامہ	٤٤٧	٨	سنہ ٤٩٥	سنہ ٧٩٥
٣٩٤	٤	فُرواب	فَرواب	٤٥٨	١	حرب	عرب
٣٩٤	١٩	١٨١	٨١	٤٥٩	٢٠	سمور	معمور
٣٩٤	٢٠	١٨٥	٨٥	٤٧٤	١٤	الاخواش	خواش
٣٩٥	٢٤	اس	میں اِس	٤٧٨	١٦	تاریاں	تازیان
٣٩٨	١٠	صاھک	صاھک کلاں	٤٨٥	٢١	ان	ان سے
٣٩٨	١٦	تھی	تھیں	٤٨٦	١٣	نق	نبق
٣٩٩	٢١	١٨٣	٨٣	٤٩٤	١٩	الفاینلن	الفاینلا (
٤٠٠	٢٣	٦	٦٦	٥٠٣	٧	غرنہ	غزنہ
٤٠٣	١١	اس کا	اس کے	٥٠٣	١٠	مسجستان	سجستان
٤٠٤	٤	تھی	تھی جو	٥٠٦	٣	چشوں	چشموں
٤٠٤	١٧	( )	(ط)	٥٠٧	١	چھتیل	چھتیس
٤٠٤	١٨ اور ٢١	ایرج	ابرج	٥٠٧	٩	(شفاخانا	(شفاخانہ)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۰۸	۴	سنہ ۲۶ھ	سنہ ۳۶ھ	۵۶۷	۳	ہو	ہوا
۵۰۹	۷	ہیں ملے	میں ملے	۵۷۳	۲۳	سطح	مسطح
۵۱۲	۱۶	راستہ معہ	راستہ	۵۷۴	۱۷	کشتیوں پل	کشتیونکے پل
۵۱۴	۱۰	ابن رستہ تحریر	ابن رستہ کی تحریر	۵۸۰	۸	علاقہ میں	علاقۂ میں
۵۱۵	۱۷	اس کام	اس کا کام	۵۸۳	۵ و ۲	جیجون	جیحون
۵۱۶	۲۱	ہوا اس	ہوا اس	۵۸۶	۱۲	یہ نہر	یہ نہریں
۵۲۵	۱۷	دولتمندا	دولتمند	۵۹۱	۱۸	خائب	غائب
۵۲۵	۲۴	ساتین	بساتین	۵۹۵	۵	بغداد	بغداد کے
۵۲۹	۱۳	اس ایک	اس کی ایک	۵۹۷	۷	مسبز واز	سبزوار
۵۳۸	۱۱	سامزا	سامرا	۵۹۸	۱۹	ارغیان	ارغیان
۵۳۹	۲۲	عام طور	عام طور پر	۶۰۱	۳	(۵۹)	(۵۱)
۵۴۶	۱۸	گیلگی	گیلکی	۶۰۱	۶	سبز کی	سبز
۵۵۳	۴	نادُوسبان	فادُوسبان	۶۰۳	۲	قرینے	قرنیے
۵۵۳	۵	سالرُس	سالوُس	۶۰۴	۳ حاشیہ	+	(۳۹۵)
۵۵۳	۱۴	قرُمس	قوُمس	۶۰۷	۴	آنے والا	آنیوالے
۵۵۴	۹	دستور کا	دستور کے	۶۰۹	۱۱	پانی رو	پانی کی رو
۵۵۴	۹	ملدیبا	مدینہ	۶۱۰	۱۳	زراریق	زرنیق
۵۵۵	۶	ناشپائی	ناشپاتی	۶۱۰	۱۶	زرُنیق	زَرایق
۵۵۵	۱۳	سونا	سونے	۶۱۱	۱۷	کرو	حرو
۵۵۷	۲۳	پڑھ	پڑھا	۶۱۳	۱۹	بزادرجان	برادرجان
۵۵۸	۱۸	طلبان	طیلسان	۶۱۴	۱۱	میں	این
۵۶۳	۷	گذ	گذرا	۶۱۴	۱۱	مند	سمند
۵۶۴	۹	انسانوں	انسانوں	۶۱۴	۱۲	مالیشان	عالیشان محل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۱۵	۲	دوو	حدود
۶۱۵	۵	شہو	شہرت
۶۱۵	۱۳	چکی رو	پن چکی مرو
۶۱۸	۲۴	توزنے	توڑنے
۶۱۹	۲۱	پچھاد جولے	چھار جُوئے
۶۲۲	۳	شہر موقع	شہر کا موقع
۶۲۲	۹	مرو لرُّوذ	مروالرُّوذ
۶۲۲	۱۷	یا لا مرو	بالا مرو
۶۲۲	۲۰	یا	کو
۶۲۳	۶	قصر احلف	قصر احنف
۶۲۳	۱۷	ل	پل
۶۲۳	۱۷	جامع	جامع مسجد
۶۲۷	۵	نمی	کو
۶۲۸	۱۹	بات	یہ بات
۶۳۰	۹	نام	نام کا
۶۳۰	۱۹	روضۃ الضف	روضۃ الصفا
۶۳۱	۱	اس نام	اس کا نام
۶۳۱	۲	زمانہ	زمانہ میں
۶۳۱	۱۸	مرھی دود	ھری رُود
۶۳۱	۱۹	نصو دراغ	نصوگُراغ
۶۳۱	۲۴	موسبذ	مرسبذ
۶۳۴	۳	اسفزاد	اسفُزار
۶۳۷	۴	ھبون	بُون
۶۳۷	۱۰	ہوئے	ہوتے
۶۳۷	۲۴	ثقیناً	یقیناً
۶۳۸	۸	وستان	دہستان
۶۳۸	۱۲	کا اندازہ سا جا سکتا ہے۔	کا محض اندازہ سا کیا جا سکتا ہے۔
۶۴۲	۲۳	جیوہجیا	جیوہ جیا
۶۴۳	۵	ھرجستان	غرجستان
۶۴۴	۲۰	گلیوں	گلیوں
۶۴۴	۲۲	کہاہا	کہا
۶۴۷	۱۲	بوورسٹ	بوودمت
۶۴۸	۳	وروالین	وَروالیز
۶۴۸	۱۳	سجدیں	مسجدیں
۶۴۸	۱۵	اچار	چار
۶۴۹	۸	کے	کو
۶۵۰	۱	عمرمن الازرق	عمر بن الازرق
۶۵۰	۱۷	پھریرا	پھریرے
۶۵۰	۲۳	قبس بن احنف	قیس بن احنف
۶۵۱	۱۶	نوبھار	نوبہار
۶۵۲	۲۳	خونذمیر	خواندمیر
۶۵۳	۹و۲۲	مروالرُّود	مروالرُّوذ
۶۵۷	۲۴	نے	کے
۶۵۸	۱	ثنا	سا
۶۶۱	۱۶	کے	کا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۶۲	۴	خُرد	خورد	۷۰۶	۲۴	ہلکیوٹ	ہکلیوٹ
۶۶۲	۱۷	فیرده	فیروزه	۷۰۷	۲۲	منٔ میمینه	منٔ مینیّه
۶۶۵	۶	سڑک دو	سڑک کی دو	۷۰۸	۸	روگز	رہ گزر
۶۶۵	۱۴	بخالا	بخارا	۷۰۸	۱۸	رہ گز	رہ گزر
۶۶۷	۱۷	ھری دُو	ھری رُود	۷۱۱	۳	کلیوبجو	کلیتوبجو
۶۷۱	۲۲	مراوابول	مروابوں	۷۱۱	۱۱	کے	نے
۶۷۴	۲۵	فارِغر	قادغر	۷۱۲	۲۲	توڑنا	کو توڑنا
۶۷۵	۳	جس کا	آج کل	۷۱۴	۱۰	زرتقبت	زربفت
۶۷۷	۱۲	مجرالبازہر	حجرالبازہر	۷۱۵	۶	دریائی	دریائے
۶۸۰	۱۸	ھکبلک	ھُلبک	۷۱۵	۱۲	یخارا	بخارا
۶۸۰	۲۳	انزدی	یزدی	۷۱۶	۲۱	۲۶۶	۲۶۲
۶۸۱	۹	رہ گزرو	رہ گزر	۷۱۷	۷	باب المهل	باب سهل
۶۸۱	۱۲	بڑا	بڑھا	۷۱۷	۲۴	ص ۷۱۷+	ص ۷۱۵+
۶۸۳	۱۰	صعاهیان	صغانیان	۷۲۰	۱	مجلس	مجبس
۶۸۴	۹	کا	کے	۷۲۰	۲۵	تھے ۔	تھے۔ پہلے
۶۸۶	۹	کاٹ	کاٹ کر	۷۲۱	۳	باب دیودَد	باب ریودَد
۶۸۷	۱۴	داسطه	واسط	۷۲۱	۱۸	یہ	نہ
۶۸۷	۱۶	ذو القرنیق	ذوالقرنین	۷۲۳	۱۲	شماالی	شمالی
۶۸۸	۳	اخیسکث	اخسیک	۷۲۳	۱۴	شمالی	شمال
۶۸۹	۱	مزرومه	مزروعه	۷۲۴	۱۱	زرافتان	زرافشان
۷۰۴	۲۴	۲۳۰	۳۳۰	۷۲۸	۳	(کِش)	(کِشّ)
۷۰۶	۲۲	ج ۱	ج ۲	۷۲۹	۲۴	۳۰۰	۳۷۷
۷۰۶	۲۲	ج ۲	ج ۳	۷۲۹	۲۴	۲۸۲	۲۸۲

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۲۹	۲۴	۳۰۰ ۳۰۱۰	۳۰۰، ۳۰۱	۷۴۱	۶	فرعانہ	فرغانہ
۷۳۰	۱۱	امیرال	ایران	۷۴۱	۱۷	قزوی	قزوینی
۷۳۰	۱۶	کمیاک	کیاک	۷۴۱	۱۲	شِکَت	سِکَت
۷۳۱	۹	سولنج	سُونج	۷۴۶	۹	حرف	صرف
۷۳۱	۲۰	روپہلی	روپہلی	۷۴۶	۱۸	سا[illegible]	سابلغ
۷۳۲	۱۰	طرح طرح	طرح طرح کے	[illegible]	۱۸	کیا	لیا
۷۳۲	۳	اُنجے	نُتجے	۷۴۹	۱	الاق	ایلاق
۷۳۲	۵	تین		۷۴۹	۹	کے	سے
۷۳۲	۹	ے	—	۷۴۵	۱۳	علاف	علاقہ
۷۳۲	۲۰	قبادمان	قباذیان	۷۵۱	۱۹	اسیجاب	اسبیجاب
۷۳۲	۲۱	عمل شنگ	پل سنگ	۷۵۲	۱۹	قزوی	قزوینی
۷۳۲	۲۱	وَنعش	وَنخس	۷۵۳	۵	کرغز	کِرغِز
۷۳۳	۱۳ و ۱۶	کات	کاث	۷۵۴	۴	انراد	اتراد
۷۳۶	۵	بنجکت	بنجکث	۷۵۴	۶	بار	یار
۷۳۶	۱۵	نُوجکث	نوجکث	۷۵۴	۹	سرطوں	مرحلوں
۷۳۶	۱۹	اشرِوستہ	اشروسنہ	۷۵۵	۴	کی خوبصورتی	خوبصورتی
۷۳۶	۲۴	۲۳۵	+	۷۵۷	۴	برخراسان	پرخراسان
۷۳۷	۸	صدی	صدی میں	۷۵۷	۱۳	نون کث	تون کث
۷۳۸	۱۱	یہاں	کہ یہاں	۷۵۷	۲۱	تھی	تھیں
۷۳۸	۱۱	قتیبہ بن سلم	قتیبہ بن مسلم	۷۵۸	۵	مرگئی	مرگئی
۷۴۱	۳	خوازم	خوارزم	۷۵۸	۱۵	سمجھا	سمجھنا

تمت